راسپوٹین

مرتبہ

ابوضیا اقبال محمد ظفیر ندوی

بہزاد اولڈ بک سیلرز
معرفت نہرو بک ڈپو
17 - انارکلی - لاہور

اتحاد پبلی کیشنز ۲۶ ظفر علی روڈ لاہور

ناشر	اسرار حسن خاں
مطبع	نامی پریس لاہور
باردوم	ایک ہزار
کتابت	قاضی محمد ظفر اقبال سہارنی
قیمت	20/ [redacted] روپے

۱۵ر جون ۱۹۶۶ء

روس کے شاطرِ اعظم راسپوٹین کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اس کا یہ دعوےٰ غلط نہیں تھا کہ اس کی ایک مٹھی میں روس کا تخت و تاج اور دوسری میں کلیسا ہے۔ اسے نہ صرف زارِ روس کے مزاج امورِ سلطنت اور ملکی سیاسیات میں بلا روک ٹوک دخل تھا بلکہ کلیسا اور اہلِ کلیسا بھی اس کے اشاروں پہ ناچتے تھے۔ اس کا "گناہ کے ذریعے نجات" کا فلسفہ زارینہ شاہی بیگمات اور دوسری پرستار خواتین نے جس عقیدت سے قبول کیا وہ حیرت انگیز طور پر بوالہوسی اور سیاہ کاریوں کی ایک ناقابلِ فراموش داستان ہے اس کے چھونے سے بیمار

اچھے ہو جاتے اور اس کی پیش گوئیاں حرف بہ حرف پوری ہوتیں۔

مغربی ممالک میں راسپوٹین کی پراسرار شخصیت پر سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ روس، امریکہ، برطانیہ اور فرانس کی بعض لائبریریوں میں اس موضوع پر الگ شعبے قائم ہیں لیکن اردو زبان میں جرم و گناہ کی اس عجیب و غریب داستان کو پہلی بار پیش کیا گیا ہے جس میں اس کے بچپن سے موت تک کے واقعات تفصیلاً درج ہیں۔

کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آتش کا پہلا ایڈیشن دسمبر ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا تھا اور اب صرف سات ماہ بعد دوسرا ایڈیشن شائع کیا جا رہا ہے۔

محمد ظہیر ندوی

۱۵ رجون ۱۹۶۶ء

ھوو اولڈ بک ڈپو
دنیا کے ہر موضوع پر ملیئے
176 - انار کلی - لاہور

(۱)

پولکر دسکو کے گاڑی بان الیفم اینڈری وچ راسپوٹین کے ننھے لڑکے گریشیا کو اصطبل کی زندگی بے حد پسند تھی وہ وہاں گھٹنوں آلتی پالتی مارے بیٹھا رہتا۔ گھوڑوں کو اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے گھورتا اور دم سادھے ان کے سموں کی ٹاپ اور نتھنوں سے نکلنے والی آواز کو سنتا رہتا۔ اصطبل سے باہر وہ گنوار بدتمیز اور انتہائی شریر بچہ تھا لیکن جونہی وہ سفید کھدر کا ڈھیلا ڈھالا پاجامہ پہنے اصطبل میں داخل ہوتا اس کی دنیا ہی بدل جاتی۔ اس کے چہرے پر بچپن کی جگہ ایک عجیب قسم کی سنجیدگی طاری ہو جاتی۔ آنکھوں میں شعلے لپکنے لگتے اور چہرے پر کھچاؤ پیدا ہو جاتا۔ وہ اس طرح مودب ہو کر بیٹھ جاتا جیسے عبادت میں مصروف ہو۔ وہ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا ایڑیوں کے بل اونچا ہو جاتا یہاں تک کہ اس کا ہاتھ گھوڑوں کے گرم جسم تک پہنچ جاتا۔ وہ انہیں تھپتھپاتا اور پھر بندر کی سی پھرتی کے ساتھ لکڑی کی محراب پر چڑھ جاتا

اس میں لگی ہوئی لوہے کی سلاخ کو پکڑ کر گھوڑوں کی پشت پر سوار ہو جاتا۔ وہ ان کی گردن سے اپنے گرم رخسار لگاتا اور ان سے معصوم بچے کی توتلی زبان میں باتیں کرتا۔

جب گریشا بارہ سال کا ہوا تو اس کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوا۔ وہ اپنے بڑے بھائی میشا کے ساتھ دریائے تورا کے کنارے کھیل رہا تھا کہ میشا پانی میں گر گیا۔ گریشا نے بلا تامل اس کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔ اگر ایک راہ گیر انہیں نہ بچاتا تو دونوں بھائی ڈوب جاتے۔ میشا کے پھیپھڑوں میں پانی بھر گیا تھا اور وہ جانبر نہ ہو سکا۔ گریشا کی جان تو بچ گئی لیکن اس پر اس حادثے کا اتنا اثر ہوا کہ اسے بخار نے آلیا اس پر بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے۔ گول مٹول چہرہ سوکھ گیا اور رنگ پیلا پڑ گیا لیکن شام ہوتے ہی اس پر سرخی جھلکنے لگتی۔ یہ سرخی صحت کی نہیں بلکہ بخار کی ہوتی۔ اس کی عادات میں بھی اتنا تغیر آگیا کہ اس کے ماں باپ کو تشویش پیدا ہوگئی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اسے ہو کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ گاؤں کا ڈاکٹر بھی مرض کی تشخیص نہ کر سکا۔ گریشا کا بخار بڑھتا گیا۔ اسے باورچی خانے کے ایک کونے میں بستر پر لٹا دیا گیا۔ سردیوں میں جب گاؤں کی گلیوں میں سائبیریا کی برفیلی ہوائیں چلتیں۔ اس وقت گھر کا یہ حصہ گرم رہتا۔ شام ڈھلتے ہی قرب و جوار کے کسان چولھے کے اردگرد آ بیٹھتے اور رات گئے تک باتیں کرتے رہتے۔

ایسی ہی ایک شام وہ سب سرگوشیوں میں مصروف تھے۔ گریشا کی طبیعت بہت زیادہ خراب تھی۔ وہ بڑی دیر سے آنکھیں بند کئے لیٹا ہوا تھا۔ اس لئے

لوگ دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ حالانکہ بات بہت اہم تھی۔ گذشتہ رات ایک ایسے جرم کا ارتکاب ہوا تھا جس سے سارا گاؤں برانگیختہ تھا۔ ایک بہت ہی غریب گاڑی بان کا گھوڑا چوری ہو گیا تھا۔ گاؤں کے نیک دل کسان صبح سے شام تک چور اور گھوڑے کی تلاش کرتے رہے تھے لیکن ان کی کوششیں بے سود ثابت ہوئی تھیں۔

سانیریا کے کسان گھوڑے کی چوری کو قتل سے زیادہ ہولناک سمجھتے تھے۔ جب شور و غل زیادہ ہوتا تو گریشا کی ماں اپنا ایگر روتا بیمار بچے کی طرف اشارہ کر کے آہستہ بولنے کی درخواست کرتی۔ باہر سخت اندھیرا تھا اور کہیں دور گیدڑوں کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔

یکایک بیمار گریشا کے نیم جان جسم میں جنبش ہوئی اور وہ اپنے سفید دیہاتی کرتے کو گھسیٹتا ہوا اٹھا۔ اس کے گالوں پر موت کی مردنی چھائی ہوئی تھی اور آنکھوں میں انجانا سا خوف جھلک رہا تھا۔ اس سے پیشتر کہ لوگ اسے سنبھالتے وہ ان کے درمیان پہنچ گیا۔ وہ چند ثانیے خلا میں گھورتا رہا۔ پھر یکایک ایک تنومند کسان کی طرف لپکا۔ اسے ٹانگوں سے پکڑ لیا اور اس کے شانوں پر گھوڑے کی طرح سوار ہو گیا اور بے ساختہ چلانے لگا "ہا ہا۔ پیوٹر الیگزینڈر روویچ تم ہی چور ہو!" وہ بے تحاشا قہقہے لگاتا اور خوشی کے مارے کانپتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ہاتھوں سے پیوٹر کا سینہ پیٹتے اور ٹانگوں سے اسے مارنے لگا۔ گویا گھوڑے کو ایڑ لگا رہا ہے۔ اس کی آواز اتنی تیز تھی اور اس کی آنکھوں سے ایک عجیب روشنی نکل رہی تھی کہ سب کسان دم بخود تھے۔ کیونکہ پیوٹر الیگزینڈر روویچ

نہایت معزز اور دولت مند آدمی تھا اور گھوڑے چور کو سخت ترین سزا دینے کی تجویز میں پیش پیش تھا۔ بوڑھا ایفم اور اس کی بیوی سخت سراسیمہ تھے۔ وہ کبھی لڑکے کی طرف دیکھتے جس کی آنکھیں ایک عجیب وغریب روشنی سے چمک رہی تھیں۔ اور کبھی پیچ و تاب کھاتے ہوئے پیٹر کی طرف۔ اگر گریشا سخت بخار میں مبتلا نہ ہوتا تو اپنے باپ سے وہیں مار مار کر ادھ موا کر دیتا۔ وہ یوں بھی سخت طبیعت کا مالک تھا اور یہ موقعہ تو تھا ہی نازک۔ اسے اپنے گھر میں گاؤں بھر کے ایک معزز آدمی کی توہین کیسے برداشت ہوتی۔ ایفم نے بار بار پیٹر سے معافی مانگی اور اس طرح محفل برخاست ہونے سے پہلے پہلے معاملہ رفع دفع ہو گیا تاہم کچھ لوگوں کے دلوں میں بیمار بچے کے الفاظ جذب ہو کر رہ گئے۔ چند من چلے پیٹر کے کھیتوں کی سمت چل دیئے۔ رات کی تاریکی میں جب وہ دبے پاؤں پیٹر کے گھر کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ پر اسرار طریقے سے باہر نکل رہا ہے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور اطمینان کر لینے کے بعد کھیت کے ایک تاریک گوشے میں پہنچا، چوری کا گھوڑا نکالا اور پھر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح گاؤں والوں نے ایفم کا دروازہ کھٹکھٹایا اور قسم کھاتے ہوئے کہا کہ گریشا نے بخار کی حالت میں حقیقت کا انکشاف کیا تھا۔ یعنی پیٹر الیگزنیڈر رووچ ہی چور تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم نے مجرم کا پیچھا کیا اور اسے مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد گاؤں والے گریشا کو عقیدت کی نظر سے دیکھنے لگے۔

گریشا یعنی گریگوری ایفم دوچ راسپوٹین دوسرے دیہاتی لڑکوں کی طرح پروان چڑھا۔ رفتہ رفتہ وہ بھی بُرے لچھنوں میں پڑ گیا۔ وہ دن بھر کھیت میں کام کرتا ۔ اور رات کو بے انداز شراب پیتا ۔ جوا کھیلتا اور لڑکیوں کا تعاقب کرتا۔ ایک روز گاؤں کے میلے میں اس کی نظریں دلکش حسینہ پر اسکودیا فیوڈورونا سے لڑ گئیں ۔ چل گیا اور بڑی جدوجہد کے بعد اس سے شادی کرلی ، لیکن اس سیاہ آنکھوں والی دوشیزہ سے شادی کے بعد بھی اس نے اپنی آوارہ مزاجی نہیں چھوڑی اور جب بھی موقعہ ملتا ، گاؤں کی خوبصورت لڑکیوں کو چھیڑنے سے باز نہ آتا ۔

ایک روز راسپوٹین نے اپنے دوست پیچرکن کو بتایا کہ وہ تورا کے کنارے چہل قدمی کر رہا تھا ، اسے اچانک سریلی آواز اور مدھر تان میں وہ ترانہ سنائی دیا جو گاؤں کی لڑکیاں مل کر گاتی تھیں ۔ اس نے گھوم کر دیکھا تو حیران رہ گیا ۔ فضا میں ہزاروں فرشتوں کے مقدس گیت کی آواز گونج رہی تھی ۔ اُسے یوں محسوس ہوا کہ سورج کی سنہری کرنوں میں ہزاروں حوریں جھولا جھول رہی ہیں ۔ وہ لرزتا تھراتا کھڑا رہ گیا ۔ جب وہ شام کو اصطبل میں گھوڑوں کے پاس پہنچا تو اسے عجیب سی تنہائی محسوس ہوئی ۔ اسے ایسا لگا جیسے اس کے اندر سے کوئی جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہا ہے کہ وہ گھوڑوں ، جوا خانوں ، لڑکیوں حتیٰ کہ گھر ، ماں باپ اور بیوی تک کو چھوڑ دے ، لیکن ایک موہوم سے تصور پر اتنا بڑا قدم تو نہیں اٹھایا جا سکتا تھا ۔ اس نے اس واقعہ کو بھلا دینے کی کوشش کی اور ایک بار پھر عیاشیوں میں

کھوگیا۔

راسپوٹین نے اپنے باپ کا پیشہ گاڑی بانی اپنا لیا۔ سامان اور مسافروں کو اپنی گھوڑا گاڑی میں آس پاس کے گاؤں میں لے جانے لگا۔ کبھی کبھار تو وہ پوسک، تیومین اور ورخوٹور تک چلا جاتا جو یورال کے دامن میں واقع ہے۔ اس طرح راسپوٹین کو دور دراز کے علاقوں کو دیکھنے کا موقعہ ملتا رہا۔

ایک روز اس کی زندگی میں ایک اور انقلاب آیا۔ اسے ایک مسافر نے ایک نئے موڑ پر لا کھڑا کیا۔ اس وقت اس کی عمر تینتیس برس تھی۔ یہ مسافر اس کی گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ راستے میں دونوں کے درمیان خدا اور کلیسا کے تعلق پر باتیں ہونے لگیں۔ مسافر کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ دیکھنے میں اجڈ اور جاہل گاڑی بان مذہبی طور پر کتنا باشعور تھا۔ اس نے راسپوٹین کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر کے گناہ کر رہا ہے۔ مسافر کی یہ بات اس کے دل میں گھر کر گئی۔ مسافر نے بتایا کہ وہ ورخوٹور کی درگاہ میں الٰہیت کی تعلیم حاصل کرنے جا رہا ہے اور اس درگاہ میں جس فلسفے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ عیسائیت کے عام تصور سے مختلف ہے۔ اس درگاہ کے پیروکاروں کا عقیدہ ہے کہ کوئی کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو۔ اگر چند مخصوص ضابطوں کو اپنا لے تو اس کے لئے یہیں اسی دنیا میں بہشت کا سامان ہو سکتا ہے۔ دنیا ہی میں بہشت کے تصور نے عیاش راسپوٹین کے جسم میں بجلی سی دوڑا دی اور اس نے فیصلہ کر لیا وہ گھر لوٹنے کی بجائے کچھ دن اس درگاہ میں ٹھہر کر ”دنیا میں بہشت“ کے حصول کی کوشش

کرنے لگا۔ درخوٹور کی درگاہ اپنی قسم کی واحد جگہ تھی۔ اس میں راہبوں کے لئے نہ صرف درس گاہ اور عبادت گھر تھا بلکہ طول وعرض میں پھیلے ہوئے کھیت بھی تھے۔ جن میں وہ مذہبی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے ساتھ ساتھ کاشت بھی کرتے۔ اور دنیا داروں کی سی زندگی بسر کرتے۔ راسپوٹین گاڑی بان تھا۔ اور محنت کا عادی بھی۔ وہ جلد ہی ان میں گھل مل گیا۔ اس درگاہ کے پیروکار "خلائسٹی" کہلاتے تھے۔ اور ڈینیلا فلیپچ کا جبت کا دم بھرتے نہ تھکتے جس نے دو سال پہلے خلائسٹی فرقے کی بنیاد رکھی تھی۔ اس نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا تھا "میرے قوانین کو خفیہ رکھو اور اپنے ماں باپ تک پر انہیں آشکار نہ کرو تازیانوں اور آگ کے شعلوں میں بھی اپنا منہ بند رکھو اس طرح تم جنت کی عدود میں داخل ہو جاؤ گے۔ اور اسی دنیا میں اس کا صلہ پاؤ گے۔" اس فرقے کے قریبی مطالعے سے راسپوٹین کے دل میں یہ بات گھر کر گئی کہ قدیم رسوم، دعائیں اور طریقہ عبادت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو ابھی ناپختہ ہیں۔ ہنوز تاریکی میں ہیں۔ کلیسا اور اس کے مقلد پادری صحیح راستے سے بھٹک چکے ہیں اور اس نئے فرقے کا بانی ہی لوگوں کو راہِ راست پر لا سکتا ہے۔ اوروں کی طرح راسپوٹین کو بھی یقین تھا کہ اس فرقے کے بانی پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی۔ جس شخص کو خدا سے براہ راست واسطہ اور روح القدس کا قرب حاصل رہا ہے۔ اس کے نزدیک کلیسا کے قوانین اور رسوم بے وقعت تھے۔ پہلے پہل تو ڈینیلا فلیپچ بائبل کا بڑا رسیا تھا، لیکن جب اس پر "انکشافات" ہوئے تو اس نے بائبل اور دوسری

تمام مذہبی کتب کو دریا سے وولگا میں بہا دیا۔ رفتہ رفتہ راسپوٹین پکا "خلائسٹی" بن گیا۔ گو وہ اب بھی وعظ میں شریک ہوتا۔ پادری کے سامنے عام عیسائیوں کی طرح اقرار گناہ کرتا اور گرجا میں ایستادہ مجسموں کے سامنے لاتعداد مرتبہ سجدہ ریز ہوتا تاہم وہ سمجھتا تھا کہ یہ محض دکھاوے کی باتیں ہیں۔ سچا مذہب وہی ہے جو "خلائسٹی" فرقے کا ہے۔ راسپوٹین دوسرے ہم مسلک لوگوں کی طرح اس وحشی پن کو گناہ نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ اسے اپنے نئے مذہب کی خدمت جانتا تھا۔ نئے عقیدے نے اس کے سامنے امیدوں اور ممکنات کی نئی دنیا کھول دی تھی۔ اس کے عقیدے کے مطابق دنیا میں کہیں کسی وقت بھی خدا جسمانی طور پر ظاہر ہو سکتا تھا۔

اس فرقے کا ایک اور عجیب عقیدہ تھا کہ خدا سے جسمانی ربط رکھنے اور جنت کی تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے انسان کا "پر اسرار موت" سے ہم کنار ہونا ضروری ہے۔ یہ "موت" وہ دنیا کی نظروں سے روپوش ہو کر حاصل کر سکتا ہے۔ جو شخص بھی دنیا میں پیدا ہوا ہے وہ گناہ کرنے پر مجبور ہے اور جب وہ گناہ میں ڈوب جاتا ہے اس "پر اسرار موت" سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے حیات نو ملتی ہے۔ اور وہ بتدریج گناہوں پر قابو پا لیتا ہے۔ اسے کرامات دکھلانے کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ بیماروں کو اچھا کر سکتا ہے۔ مستقبل کی پیش گوئی کر سکتا ہے۔ مردوں کو قبروں سے زندہ کھڑا کر سکتا ہے۔ اسے قضا و قدر پر اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ گناہ گاروں کو دوزخ سے نکال کر جنت کی طرف لے جا

سکتا ہے۔ بلکہ روزِ حشر میں جزا و سزا اسی کے مشورے سے ملے گی دوسرے معنی میں وہ بیک وقت خدا اور آدمی بن جاتا ہے۔ راسپوٹین کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ عیسٰی ابنِ مریم کے بعد خدا تعالیٰ لاتعداد مرتبہ زمین پر آتا اور سیدھے سادھے روسی دیہاتیوں کے لباس میں پھرتا رہا تھا۔ وہ اسی طرح فرشتوں کے جھرمٹ میں پرواز کرتا ہوا روس کے صوبے ولاڈیمیر کے ضلع اسٹاروڈب میں موروکف کے مقام پر ڈینیلا کے قالب میں اترا جو کسی زمانے میں "مفرور" رہ چکا تھا۔ اس کے بعد خداوند کریم ڈینیلا کے جسدِ خاکی میں حلول کو سڑو ما کے دیہاتوں میں پھرتا رہا۔ دیہاتوں کی زبان میں بات چیت کرتا رہا اور اس طرح دیہاتیوں کو راہِ نجات دکھاتا رہا۔ یہاں تک کہ زار الیگزینڈر مائیخیلووچ نے اسے گرفتار کروا کر ماسکو بلوایا اور "بابِ مسیح" کے سامنے کریملن کی دیوار پر پھانسی دے دی لیکن موت کے تیسرے ہی ہفتے کے روز وہ قبر سے نکل کر اپنے حواریوں کے سامنے نمودار ہوا۔ پولیس نے اسے دوبارہ گرفتار کر لیا اور کیلوں سے صلیب پر گاڑ دیا۔ بات یہیں ختم نہیں ہوئی وہ پھر زندہ ہو گیا اسے پھر پکڑ لیا گیا۔ لیکن جس دن اسے تیسری مرتبہ موت کے گھاٹ اتارا جانا تھا۔ زارینہ کے ہاں پیٹر الگزیوچ پیدا ہوا جس نے بعد میں پیٹر دی گریٹ کا لقب اختیار کیا۔ بچے کی پیدائش کی خوشی میں زار نے اسے رہا کر دیا

اس کے بعد خداوند پھر روسی سرزمین پر مہربان ہوا۔ اور اس مرتبہ اس نے ایک معمولی تیر انداز پروکوپی لوپکن پہ نظرِ کرم فرمائی۔ لوپکن زار کی فوج میں ملازم تھا۔ اس نے شہنشاہ کے خلاف بغاوت کی تھی۔ جس کی پاداش

میں نوگرووڈ میں جلا وطنی کے دن گزار رہا تھا - جب اس کی روح جسدِ خاکی سے جدا ہوئی - تو خدا ایک مخبوط الحواس گونگے کسان اینڈری پیٹررون کے جسم میں منتقل ہو گیا - یہ شخص ہکلاتا اور بے معنی اشارے کرتا تھا - سردی ہو یا گرمی ایک قمیص میں ملبوس دیہاتوں میں بھٹکتا پھرتا تھا ، لیکن دیہاتیوں نے جو خدا کے تمام اسرار و رموز سے آگاہ ہو چکے تھے اسے فوراً پہچان لیا - وہ اس کے قدموں میں گر پڑے -

اس قسم کے قصے کہانیاں راسپوٹین کے دل میں گھر کر چکی تھیں - لیکن "پیغمبر" راڈیف کے جسم میں خدا کے ظہور والے قصے نے تو گویا اس کے دل کو امید کی شمع سے بقعۂ نور کر دیا کیونکہ راڈیف جو ربع صدی پہلے لوگوں کے درمیان گھومتا پھرتا تھا ، دنیاوی نقطہ نظر سے ایک ناقابلِ اصلاح اور پرلے درجے کا بدمعاش تھا - جس کی اوباشیاں اتنی بڑھی ہوئیں اور اتنی سنگین تھیں کہ ان کے سامنے وہ تمام الزامات ہیچ نظر آتے تھے جو راسپوٹین پر لگائے گئے تھے - شاید ہی کوئی گناہ ہو جس کی زد سے وہ بچا ہو تاہم وہ ایک "عظیم پیغمبر" تھا - ان دیہاتیوں کے نزدیک یہ گناہ گناہ تھے ہی نہیں ، کیونکہ "خدا کے حکم کے مطابق" کئے گئے تھے - اس کے بدترین اعمال بھی عام آدمیوں کے بہترین اعمال سے بہتر تھے - اس کے وجود میں گناہ اپنی ساری طاقت کھو چکا تھا - لہٰذا اس کی کسی حرکت پر لعن طعن کرنے کی گنجائش نہیں تھی - جب زار کے مصاحبوں نے اسے تائب ہونے کو کہا تو اس نے فخر سے جواب دیا "جب باری تعالیٰ نے خود مجھے ایسا کرنے کی تلقین کی ہے

تو تائب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" پھر جب اسے ایک عدالت کے سامنے پیش کیا گیا تب بھی اس نے اعتراف جرم کرنے کی بجائے یہی کہا کہ "میرے تمام افعال و اعمال "حاکم اعلیٰ" کے احکام کے تابع ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ میں قانون شکنی کر رہا ہوں، لیکن احکام الہٰی کے آگے انسانی قوانین کیا وقعت رکھتے ہیں؟ یہ تمام عورتیں جو میرے ساتھ اس "کارِ خیر" میں شریک ہوئی ہیں، خدا کی نظروں میں ان عورتوں سے بدرجہا بہتر اور محبوب ہیں جنہوں نے میرے "قریب" آنے سے انکار کر دیا تھا۔ خدا اس آدمی کو پسند کرتا ہے جو خود کو گناہ کے ذریعے حقیر و خوار کرے۔ میں نے ان عورتوں کو جنہوں نے اپنی آبرو مجھ پر قربان کر دی، گناہ کے ذریعے حقیر و خوار کر دیا ہے۔ تاکہ وہ اپنی پاک دامنی پر گھمنڈ کر کے خدا کی رحمت سے محروم نہ رہیں"۔

گریگوری راسپوٹین نے یہ بھی سنا تھا کہ راڈیف کے بعد بھی خدا کا وجود زمین پر باقاعدہ نازل ہوتا رہا۔ جب کبھی بھی خلائسٹی کسی جگہ خفیہ طور پر اپنی رسوم ادا کرنے جمع ہوتے، خدائے برتر ان میں سے افضل ترین شخص کے گوشت پوست میں حلول ہو جاتا۔ راسپوٹین کا یہ عقیدہ راسخ ہو چکا تھا کہ جنت زمین پر بھی کہیں نہ کہیں ہے۔ اس تک پہنچنے کا راستہ کہیں قریب، بہت ہی قریب ہے۔ اسے اس عقیدے میں اپنے وہ سارے خواب پورے ہوتے نظر آئے جو وہ بچپن سے دیکھتا چلا آیا تھا۔ وہ سوچتا کہ اب وہ جو کچھ کرے گا اسے تائید ایزدی حاصل ہو گی۔ اس کے بعد راسپوٹین کا ایک ہی منتہائے حیات رہ گیا۔ اس کی تمام کوششیں اسی جدوجہد میں صرف ہونے لگیں کہ کسی طرح

"خلائسٹی"، کے احکامات پر چل کر صاحب کمال بن جائے۔

درخوٹور کی درگاہ چھوڑنے سے پہلے اس نے "مرد کامل" ماکاری سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ اس کی جھونپڑی قریب ہی تھی۔ نہ صرف درخوٹور کے راہب بلکہ دور دراز کے رہنے والے تمام طبقوں کے مرد اور عورتیں جب بھی کسی نا انصافی کا شکار ہوتیں یا اپنے کسی بُرے عمل پر پچھتاتیں تو ماکاری کی خدمت میں حاضر ہوتیں۔ ننگے سر ننگے پاؤں پیٹھ پر روٹیوں کی پوٹلی باندھے ہاتھ میں لاٹھی تھامے سائبیریا کے جنگلوں اور کچی پکی جھونپڑیوں کو اپنے پیچھے چھوڑتے کئی کئی دن لگاتار چلنے والے ان عقیدت مندوں میں غریب اور امیر کسان اور تاجر، سپاہی اور افسر سبھی شامل تھے۔ اس طرح ماکاری کی شہرت تمام روس میں پھیل چکی تھی۔ راسپوٹین کو اس کے دوستوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ "مرد کامل" کسی زمانے میں سخت گناہ گار رہ چکا تھا۔ جس سے دنیا کا کوئی گناہ اور کوئی نشہ نہ چھوٹا تھا۔ وہ دنیا کی تمام ترغیبات سے آگاہ تھا زندگی کے تمام لذائذ سے لطف اندوز ہو چکا تھا۔ اور جب تک اس کے بدن میں خون کی آخری بوند باقی تھی، گناہوں میں سرتاپا غرق تھا، لیکن جب گناہوں نے اس کی روح اور جسم کو دھو کر بالکل پاک کر دیا اور جب اس کے دل و دماغ "مصفا" ہو گئے تو اس نے اپنے جسم، دل اور ذہن کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کر دیا۔ اس وقت وہ کوئی ساٹھ کے پیٹے میں تھا۔ پہلے تو وہ ایک خانقاہ میں سال ہا سال رہا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ خدا کا بن چکا ہے تو اس نے جنگلوں کا رخ کیا۔ اب وہ اس جھونپڑے میں دنیا

ترک کرکے شب و روز عبادت میں مشغول تھا۔ راسپوٹین اس سے ملاقات اس لئے کرنا چاہتا تھا کہ وہ فیصلہ کر سکے کہ آیا وہ اپنے بیوی بچوں، بچپن کے دوستوں، گھوڑوں اور اصطبل کی زندگی میں لوٹ جائے یا اپنی زندگی کو ایک "بلند تر" مقصد کے لئے وقف کر دے۔

ماکاری کی جھونپڑی جنگل کے ایک دور دراز تاریک گوشے میں تھی۔ اس تنگ و تاریک قبر نما چار دیواری میں وہ "مردِ کامل" افلاس و نکبت کے دن گزار رہا تھا لیکن اس کا چہرہ اندرونی مسرتوں سے دمک رہا تھا اور اس کے زرد ہونٹوں پر حقیقی خوشی کی مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اس کی آواز اتنی نحیف تھی کہ اس پر محض سانس کا گمان ہوتا تھا۔ راسپوٹین اس کے قدموں میں گر پڑا اور اس کے زنجیروں میں بندھے پیروں اور ہاتھوں کے لگاتار بوسے لینے لگا۔ اس کے بعد سیدھے سادھے الفاظ میں اس نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ اس نے کچھ بھی نہ چھپایا اپنی گناہ آلود زندگی، پراگندہ خیالات درگاہ میں قیام کے دوران غلط جذبات، سب ہی باتیں بلا کم و کاست کہہ ڈالیں۔ جب راسپوٹین نے اپنی داستان ختم کرکے سر اوپر اٹھایا تو ماکاری اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اسے اپنے سر پر استخوانی ہاتھ کا لمس محسوس ہوا اور زنجیروں کی کھڑکھڑاہٹ میں ماکاری کی آواز سنائی دی "خوشی مناؤ میرے بیٹے ہزار ہا انسانوں میں سے خدا نے تم ہی کو منتخب کیا ہے۔ بڑے بڑے کام تمہارے لئے چشم براہ ہیں۔ چھوڑ دو اپنے بیوی بچوں کو، چھوڑ دو اپنے گھوڑوں کو اپنے آپ کو روپوش کر لو۔ جاؤ سیلانی بن جاؤ۔ مادیہ ترک تم

سے ہم کلام ہوگی۔ اس کے الفاظ کے معنی سمجھنا سیکھو، اس وقت، اس سے پہلے نہیں، دنیا کی طرف لوٹ آؤ اور لوگوں کو بتاؤ کہ ہمارے مقدس وطن نے تمہیں ان کے لیے کیا پیغام دیا ہے۔"

اس کے بعد راسپوٹین اپنے بیوی بچوں کو الوداع کہنے کے لیے پوکروسکی گیا۔ فادر ماکاری نے اسے ترکِ دنیا کی تلقین کی تھی اور وہ خود بھی جان چکا تھا کہ "صراطِ مستقیم" پر گامزن ہونے کے لیے پہلا قدم نفس کشی ہے اور اس کے لیے گھر بار عیش و آرام اور دنیاوی لذائذ کو ترک کر کے نگر نگر گھومنا لازمی ہے اس کے لیے "سیلانی" بننا ناگزیر تھا۔ روس میں "سیلانی" ایک مخصوص اصطلاح تھی جسے خدا تک پہنچنے کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ ہر عمر کے لوگ اچانک کھیتوں اور زمینوں پر کام کرنا چھوڑ دیتے، اپنے نام بدل لیتے، کپڑے اتار دیتے، دنیا سے تمام ناطے توڑ لیتے حتیٰ کہ ماں باپ بیوی بچوں کو بھی بھلا دیتے اور گم نامی میں کھو جاتے وہ اپنے متعلق کسی کو نہ بتاتے کہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں سالہا سال تک ان کے رشتہ داروں اور دوستوں کو ان کے متعلق ایک لفظ بھی معلوم نہ ہوتا۔

"خلا کشتی" فرقے کے نزدیک ازدواجی زندگی ناقابلِ برداشت تھی یہ ایسا مذموم بندش تھی کیونکہ اس سے انسان دنیا سے بندھ جاتا تھا۔

روس کے دیہاتوں میں ان "سیلانیوں" سے زبردست عقیدت رکھنے والے سیدھے سادھے دیہاتیوں کی کمی نہ تھی۔ انھوں نے اپنے گھروں میں ایسے تہہ خانے بنا رکھے تھے جن میں "سیلانیوں" کی بود و باش، آرام و آسائش

کا پورا انتظام کیا جاتا تھا اور جہاں وہ جب تک جی چاہتا رہتے اور کسی دن کسی کو بتائے بغیر غائب ہو جاتے۔ کبھی کبھار تو گاؤں کا گاؤں ان کا عقیدت مند نکل آتا اور پھر کسی راز کی ضرورت پیش نہ آتی۔ وہ اپنے مہمان کے متعلق کبھی کچھ جاننے کی کوشش نہ کرتے۔ کیا نام ہے کہاں سے آیا ہے، اس کا اگلا پڑاؤ کہاں ہو گا؟ اس سے انہیں کوئی واسطہ نہ تھا۔ ان کا کام خاموشی سے خدمت کرنا تھا جس میں وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے وہ اس کی آمد کو باعث افتخار سمجھتے اور جب وہ رخصت ہوتا تو اسے اپنی محرومی سمجھتے۔ "سیلانیوں" کا مقام ان لوگوں کے نزدیک کلیسا کے پادریوں سے بڑھ کر تھا۔ لوگ ان کے پاس نذر نیاز کے لئے آتے اور انہیں اپنا مرشد تسلیم کر لیتے۔

راسپوٹین نے بھی اسی طرح سالہا سال تک سیلانی زندگی بسر کی۔ یہ عرصہ اس کی شخصیت کی تعمیر کے لئے زبردست اہمیت کا حامل تھا۔ دیہاتی گھروں کے تہہ خانوں میں اسے ہر قسم کے لوگوں سے ملنے کا موقعہ ملا جو اس کی طرح زندگی سے کنارہ کشی کر کے "صراط مستقیم" کی تلاش میں نکلے تھے۔ وہ روسی دیہاتیوں کی ضعیف الاعتقادی ان کے خیالات، خواہشات اور مسائل سے پوری طرح واقف ہونے کے علاوہ کوچہ گردی اور پولیس کے طریقہ کار سے بارہا واسطہ پڑنے کے باعث قیافہ شناسی کا ماہر بھی ہو گیا۔ باتوں ہی باتوں میں مدمقابل کا سارا راز اگلوا لینا اور ان کی کمزوریوں اور خصوصیات کو لمحوں میں بھانپ لینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل بن گیا تھا۔

راسپوٹین کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کر روپوشی کے ایام میں بعض کہنہ مشق اور پڑھے لکھے بیلائیوں کی قربت کی وجہ سے اسے بائبل کے اقتباسات کے برمحل استعمال پہ زبردست عبور حاصل ہو گیا جس سے اس کی آئندہ زندگی پر خاطر خواہ اثر پڑا اور اس کی شخصیت اجاگر ہونے میں مدد ملی۔ جس کی وجہ سے علماء اور فضلاء اس کے سامنے لاجواب اور انگشت بدنداں رہ گئے المختصر خفیہ تہہ خانے اس کے لئے فقید المثال تربیت گاہیں ثابت ہوئیں اس کی آئندہ زندگی کا ہر قدم ان کا مرہون منت تھا۔

"خلائسٹیوں" کے یہ خفیہ مسکن بڑے عجیب و غریب تھے وہ معمولی دیہاتی جھونپڑی جس میں "کرامات" کا ظہور ہوتا بالکل عام دیہاتی جھونپڑیوں کی مانند ہوتی تھی۔ آنگن سے گزر کر ایک بیٹھک میں دیواروں سے لگی بنچیں، ایک سادہ سی میز اور دو بے وضع کرسیاں ہوتیں۔ ہر ہفتہ کی شام کو ایک ایک کر کے دیہاتی عورتیں اور مرد چپکے چپکے جھونپڑی میں داخل ہوتے۔ جب آفتاب افق میں منہ چھپاتا تو کھڑکیوں پر دبیز پردے ڈال دیئے جاتے اور سب لوگ بنچوں پر خاموشی سے اس طرح بیٹھ جاتے کہ عورتیں بائیں طرف ہوتیں اور مرد دائیں جانب۔ صدر مجلس کیلئے ایک مرد اور ایک عورت دو کا انتخاب کیا جاتا۔ اس کے بعد گانے کا دور شروع ہو جاتا۔ ان گانوں میں اس فرقے سے عقیدے کا اظہار ہوتا اور اس کے لئے مر مٹنے کی امنگ کا اظہار رفتہ رفتہ گانوں میں جوش و خروش بڑھنے لگتا۔ اب عورتیں اور مرد اپنے کپڑے اور جوتے اتار کر صرف لٹھے کی ایک قمیص پہن لیتے۔ سفید قمیص آئیون کے سلوف

کی یاد دلاتی تھی جس کی کھال گرفتاری کے وقت سفید لٹھا بن گئی تھی۔ بارہ موم بتیوں کی روشنی میں سفید قمیصوں میں ملبوس وہ گاتے رہتے۔ جب جوش و خروش پورے شباب پر پہنچ جاتا تو ان میں سے ایک اٹھتا اور دائرے کی شکل میں چکر لگانے لگتا۔ اس کے ساتھ ہی عورتیں اور مرد جوڑے جوڑے بن کر ناچ شروع کر دیتے۔ یہ ناچ اس قسم کا تھا کہ ہر فرد کبھی ایک دوسرے کے پیچھے دائرے کی شکل میں ناچتا اور کبھی اکیلا اپنے گرد گھوم جاتا اب ساری کائنات چاند، سورج اور جنت "متحرک" ہو جاتی۔ اس کے ساتھ ہی تصور ہی تصور میں خداوند کریم سنہری بگل کی آواز کی جلو میں ان کے درمیان آموجود ہوتا اور اعلان کرتا کہ سب گناہ گار بخش دیئے گئے ہیں۔

اب رقص نئی شکل اختیار کر لیتا۔ سب لوگ کمرے میں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگتے۔ وہ زور زور سے خدا کو پکارتے۔ یہ رقص طلوع آفتاب تک جاری رہتا۔ فرش پسینے کی وجہ سے گیلا ہو جاتا۔ کمرے میں ایک طوفان بدتمیزی مچ جاتا۔ وہ اپنی قمیصیں سینوں تک اٹھا لیتے اور پھر رفتہ رفتہ سب کے سب مادر زاد ننگے ہو کر اور تیزی سے رقص شروع کر دیتے۔ روشنی گل کر دی جاتی اور لوگ گناہ میں ڈوب جاتے۔ اس وقت عمر اور رشتے کی کوئی قید نہ ہوتی۔

ایسی ہی مجلسوں میں راسپوٹین پر "خلائی" فرقے کے اس فلسفے کا انکشاف ہوا کہ "گناہ کے ذریعے ہی حیات نو مل سکتی ہے"۔ اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ جب تک انسان اپنے تقدس کی انا کو پوری طرح گناہ

کے ذریعے نابود نہیں کر دیتا وہ دنیاوی بندھنوں سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔
راسپوٹین نے اپنی آئندہ زندگی اسی فلسفے کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے
وقف کر دی اس نے "خلاسٹیوں" کے حلقے سے باہر بھی اس کا پرچار کیا
اور لوگوں خصوصاً عورتوں اور نوخیز لڑکیوں کو گناہ پر آمادہ کرنے کے لیے
نت نئے طریقے استعمال کئے۔ تبہ خانوں کی سالہا سال کی زندگی نے اس
میں زبردست قوت ارادی پیدا کر دی تھی اور یہی قوت ارادی اسے روسی
تاریخ میں ایک "عجیب و غریب" مقام دلا گئی۔

۲

ہاتھوں میں کشکول اور پیٹھ پر روٹیوں کی پوٹلی لادے، لاٹھی کاندھے پر رکھے راسپوٹین کو نگر نگر پھرتے کئی سال بیت گئے۔ اس تمام عرصے میں اس کے گھر والوں کو اس کے متعلق کوئی خبر نہ ملی۔ اس کا بوڑھا باپ جوان بیٹے کا غم کھا رہا تھا گو اس دوران اس کی مالی حالت بہت سدھر گئی تھی۔ خستہ جھونپڑے کی جگہ دو منزلہ پکا مکان ایستادہ تھا۔ اصطبلوں کی تعداد بڑھ گئی تھی اور ان میں درجنوں گھوڑے ہنہنا رہے تھے۔ اس کا شمار سائبیریا کے گنے چنے خوشحال کسانوں میں ہونے لگا تھا، لیکن دولت کی فراوانی اس کے لیے سکھ کی روپہلی کرن کی بجائے دکھوں کی نہ ختم ہونے والی کالی رات لے آئی تھی۔ پہلے تو یکے بعد دیگرے اس کے دونوں بیٹے اس سے منہ موڑ گئے۔ ایک کے لئے تو صبر کیا جا سکتا تھا

کہ وہ ہمیشہ کے لئے دنیا چھوڑ چکا تھا لیکن دوسرا خدا کی وسیع و عریض زمین پر کہیں نہ کہیں موجود رہنے کے باوجود اس کی نظروں سے کوسوں دور تھا۔ اس کے بعد اس کی سالہا سال کی مونس اور رفیقہ حیات اپنا اگورنا قبر میں جا لیٹی۔ اس سے بوڑھے ایلغم کی کمر ٹوٹ گئی۔ اب اسے راسپوٹین شدت سے یاد آنے لگا۔ وہ دل ہی دل میں کہتا "کاش میرا نورِ نظر لوٹ آئے اور میرے ناتواں جسم کا سہارا بنے۔ اسے مذہبی لگن نہ ہی لگتی تو اچھا تھا۔ وہ شرابی کبابی اور بدکار ہی اچھا تھا۔ کم از کم نظروں کے سامنے تو رہتا!" وہ دل ہی دل میں گھل رہا تھا۔ لیکن حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتا، کیونکہ اس نے ہی تو اپنے بیٹے کو جانے کی اجازت دی تھی۔ وہ جس مقصد کے لئے جا رہا تھا وہ دنیا کے کاموں سے کہیں زیادہ اعلیٰ و ارفع تھا۔ اسی جذبے کے تحت اب وہ اپنا زیادہ تر وقت گرجا میں یا بڑے کمرے میں ایستادہ مریم کے مجسمے کے سامنے گھٹنوں آنکھیں بند کئے دعا مانگنے میں صرف کرتا۔ اس نے ہمسائیوں سے تقریباً تمام تعلقات منقطع کر لئے حتیٰ کہ راسپوٹین کی بیوی بچوں کے ساتھ بھی بہت کم بیٹھتا تھا۔ بچے اب پہلے کی طرح کہانیاں سننے کو ترس گئے تھے جب اس سے کاروبار کے متعلق کوئی بات پوچھی جاتی تو وہ جواب دینے کی بجائے خلا میں گھورنے لگتا گویا کہہ رہا ہو "مجھ سے کیا پوچھتے ہو میں اور میرا بیٹا تو اب اللہ والے ہو چکے ہیں۔"

شوہر کی طویل جدائی کا اثر فیڈرونا کے دل پر بھی کچھ کم نہ ہوا تھا۔

وہ بھی اپنے غم کا مداوا مریم کے مجسمے میں تلاش کرتی لیکن وہ اپنے خسر جیسی قوتِ برداشت اور پر تقدس جذبات سے محروم تھی - اس کا ارمان بھرا دل رات کی تنہائیوں میں شوہر کے لئے دھڑکتا اور وہ رات بھر بستر پہ کروٹیں بدلا کرتی - اس کی تنہائیوں کی ساتھی راسپوٹین کی وہ تصویر تھی جس میں دنیا کے تفکرات سے آزاد مسکراتا ہوا اور مطمئن دکھائی دیتا تھا - وہ سینے میں ارمان دبائے خود کو دن بھر گھر کے کاموں میں مصروف رکھتی تاہم کوئی نہ کوئی لمحہ راسپوٹین کی یاد بن کر اس کے دل کو ڈس جاتا - وہ تیزی سے کمزور ہو رہی تھی اور اس کے چہرے پہ تازگی اور شادابی کی جگہ جھریاں بتدریج نمایاں ہونے لگی تھیں -

شاید ہی کوئی دن جاتا ہو کہ ان کے گاؤں میں کوئی نہ کوئی سیلانی نہ آتا ہو گاؤں کے رواج کے مطابق ان میں سے کوئی اس بوڑھے ایفم کے ہاں رات بسر کرنے کی درخواست کرتا - ایسے موقعوں پر فیڈرونا کی کھوئی ہوئی بشاشت عود کر آتی وہ ان سے اپنے شوہر کے متعلق ہزاروں سوال پوچھتی اور سچ ہو یا جھوٹ ، ان میں سے کوئی نہ کوئی راسپوٹین کے چیلے کے سے شخص کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور بتاتا - کوئی کہتا کہ اس نے نہ صرف راسپوٹین سے باتیں کی ہیں بلکہ اس کے ہمراہ کچھ دور سفر بھی کیا ہے - کوئی اس سے یورالس کے راہب کدہ میں ملنے کی کہانی سناتا - کوئی اس کے کازان کی سمت سفر کرنے کی داستان کہتا اور کوئی بتاتا کہ وہ پوکرووسکو کے قریب ہی تورا کے اس پار جنگلوں میں چھپا ہوا ہے - غرض ہزار منہ

ہزار باتیں تھیں۔

ان دنوں ایک "صاحب کرامات" کی دھوم مچنے لگی۔ افواہوں کے مطابق وہ سب سے پہلے تورا کے کنارے رہنے والے ماہی گیروں کے سامنے نمودار ہوا وہ ان کے ساتھ کئی دن رہا۔ ان کے بوسیدہ جالوں کی مرمت کرتا اور ان کے ساتھ حمد و ثنا کرتا رہا۔ ایک دوسری کہانی کے مطابق وہ کھیت میں کام کرتے ہوئے چند دہقانوں کے سامنے ظاہر ہوا۔ دن بھر ان کے ہمراہ فصل کی کٹائی میں ہاتھ بٹاتا رہا اور جب شام ہوئی تو انہیں بتانے لگا کہ کس طرح پادریوں نے مسیح کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر دیا ہے اور کس طرح گناہ کرنے اور پھر پچھتانے سے انسان بالکل پاک ہو جاتا ہے۔

کچھ لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ یہ عجیب و غریب سیلانی گھنے جنگلوں میں عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کو لے جا کر نہ جانے کس قسم کی عبادت کرتا ہے۔ وہ درختوں کی شاخیں توڑ کر ان کی صلیبیں بناتا اور پھر ان کے سامنے دعائیں مانگتا ہے۔ دعا ختم کرنے کے بعد وہ اپنے بازو عورتوں اور لڑکیوں کے گرد حمائل کرتا، انہیں چومتا اور پھر ان کے ساتھ رقص شروع کر دیتا اس دوران وہ نازیبا حرکتیں بھی کرتا اور جب عورتیں اور لڑکیاں مزاحمت کرتیں تو کہتا کہ یہ تو عبادت کا ایک حصہ ہے۔ دیکھنے والوں نے بھی بتایا کہ پہلے تو وہ آگ کا ایک بڑا سا الاؤ تیار کرتا ہے اور پھر لپکتے ہوئے شعلوں کے گرد نوجوان لڑکیوں کے جھرمٹ میں دیوانہ وار رقص کرتا ہے پھر یکایک وہ ایک عجیب آواز سے چلاتا ہے "اپنے غرور کو گناہ سے

نیست و نابود کر دو - اپنے جسم کا امتحان لو"۔ اس کے بعد جو کچھ ہوتا اسے بیان کرنے کا کسی کو یارا نہ تھا - وہ صرف اشارے کنارے میں بتاتے کہ وہاں رات کی تاریکی میں تاروں بھرے آسمان تلے، انتہائی قبیح حرکات ہوتیں، جنہیں کوئی شریف آدمی سن سکتا تھا نہ دیکھنے کی تاب لا سکتا تھا - اس کی نفسانی خواہشات کی بھینٹ چڑھنے والی وہ خواتین اور نوجوان خوبرو لڑکیاں تھیں جنہوں نے یہ کہہ کر اپنے شوہروں، بھائیوں اور والدین کو چھوڑ دیا تھا کہ "صرف وہ ہی ان کی روحوں کو نجات دلا سکتا ہے"۔ تالابوں اور جوہڑوں میں وہ اپنی ان مداح عورتوں کے جھرمٹ میں مادر زاد برہنہ کھڑا رہتا اور وہ اپنے ہاتھوں اس کے غلیظ بدن سے میل اتارتیں مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس طرح ان عورتوں کا باعصمت ہونے کا غرہ جاتا رہتا ہے اور یہی دراصل نجات کا راستہ ہے -

پوکرووسکو کے لوگ سخت تذبذب میں تھے - ایک طرف تو اس کی یہ حرکتیں اسے شیطان کا گماشتہ ثابت کرتی تھیں - گاؤں کے پادری فادر پیٹر نے اسے برسر عام شیطان کہا تھا اور لوگوں کو اس کے خلاف ابھارا تھا لیکن دوسری طرف اس قسم کی باتیں سننے میں آ رہی تھیں کہ اس نے ایک شخص کے جسم سے بدروح کو بھگا دیا اور ایسی پیش گوئیاں کی ہیں جو حرف بحرف پوری ہوئیں - اس قسم کا ایک واقعہ یہ ہوا کہ اس کی پیروکار عورتوں کے بھائی، شوہر اور باپ اسے جان سے مارنے دوڑے - اس نے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر بددعا دی کہ جاؤ تین ماہ

تک بارش نہیں ہو گی اور واقعی بارہ ہفتوں تک سورج کھلے آسمان سے آگ برساتا رہا ۔ ان کی ساری فصلیں جل گئیں ۔ پورے تین ماہ بعد بارش کا پہلا قطرہ جلے کھیتوں پر ٹپکا ۔ ان لوگوں کے دل ڈانواڈول ہونے لگے کہ چاہے فادر پیٹر کچھ ہی کہے راسپوٹین ضرور پہنچا ہوا بزرگ ہے اور یقیناً فادر سے زیادہ خدا رسیدہ ہے ۔ کیونکہ فادر میں بارش روکنے کی صلاحیت قطعی نہیں تھی ۔ ان خیالات کو گاؤں کے ان لوگوں نے زیادہ ہوا دی جو ظاہر میں تو راسخ العقیدہ عیسائی تھے ، لیکن درپردہ "خلاکٹی" تھے ۔ ان لوگوں پر کسی کو شبہ نہ تھا اور وہ خاموشی سے اپنا مشن پورا کرنے میں مصروف تھے ۔ جب وہ ہفتے کی شب کو اپنے خفیہ اجلاس کرتے تو نووارد "سیلانی" کے متعلق دل کھول کر باتیں ہوتیں ۔ انہیں یقین تھا کہ وہ ان کا ایک بھائی ہی ہے ۔ اس کی جن باتوں اور حرکتوں کو دوسرے لوگ تعجب غصے اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے ان "بھائیوں" کے نزدیک وہ قابلِ احترام اور پاکیزہ تھیں ۔ آخر ان کا پیشوا راڈیف بھی تو ایسی ہی حرکتیں کرتا تھا ۔

نووارد "سیلانی" گاؤں والوں کے علاوہ بوڑھے ایفم کے گھر میں بھی بحث کا موضوع بنا ہوا تھا ۔ جب شام ڈھلے وہ اس کی بہو ، گھر کے نوکر چاکر اور پڑوسی جمع ہوتے تو یہ دسے کر یہی ایک موضوع رہ جاتا مزے کی بات تو یہ تھی کہ گاؤں میں سے کسی نے بھی اسے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا ۔ صرف گاؤں کے ایک آدمی نے بتایا تھا کہ اس نے ایک مرتبہ دیکھا

کی منڈی کو جاتے ہوئے سیلانی کو عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کے جھرمٹ میں جنگل سے نکلتے اور کسی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اس کے بتائے ہوئے حلیئے کے مطابق "سیلانی" کا درمیانے قد کا چھریرا بدن تھا۔ اس کے سر پر لمبے لمبے بال تھے جن کے درمیان میں مانگ تھی۔ بال اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اور اس کی لمبی داڑھی ہوا سے لہلہاتی رہتی تھی۔ اس کی آنکھیں دل میں کھب جانے والی تھیں اور چہرہ نفس کشی سے زرد اور ستا ہوا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ "سیلانی" سرتاپا زہد وتقدس میں ڈوبا ہوا نظر آتا تھا۔ تاہم اسے ایک نظر دیکھتے ہی انجانے خوف سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

ان ہی باتوں میں کئی شامیں بیت گئیں۔ ایک رات فیڈرونا کام زیادہ ہونے کی وجہ سے ابھی سوئی نہیں تھی اچانک پھاٹک پر دستک کی آواز سنائی دی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے داڑھی والا ایک بوڑھا کھڑا تھا پہلے تو وہ یہ سمجھ کر ہچکچائی کہ کوئی "سیلانی" ہوگا جو اس کے خسر سے رات گزارنے کی اجازت لینے آیا ہے۔ لیکن فوراً ہی اجنبی کی چھوٹی چھوٹی چمکدار آنکھوں نے حقیقت واضح کر دی یہ اس کا سرتاج راسپوٹین تھا۔ وہ والہانہ طور پر اس سے لپٹ گئی۔ فرطِ محبت سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس نے اپنی جوان امنگوں کو اس کی یاد میں ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا تھا۔ وہ دیوانہ وار ناچنے اور چیخنے لگی لیکن اسے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ اس کے شوہر کی دنیا ہی بدل گئی ہے۔ بوڑھا باپ پتھرائی ہوئی

آنکھوں سے اپنے بیٹے کو نئے روپ میں دیکھ رہا تھا اور بیٹیاں محوِ حیرت تھیں کہ باپ نے اب تک ان کے سروں پر شفقت کا ہاتھ کیوں نہیں پھیرا۔

فیڈرونا شوہر کے سامنے جذبہ عقیدت سے سرشار تھی۔ جب اس نے راسپوٹین کی سابق جگہ پر اس کا بستر کرتے ہوئے اس کی طرف دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا تو اس کے بدن میں جھرجھری سی پیدا ہو گئی اور اس نے ایک خدمت گزار ملازمہ کی طرح ادب سے سر جھکا لیا۔ راسپوٹین نے بستر پر لیٹنے سے انکار کرتے ہوئے خفیہ تہہ خانے کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ اس سے پہلے فیڈرونا آوارہ "سیلانیوں" کو تہہ خانے کا راستہ دکھاتی تھی۔ آج وہ اپنے شوہر کو بادل نخواستہ وہاں پہنچانے پر مجبور تھی۔

اس چھوٹے سے نیم تاریک کمرے میں راسپوٹین ننگے بدن دن رات توبہ و استغفار میں مشغول ہو گیا۔ فیڈرونا اپنے بستر پر نیند کا انتظار کرتے کرتے اس کی دعاؤں کی ہیبت آوازیں سنا کرتی۔ رات کی تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی یہ آوازیں یوں سنائی دیتی جیسے بکرا ذبح کیا جا رہا ہو۔ پہلی رات کے بعد اگلی صبح ابیقم اور فیڈرونا تہہ خانے میں اسے دیکھنے اترے انہوں نے جو منظر دیکھا وہ انتہائی ہیبت ناک اور پر اسرار تھا۔ راسپوٹین گھٹنوں کے بل اس طرح جھکا ہوا تھا کہ اس کا جسم گوشت کا لوتھڑا معلوم ہو رہا تھا اور اس لوتھڑے میں بھی گویا سینکڑوں خم تھے۔ اس کا چہرہ

قریب قریب زمین کو چھو رہا تھا اور اس کے منہ سے صرف ایک ہی فقرہ نکل رہا تھا "او معبود ہم پر رحم کر" یہ الفاظ اس کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے وہ باہم مل کر ایک دلدوز چیخ بن جاتے اور یہ چیخ دل پر ہیبت طاری کرتی ہوئی فضا میں گونج جاتی - کچھ دیر یہی حالت رہی - پھر وہ یکایک چپ ہو گیا - آہستہ آہستہ اس کا بل کھایا ہوا بدن پھیلنے لگا اور سرزمین سے اوپر اٹھنے لگا - اس وقت اس کا چہرہ ایسا لگتا تھا جیسے سونے کے پانی میں نہایا ہو - وہ دوزانوں ہو کر بیٹھ گیا اور اپنے تھرتھراتے ہوئے ہونٹوں سے دوبارہ مناجات پڑھنے لگا مناجات کے یہ الفاظ ایفم اور فیڈرونا کے دلوں میں پیوست ہو گئے - کسی انجانی طاقت نے انہیں گھٹنوں کے بل جھک کر اس کی آواز میں آواز ملانے پر مجبور کر دیا - اس کے بعد وہ بھی رو رو کر اور گڑگڑا کر خداوند کریم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگے -

جب راسپوٹین کی آمد اور اس میں تغیر کی خبر گاؤں میں پھیلی تو گاؤں والوں کو اس کے زہد و تقدس پہ یقین نہ آیا وہ کیسے مان لیتے کہ شراب اور عورتوں کا رسیا راسپوٹین یوں فرشتہ بن سکتا تھا - ایک بوڑھے کسان نے جو مقامی گرجا کی انتظامیہ کا رکن تھا - سب سے پہلے خود جا کر اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا فیصلہ کیا - اپنے ایک نوکر کی معیت میں وہ ایفم کے گھر پہنچا - راسپوٹین کی دلخراش آواز بوڑھے کسان کو صحن میں سنائی دے رہی تھی وہ تو دل مضبوط کر کے آگے بڑھتا رہا، لیکن اس کے نوکر کا پاؤں

خوف کے مارے من من بھر کا ہو رہا تھا - بوڑھے کسان نے تہہ خانے
کے دروازے پر پہنچ کر اسے وہیں ٹھہرنے کو کہا اور خود نیچے اترنے لگا -
اس نے گاؤں والوں کے سامنے بڑے اعتماد سے راسپوٹین کی اصلیت معلوم
کرنے کا بیڑہ اٹھایا تھا - وہ بڑی دلجمعی سے چھڑی سیڑھیوں پر ٹیکتا آہستہ
آہستہ اتر کر اندھیرے میں غائب ہو گیا - یوں معلوم ہوتا تھا کہ تہہ خانے میں
انتہائی خوف ناک ہنگامہ بپا ہے - کوئی غیر معمولی طاقت ہے جو جوش غضب
میں ہے - نوکر کے جسم پر خوف کا سایہ رینگ گیا وہ کسی انجانے خوف سے
تھر تھر کانپنے لگا - وہ سخت تذبذب میں تھا - بھاگ سکتا تھا نہ رک سکتا تھا
اچانک سیڑھیوں پر کسی کے چڑھنے کی آواز آئی - اس کی جان میں جان
آئی - بوڑھا کسان پسینے میں شرابور لرزتا اور کانپتا ہوا آرہا تھا - اس کا
چہرہ خوف کے مارے اتنا بھیانک ہو گیا تھا کہ نوکر کانپ اٹھا -
اس نے کچھ پوچھنا چاہا ، لیکن بوڑھا تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر
کی طرف لپکا -

چند ہی لمحوں میں سارا گاؤں بوڑھے کے گرد جمع ہو گیا - جو کچھ اس
نے بتایا اس سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں - اس کے بعد نوکر
نے تہہ خانے سے باہر نکلنے پر بوڑھے کسان کی کیفیت بیان کی تو انہیں
یقین کرتے ہی بنی کہ راسپوٹین نے ایک نیا جنم لے لیا ہے اور اس کی
موجودہ حیثیت اس کے ماضی سے قطعی مختلف ہے -

اگلے دن گاؤں بھر کی عورتیں اور مرد ایفم کے گھر کے سامنے جمع ہو

گئے - ان میں ایسے بھی تھے جنہیں سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں آرہا تھا - اور وہ اپنی آنکھوں سے سچ اور جھوٹ کا فاصلہ ناپنے جارہے تھے جب وہ ایفم کے مکان کے وسیع صحن میں داخل ہوئے تو تہہ خانے سے آنے والی آواز سن کر ان کے چہرے فق ہو گئے - تاہم وہ دس دس کی ٹولیوں میں تہہ خانے میں اترتے گئے - جب وہ تہہ خانے سے باہر آئے ان کے ظاہر و باطن میں ایک عظیم 'انجانا' انوکھا تغیر آچکا تھا - ان میں راسپوٹین کے وہ دوست بھی تھے جنہوں نے کبھی اس کے ساتھ شراب پی تھی ، جوا کھیلا تھا اور عورتوں کا تعاقب کیا تھا - یہ وہ لوگ تھے جو بوڑھے کسان کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے سینہ تان کر تہہ خانے میں اترے تھے اور اب زرد چہرے لئے اس طرح بے جان کھڑے تھے جیسے اپنا سب کچھ تہہ خانے میں چھوڑ آئے ہوں -

نوجوان لڑکیوں اور جوان عورتوں کی کچھ اور ہی کیفیت تھی ان کے چہرے گلابی ہو رہے تھے جیسے عشق کا پہلا تیر کھاتے ہی دوشیزاؤں کے رخساروں پر شفق کی سی سرخی پھیل جاتی ہے - کسی پوشیدہ روشنی سے ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور کسی اندرونی مسرت سے ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی - ایسا لگتا تھا کہ ان آنکھوں اور ہونٹوں نے کوئی خفیہ راز پالیا ہے - گاؤں کا شاید ہی کوئی متنفس ہو گا جسے یہ یقین نہ آتا تھا کہ راسپوٹین کچھ کا کچھ ہو گیا ہے تاہم ایسے لوگ ابھی موجود تھے جنہیں اسے "مرد کامل" ماننے میں تامل تھا - کیونکہ اس کا گناہ کے ذریعے

نجات کا فلسفہ صریحاً مسیحی تعلیمات کے خلاف تھا وہ اسے عبادت گزار تو سمجھتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے کہ اسے ابھی تک منزل نہیں ملی۔ صرف عورتیں اور لڑکیاں ہی تھیں جو نہ جانے کیوں اور کیسے اس سے اندھی عقیدت رکھتی تھیں۔ گھر گھر راسپوٹین کا چرچا تھا۔ اس کے مجاہدے، ریاضت اور عبادت کی دھوم مچی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے گاؤں پر اسکی عظمت کی دھاک بیٹھ گئی۔ صرف ایک ہی شخص تھا جو اس پورے گاؤں میں راسپوٹین کی برملا مخالفت کرتا تھا۔ یہ فادر پیٹر تھا جس نے نہ تو پہلے پوکرو سکو کے جنگلات میں گھومنے والے سیلانی کی کرامات کو تسلیم کیا تھا، نہ اب تہہ خانے والے "ولی" کے تقدس کا قائل تھا۔ وہ جا بجا کہتا پھرتا تھا کہ راسپوٹین خدا کا پیغمبر نہیں بلکہ ابلیس کا گماشتہ ہے۔ اس کا گناہ کے ذریعے نجات حاصل کرنے کا عقیدہ گمراہ کن ہے۔

اسی دوران "یوم کلیسا" کا تہوار آ گیا۔ اس دن گاؤں بھر کے مرد عورتیں، بچے، بوڑھے گرجا میں جمع ہوتے۔ فادر پیٹر خشوع و خضوع سے نجات کے لئے دعائیں مانگتا اور نیک عمل کرنے کا عہد لیا کرتا تھا۔ اس مرتبہ فادر پیٹر نے منصوبہ بنایا تھا کہ راسپوٹین کا گناہ آلود حصار توڑنے کے لئے جدوجہد کرنے کا خود بھی عہد کرے گا اور گاؤں والوں سے بھی لے گا۔ عبادت کا وقت قریب آ گیا اور اس نے گھنٹیاں معمول سے زیادہ آواز سے بجانا شروع کر دیں تاکہ اسے سن کر دور افتادہ جھونپڑوں سے بھی لوگ نکل آئیں، لیکن یہ دیکھ کر اس کے تعجب کی انتہا نہ رہی کہ کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ ایسا لگتا تھا جیسے سارا گاؤں ابدی

نیند سو رہا ہے لیکن ایسا نہیں تھا وہ جاگ رہے تھے۔ ان کے کان پوری طرح کھلے ہوئے تھے وہ گھنٹیوں کی گونجتی ہوئی آواز بھی سن رہے تھے اور تہہ خانے سے آنے والی کرب ناک آہ و فغاں بھی۔ ایک طرف گرجا کے صحن میں موت کا سا سناٹا تھا اور دوسری طرف الفنم کے گھر میں میلے کا سا سماں تھا۔ گاؤں کے لوگ یکے بعد دیگرے تہہ خانے کی سیڑھیوں سے نیچے اتر رہے تھے۔ جب فادر پیٹر پسینے میں شرابور گرجا کے مینار پر گھنٹوں کی رسیاں کھینچتے کھینچتے ہانپنے لگا تو وہ بوجھل قدموں سے سر جھکائے نیچے اتر آیا۔ جب وہ صحن میں پہنچا تو اسے چند سفید ریش مرد اور ضعف سے سر ہلاتی ہوئی بوڑھی عورتیں اپنی طرف آتی نظر آئیں۔ اس کے زخم خوردہ دل پر جیسے کسی نے پھاہا رکھ دیا۔ اس نے انہیں نظر بھر کر دیکھا اور اس کے تصور میں گرجا کی انتظامیہ کے وہ معزز اراکین متمول اور مخیر افراد، ان کی باوقار بیویاں، بھڑکدار کپڑوں میں تتلیوں کی طرح پھدکتی الھڑ دوشیزائیں جوانی کے نشے میں سرشار گبرو جوان بکھر گئے، جن سے ہر سال گرجا کا صحن بھر جاتا تھا اور تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی تھی ور جواب بے حیائی کا لبادہ اوڑھے تہ خانے میں شرم ناک ڈرامہ دیکھنے بس لگی تھے۔ گرجا میں چند تباہ حال بیمار، نحیف، قبروں میں پیر لٹکائے جھریوں زدہ چہرے دیکھ کر اس کا دل بھر آیا اور جب وہ سایوں کی طرح رینگتے ہوئے اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئے تو وہ مسیح کے مجسمے کے سامنے دوزانو ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

ساری رات وہ غم و غصے کے بخار میں پھنکتا رہا اور جب آفتاب کی پہلی کرن پھوٹی تو جیسے اس کے ذہن کی ساری تیرگی چھٹ گئی وہ ایک نئے عزم سے اٹھا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ ایک خاموش تماشائی بن کر طاغوتی طاقت کو پھیلتا پھولتا نہیں دیکھے گا۔ وہ مسیح کے ایک بہادر سپاہی کی طرح ابلیس کا مردانہ وار مقابلہ کرے گا اور جب تک اس کے بدن میں خون کی آخری بوند بھی باقی ہے لڑتا رہے گا۔ وہ غصے میں لال بھبھوکا گرجا سے نکلا اور سیدھا الیفم کے گھر کی جانب چل دیا۔

جب گاؤں والوں نے فادر پیٹر کو یوں سینہ تانے جاتے دیکھا تو ان سے رہا نہ گیا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ وہ حق اور باطل کی جنگ اور اس کا انجام دیکھنے کے لئے بے چین تھے۔ جب وہ الیفم کے گھر کے کشادہ صحن میں پہنچا تو وہاں پہلے ہی جم غفیر تھا۔ اسے دیکھتے ہی گویا لوگوں کے دلوں کے قفل کھل گئے۔ انہیں گرجا گئے مدت ہو گئی تھی۔ ان کے دل کے کسی کونے کھدرے میں چھپا ہوا تعظیم کا جذبہ ابھر آیا۔ انہوں نے اس کے سامنے سر خم کرتے ہوئے یوں محسوس کیا جیسے ان کی روحوں سے کھرچ کھرچ کر زنگ چھڑانے والا آ گیا ہے، لیکن فادر پیٹر نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اسے ان گمراہ بدبختوں سے نفرت محسوس ہونے لگی۔

سینہ پھلائے، گردن اکڑائے، ٹھوڑی اٹھائے وہ جلد جلد تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اس تنگ و تاریک گڑھے سے کسی

خبیث روح کو باہر نکالنے جا رہا ہے۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو گاؤں والے ایک دوسرے کو متجسّس نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ وہ اب ایک ایسے تماشے کے منتظر تھے جو یا تو فادر پیٹر کی فتح پر منتج ہو گا یا اسے اور اس کی تعلیمات کو مذہبی زندگی سے دور پھینک دے گا۔ تہہ خانے سے دلدوز چیخیں اور پر اسرار عبادت کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یکایک یہ آوازیں بند ہو گئیں اور اچانک ایک دلخراش چیخ سے فضا تھرا گئی۔ اس کے بعد ایک اور چیخ۔ انہیں ایسے لگا کہ کوئی تیز دھار آلہ انہیں حلق سے ناف تک چیر گیا ہے۔ انہوں نے راسپوٹین کو اس تہہ خانے میں بارہا چیختے چلاتے سنا تھا لیکن ایسی روح فرسا چیخیں پہلے کبھی نہ سنی تھیں۔ وہ حیران تھے کہ نہ جانے نیچے تہہ خانے میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کی نظریں پوچھ رہی تھیں کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ یکایک انہیں فادر پیٹر دو دو تین تین زینے پھلانگتا نظر آیا، لیکن جب وہ اوپر پہنچا تو وہ کوئی دوسرا ہی فادر پیٹر تھا۔ گھبرایا ہوا، کانپتا لرزتا۔ چہرہ ہلدی کی مانند زرد، وہ ایک مار کھائے ہوئے نیم جاں جانور کی طرح ان کی صفوں کو چیرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔ تہہ خانے سے بددعاؤں کی عجیب و مہیب آوازیں بدستور آ رہی تھیں۔ جیسے بھاگتے ہوئے پادری کا پیچھا کر رہی ہوں۔

فادر پیٹر ایفم کے گھر سے نکل کر گلیوں میں بھاگتا چلا گیا اور اس نے اس وقت تک دم نہ لیا جب تک گرجا سے متصل اپنے گھر میں کرسی پر

وہم سے گر نہ پڑا ۔ وہ نہ جانے کب تک بے سدھ پڑا رہا ۔ رفتہ رفتہ اس کی کھوئی ہوئی طاقت اور خود اعتمادی لوٹ آئی ۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور گزرے ہوئے واقعے پر غور کرنے لگا اسے کیا ہو گیا تھا ؟ اسے تو بس اتنا ہی یاد تھا کہ جب تہہ خانے کے ایک نیم تاریک کونے سے کرخت اور درشت آواز آئی تو اس کی تمام طاقت سلب ہو گئی ۔ ذہن ماؤف ہو گیا جیسے کسی بدروح نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا ہے ۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسے بھاگتا دیکھ کر گاؤں کے مردوں اور عورتوں کی نظروں میں اس کا وقار خاک میں مل جائے گا ، وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ مزید ایک لمحہ بھی ٹھہر گیا تو اسے راسپوٹین کے " جادو " سے کوئی نہ چھڑا سکے گا ۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ جب اس جیسے مضبوط دل و دماغ والے پادری کا یہ حال تھا تو گاؤں والے بے چارے کس شمار میں تھے ۔ اسے ان پر رحم آنے لگا ۔ اس نے مسیح کے مجسمے کے سامنے دوزانو ہو کر دعا مانگی ۔ پھر میز پہ بیٹھ کر راسپوٹین کے لڑکپن اور جوانی کے متعلق اسے جو کچھ بھی یاد آیا لکھتا رہا ۔ اس نے اس کے لاپتہ ہونے ، اس کے متعلق افواہوں ، اس کی واپسی اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات کو پوری تفصیل سے تحریر کیا اور یہ بھی واضح کیا کہ اس کے خیال میں گریگوری ایفیموچ راسپوٹین نہ صرف " خلائسٹی " فرقے سے تعلق رکھتا ہے بلکہ اس کے گمراہ کن اور جنسی ترغیب دینے والے نظریات کا پرچار بھی کھلے بندوں کرتا ہے ۔ لہٰذا عیسائیت اور پوکرووسکوئے باقاعدہ

کو اس کی بڑھتی ہوئی پُر لعنت، لیکن تباہ کن تعلیمات سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ حکام بلا تاخیر اس کے خلاف تادیبی کارروائی کریں اور اسے سخت عبرتناک سزا دیں۔ یہ طویل رپورٹ حوالہ ڈاک کرنے کے بعد گویا اسے اطمینان و سکون مل گیا۔

چند دنوں بعد ہی "ویری ریورینڈ لارڈ بشپ" کی سرکردگی میں ایک تحقیقاتی کمیشن پوکرووسکو میں پہنچا۔ گرجا کو کمیشن کا ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ ایک ایک کر کے مقامی پولیس کے ذریعے گاؤں کے سارے باشندوں کو بلایا گیا۔ بوڑھے جوان، مرد، عورتیں اور لڑکیاں جو بھی فادر پیٹر کو ایلفم کے صحن میں نظر آیا تھا، سب کو کمیشن کے روبرو پیش کیا گیا۔ سب سے پہلے لارڈ بشپ نے نوجوان لڑکیوں کو بلایا۔ اس وقت کمرے سے کمیشن کے تمام ارکان حتیٰ کہ کلرک تک کو باہر نکال دیا گیا۔ پھر لارڈ بشپ نے ان سے پدرانہ شفقت اور نرمی سے راسپوٹین کے متعلق پوچھنا شروع کیا اور یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ سب کی سب اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہی تھیں۔ اس کا نام سنتے ہی ان کے گالوں پر سرخی دوڑ گئی۔ انہوں نے بڑے اعتماد سے کہا کہ انہوں نے اس سے زیادہ پاکباز، متقی اور خدا رسیدہ آدمی نہیں دیکھا۔

لڑکیوں کے بعد بڑے بوڑھوں کی باری آئی۔ تمام مردوں اور عورتوں میں سے کوئی بھی یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ راسپوٹین بدکار ہے اور عیسائیت کے خلاف ایک نئے فرقے کا علمبردار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا تمام گاؤں

والوں نے راسپوٹین کی مدافعت کے لئے منظم سازش کر رکھی تھی۔ وہ اپنی باری آنے پر وہی ایک مشترکہ بیان دیتے کہ گریگوری روحانیت کا پرچار کرتا ہے۔ عبادت کرتا، روزے رکھتا اور نفس کشی کرتا ہے اور ہر وقت خشوع و خضوع سے خدا کے حضور سر جھکائے رہتا ہے۔

لارڈ بشپ بے چینی سی محسوس کرنے لگا۔ کلرک بیزار ہو کر اپنی پنسل سے کھیلنے لگا اور کمیشن کے ارکان مایوس ہو کر بار بار پہلو بدلنے لگے کہ اچانک فادر پیٹر اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے چلاتے ہوئے کہا "یہ لوگ اس کے ناپاک سحر کا شکار ہو چکے ہیں۔ اس وقت یہ نہیں ان کے اندر سمائی ہوئی بدروح بول رہی ہے۔ میں کمیشن سے درخواست کروں گا کہ وہ خود دیکھے کہ راسپوٹین کیا ہے اور کس چیز کا پرچار کر رہا ہے۔"

یہ تجویز کمیشن کے ارکان کو پسند آئی اور پولیس کے ایک سپاہی کو فادر پیٹر کے ہمراہ راسپوٹین کو لانے کے لیے بھیجا گیا۔ فادر اسے تہہ خانے کی سیڑھیوں پر چھوڑ کر خود باہر کھڑا رہا۔ سپاہی رعونت سے نیچے اترنے لگا۔ جس وقت وہ نیچے پہنچا، راسپوٹین فرش پر خدا کے حضور سر جھکائے دنیا و مافیہا سے بے نیاز کھویا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر سپاہی کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ وہ بھی تو آخر خدا پرست انسان تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل جھک کر راسپوٹین کے ساتھ دعائیں مانگنے لگا۔ اتنے میں راسپوٹین کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آیا۔

اور اس سے ایسی میٹھی باتیں کیں جو اس نے پہلے کبھی نہ سنی تھیں۔ اس کا دل فرطِ عقیدت سے بھر آیا اور وہ بار بار راسپوٹین کے ہاتھ چومنے لگا وہ اپنا فرض بھول گیا اور گڑگڑا کر کہنے لگا "فادر گریگوری راسپوٹین میرے گناہ معاف کر دیجئے"۔

لوٹتے ہوئے راستے میں فادر پیٹر اس سے کرید کرید کر پوچھتا رہا۔ کہ راسپوٹین کیوں نہیں آیا، لیکن سپاہی خاموش چلتا رہا۔ اس نے کمیشن کو بتایا کہ راسپوٹین کے خلاف تمام الزامات بے بنیاد ہیں۔ میں اس خدا رسیدہ کو یہاں طلب کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ اس کے علاوہ بظاہر ایسا کوئی مواد نہ تھا جس کی بنیاد پر راسپوٹین کے خلاف قدم اٹھایا جا سکتا۔ تاہم فادر پیٹر کا خیال کرتے ہوئے بشپ نے اتنا ضرور کیا کہ راسپوٹین کی نگرانی کے احکام صادر کر دیئے۔ البتہ رپورٹ میں یہ لکھ دیا گیا کہ اس کے خلاف کوئی الزام ثابت نہیں ہو سکا۔

کمیشن واپس چلا گیا لیکن، اپنے پیچھے سپاہی کی طرف سے راسپوٹین کو "فادر،، کا سب سے پہلے ملنے والا خطاب چھوڑ گیا۔ سپاہی کے منہ سے نکلا ہوا یہ لفظ گلی گلی گھوم گیا اور وہ لمحے بھر میں "فادر راسپوٹین" بن بیٹھا۔ کلیسا کی یہ پہلی شکست اور راسپوٹین کی پہلی فتح تھی۔ اب تو اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ بوڑھے الیفم کا گھر زیارت گاہ بن گیا اور وہاں سیلاب کی طرح لوگ امڈے چلے آنے لگے۔ راسپوٹین کو تہہ خانے میں داخل ہوئے تین ہفتے گزر گئے۔ اکیسویں دن اسے لوگوں

کے سامنے ظاہر ہونا تھا۔ علی الصبح ہی ایلفم کے گھر میں اور اس کے سامنے سڑک پر لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تاکہ اس مقدس موقعہ پر موجود رہیں۔ اس وقت بھی تہہ خانے سے آہ و بکا کی آوازیں بدستور آ رہی تھیں۔

پھر یکایک وہ آوازیں آنی بند ہو گئیں اور ہر طرف سکوت چھا گیا۔ لوگ دم بخود کھڑے تھے اور ان کی نظریں تہہ خانے کے دروازے پر گڑی تھیں۔ کافی وقت اسی عالم میں گزر گیا۔ اس کے بعد یکایک دروازے کی چوکھٹ پر ایک ڈھانچہ نمودار ہوا۔ ان کی نگاہوں کا مرکز ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ زرد اور موم کا بنا ہوا دکھائی دیتا تھا جس پر نوکیلی ناک دور سے نمایاں نظر آتی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے اور گال اندر کو دھنسے ہوئے تھے۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا دروازے سے باہر نکلا اور ہجوم سے گزرتا ہوا سڑک کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی لیکن آنکھوں سے شفقت، مسرت اور ترحم کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ کسان اس کے قدموں میں بچھے جاتے تھے۔ وہ اس کے ہاتھوں اور دامن کو بار بار بوسے دیتے، آنکھوں سے لگاتے اور فرطِ جوش سے چلاتے "فادر راسپوٹین ہمارا نجات دہندہ زندہ باد"۔

ایک جگہ وہ رک گیا اور ہجوم سے خطاب کر کے کہنے لگا "میں تمہیں وہ مسرت بخش پیغام دینا چاہتا ہوں جو مادر وطن نے مجھے دیا ہے اور وہ ہے گناہ کے ذریعے نجات کا راستہ۔ گناہوں میں خود کو سر تا پا غرق کر دو

حتیٰ کہ گناہ بھی خود ہار مان جائے۔ اس کے بعد جنت تمہارے قدموں میں ہوگی" اتنا کہہ کر وہ تورا کی سمت روانہ ہو گیا۔ وہ جس جگہ سے گزرتا لوگوں کا اژدہام اس کا منتظر ہوتا۔ وہ اسے سجدے کرتے اور گڑگڑا کر اپنی نجات کے لیے التجا کرتے گویا وہی تو سب کچھ تھا۔ اس عرصے میں عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کا ایک وسیع حلقہ اس کے گرد جمع ہو گیا۔ لوگوں نے ان عورتوں اور لڑکیوں کے دامنوں کو بھی بوسہ دینا اور آنکھوں سے لگانا شروع کر دیا۔ کبھی کبھار راسپوٹین مڑ کر لڑکیوں کی طرف مخمور نظروں سے دیکھتا اور وہ بے قابو ہو جاتیں۔ دریا کے کنارے پہنچ کر وہ رک گیا اور ہجوم کی طرف مڑ کر دعائیں مانگنے لگا۔ پھر اس نے مردوں کو واپس جانے کا حکم دیا اور خود لڑکیوں کے جھرمٹ میں جنگل کی طرف چل دیا۔

۳

علوم الہیہ کی اکیڈیمی کے لمبے چوڑے لان میں پروفیسر اور طلباء اس شخص کو گھیرے کھڑے تھے جس کے تقدس اور کرامات کی شہرت ایک دور افتادہ گاؤں سے پھیل کر اس سب سے بڑی مذہبی درس گاہ تک آ چکی تھی۔ مذہبی امور پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں چاٹنے والے اس سیدھے سادے دیہاتی کی اکھڑ باتوں کو کان لگا کر سن رہے تھے۔ وہاں اکثر کوئی نہ کوئی شامت کا مارا "سیلانی" بھٹکتا ہوا آ نکلتا تھا اور اس کی وہ درگت بنتی کہ توبہ بھلی۔ اسی طرح جب لڑکوں نے صبح ہی صبح ایک نیا پنچھی دیکھا تو اس کے گرد ہو گئے۔ اپنی عادت سے مجبور ہو کر انہوں نے اس سے دو چار الٹے سیدھے سوالات پوچھے۔ وہ ہمیشہ "سیلانیوں"

سے اسی قسم کے سوال پوچھتے جن میں فصیح و بلیغ الفاظ کی اتنی بھرمار ہوتی کہ مخاطب بوکھلا کر رہ جاتا لیکن جب انہوں نے راسپوٹین پر یہی حربہ استعمال کیا تو اس کے جوابات سن کر ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ انہیں فوراً ہی احساس ہو گیا کہ دیہاتیوں کے سے بد وضع کپڑوں میں ملبوس ان کے سامنے کھڑا ہوا یہ شخص کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔ اب انہوں نے جو جم کر دو چار باتیں پوچھیں تو ان کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ ایک ایک دو دو کر کے پروفیسر بھی ان میں شامل ہو گئے۔ چند لڑکے جو نہایت دقیق اور پیچیدہ سوالات کر کے مخالف کو چاروں شانے چت کر دینے کے لیے مشہور تھے۔ اپنے ترکش لئے آگے بڑھے۔ ان میں سے ایک نے "تثلیث" جیسے پیچیدہ مسئلے پر اس کی رائے پوچھی اور جب راسپوٹین نے زبان کھولی تو وہ تو وہ تمام پروفیسر بھی دم بخود رہ گئے۔ گو اس کا جواب فصاحت و بلاغت اور علمی اصطلاحوں سے عاری تھا، تاہم اس میں نکتہ رسی اور استدلال آسنا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کہ لڑکوں کو اپنی موٹی موٹی کتابیں فضولیات کا پلندہ نظر آنے لگیں۔ اس کے بعد راسپوٹین نے ان سے چند مسائل پوچھے کسی سے بھی کوئی جواب نہ بن آیا۔ پروفیسر تو چپکے سے پہلو کترا گئے اور لڑکے ادھر ادھر جھانکنے لگے۔ خود بین و مغرور لڑکوں نے اسے کھلونا بنانا چاہا تھا لیکن اب وہ اس کے سامنے بار ندامت سے سر نہ اٹھا سکتے تھے۔ ان کے دل میں اس کے لئے زبردست احترام و عقیدت پیدا

ہو گئی اور اب انہوں نے شرارتاً نہیں بلکہ اپنی معلومات میں اضافے کے لیے اس سے باتیں شروع کر دیں۔ انہیں زندگی میں پہلی مرتبہ شدّت سے احساس ہو رہا تھا کہ کتابی معلومات اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ انہیں یہ خیال اس لیے بھی آیا کہ انجیل مقدس جس شخص پر نازل ہوئی تھی وہ بھی کوئی عالم فاضل نہ تھا بلکہ گلہ بانوں میں پلنے والا ایک عام آدمی تھا جو لمبا چوڑا فلسفہ بگھارنے اور فصاحت و بلاغت کا دریا بہانے کی بجائے سیدھے سادے الفاظ میں اپنا حرفِ مدعا بیان کرتا تھا۔ اس نے کسی یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم کی ڈگری لی تھی نہ سر پر کتابوں کا بوجھ اٹھائے پھرتا تھا۔ انہیں آج اس دیہاتی "سیلانی" پر رشک آ رہا تھا جس نے کتابوں سے نہیں عمل کی دنیا میں وہ سب کچھ حاصل کیا تھا جس سے یہ سب محروم تھے۔ انہیں وہ سب پروفیسروں سے زیادہ قابل اور عالم نظر آ رہا تھا جو انہیں، پیچ دار باتوں، عالمانہ تقریروں اور پیچیدہ فلسفوں میں الجھاتے تھے۔ وہ اس کی باتوں میں اتنے مستغرق تھے کہ انہیں احساس تک نہ ہوا کہ کب اکیڈمی کا ریکٹر، فادر فیوفان چپکے سے آکر ان میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ تنک مزاج بوڑھا اپنی نیم باز نیلگوں نظروں سے راسپوٹین کو دیکھتا اور اس کی باتیں سنتا رہا اور جب وہ کھنکار کر بول پڑا تو جیسے پر سکون تالاب میں پتھر جا گرا۔ سارے طلبا ایک دم چونک پڑے اور اِدھر اُدھر منہ چھپانے لگے۔

"صرف ایک سوال، بشرطیکہ تم مجھے اس کی اجازت دو" ریکٹر کی

شفیق ملائم آواز آئی۔
راسپوٹین نے سر اٹھا کر اس کی طرف بڑے پیار سے دیکھا ریکٹر فیوفان نے انجیل کی ایک آیت پڑھ کر اس کی تشریح پوچھی اور خاموش ہو گیا۔ راسپوٹین بھی چند ثانیئے خاموش رہا۔ پھر اس نے بلا تامل یہ لحاظ کئے بغیر کہ اس کے سامنے کون کھڑا ہے۔ تشریح شروع کر دی۔ ریکٹر اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ راسپوٹین علم و فضیلت کے دریا بہا رہا تھا۔ ریکٹر کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہ اپنے سے زیادہ قابل اور عالم کے سامنے کھڑا ہے آخر میں ریکٹر فیوفان نے جھجکتے ہوئے گناہ کے بارے میں اس کا نظریہ معلوم کیا۔ "تم نے ایک جگہ گناہ کا تذکرہ کیا ہے۔ کیا تم اسے ناگزیر سمجھتے ہو؟ اگر یہ بات ہے تو تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے کہ خود مسیح اور قدیم کلیسا کے تمام مقلدین نے اسے ابلیس سے منسوب کیا ہے"۔ یہ موضوع تو راسپوٹین کا دل پسند تھا۔ اس کی آنکھوں کی رنگت جلد جلد تبدیل ہونے لگی۔ "یہ ٹھیک ہے انسانیت کے محسن اور ہمارے مقدس بزرگوں نے گناہ کی تکذیب کی ہے کیونکہ یہ شیطانی فعل ہے۔ لیکن میرے محترم یہ تو بتایئے کہ مکمل طور پر تائب ہوئے بغیر آپ گناہ کے تصور کو اپنے ذہن سے کیسے نکال سکتے ہیں؟ اور تائب آپ کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ آپ نے گناہ کیا ہی نہ ہو"۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ ان سے شعلے سے برسنے لگے اس کی آواز کی ملائمت غائب ہو گئی اور اس کی جگہ درشتی اور کرختگی نے لے لی وہ جوشِ غضب سے بپھر گیا۔ اب وہ اکھڑ دیہاتی بن گیا اور کہنے لگا "یہ

جاؤ اپنی مقدس کتابوں کو۔ خدا کے سامنے ان کی کوئی وقعت نہیں۔ زندگی کو اسی رنگ میں دیکھو جیسی وہ ہے کیونکہ وہی خدا کی عطا کردہ ہے یہ جاننے میں وقت ضائع نہ کرو کہ گناہ کہاں سے آیا ہے اور دن میں کتنی مرتبہ عبادت کرنی ہے اگر تمہارا دل گناہ کی طرف مائل ہے تو تمہیں اسے جڑ سے مٹانا ہوگا اور اس کا مٹنا اسی وقت ممکن ہے کہ تم اتنا گناہ کرو کہ تمہیں اس پہ پچھتانا پڑے۔ یہ پشیمانی اور توبہ ہی تمہیں گناہوں سے پاک کر سکتی ہے۔ اگر تم گناہ کی خواہش دل میں چھپائے لمبی لمبی عبادتیں کرتے رہو گے اور مقدس آیات کی تشریح کرتے رہو گے تو اس طرح تم دنیا کو تو دھوکا دے سکتے ہو، لیکن خدا کو نہیں۔ خدا کی خوشنودی کے لئے آلائش اور گندگی کی آخری رمق بھی تمہیں اپنے جسم سے اور ذہن سے خارج کرنی ہوگی۔ اسی صورت میں تم خدا کو منہ دکھانے کے قابل ہو سکتے ہو۔"

راسپوٹین کی طویل غیر مہذب اور معقولیت سے خارج تقریر نے طلباء کو مضطرب کر دیا وہ اپنے معزز اور قابلِ احترام استاد کی ایک اجڈ "دیہاتی" کے ہاتھوں توہین بڑے ضبط و تحمل سے برداشت کر رہے تھے جب راسپوٹین اپنی بات ختم کر چکا تو ریکٹر فیوفان نے بڑے دھیمے اور میٹھے لہجے میں کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن جونہی اس کی نظریں راسپوٹین کی نظروں سے چار ہوئیں، وہ ہکلانے لگا۔ دو چار ٹوٹے پھوٹے بے رابط جملے اس کے منہ سے نکلے اور پھر خاموش ہو گیا۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔ طلباء یہ دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ سناٹا چھا گیا۔ ہر شے بے جان ہو

گئی۔ یوں لگا جیسے ہر سو اندھیرا چھا گیا اور اس اندھیرے میں صرف راسپوٹین کی آنکھوں کے دو شعلے نظر آ رہے تھے اور پھر یکایک سناٹے کو چیرتی ہوئی اس کی کرخت ،غضبناک آواز فضا میں گونجنے لگی۔ اس کے الفاظ پتھر بن بن کر فیوفان پر گر رہے تھے اور وہ لرز رہا تھا۔ کچھ دیر تک یہی حالت رہی۔ پھر راسپوٹین کی آواز میں نرمی اور گلے میں لوچ پیدا ہوتا گیا۔ وہ دھیرے دھیرے میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں خشونت کی چنگاریوں کی جگہ پھر شفقت اور پیار نے لے لی۔ فیوفان کے حواس درست ہوئے اور اس کا دل راسپوٹین کی عزت و احترام کے جذبے سے لبریز ہو گیا۔ راسپوٹین جو بھی کہتا وہ سر ہلا کر صاد کرتا۔ راسپوٹین اسے مسخر کر چکا تھا۔

کافی وقت گزر چکا تھا اور فادر فیوفان نے حسب عادت اپنے شاگردوں کے سروں پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا اور اسی طرح راسپوٹین کے سر کی طرف بھی ہاتھ بڑھایا لیکن اسے یوں محسوس ہوا کہ کسی زبردست طاقت نے اس کا اٹھا ہوا ہاتھ نیچے گرا دیا۔ وہ بے ساختہ بول اٹھا "فادر راسپوٹین تم میرے سر پر ہاتھ پھیرو" اتنا کہہ کر وہ تیزی سے مڑا اور جلدی جلدی قدم اٹھانے لگا۔ راسپوٹین وہیں اس کی پشت پر نظریں جمائے کھڑا رہا۔ یکایک لان کے سرے پر پہنچ کر فادر فیوفان رک گیا۔ اس نے گردن گھما کر راسپوٹین کو دیکھا اور کہنے لگا "کل صبح میرے کمرے میں آنا فادر۔ عزت مآب لارڈ بشپ ہرموگن بھی وہیں ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ بھی تم

سے ملیں "۔ اتنا کہہ کر وہ چلا گیا۔

اس رات تقریباً تمام طلبا دیر تک جاگتے رہے وہ اس عجیب و غریب واقعے پر غور کر رہے تھے۔ کچھ سوچ رہے تھے کہ جب ایک معمولی دیہاتی رموزِ خداوندی اور اسرارِ کائنات پر اتنی بلیغ نظر رکھتا ہے تو ان کے دن رات تنگ کمروں میں مقید ہو کر موٹی موٹی کتابوں سے آنکھیں پھوڑنے کا کیا مقصد ہے؟ کچھ کا خیال تھا کہ مذہب ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے۔ اسے کلیساؤں، رہبانیت اور آیاتِ صحیفہ میں مقید نہیں رکھا جا سکتا۔ کچھ اپنے ساتھیوں سے الجھ رہے تھے کہ صرف گناہ کا تصور نیکی اور بدی کی راہ متعین نہیں کرتا۔ گناہ کرنے سے ہی ان کا فرق محسوس کیا جا سکتا ہے تمام رات ہوسٹل کے کمروں میں یہی ہنگامہ رہا۔ ادھر فادر فیوفان بھی بستر پر دراز ٹکٹکی باندھ کر چھت کو تک رہا تھا۔ راسپوٹین کا چہرہ اور اس کی باتیں اس کے ذہن کو کھرچ رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ دیہاتی اس کی نسبت بہتر طور پر مذہب کو سمجھتا ہے کیا واقعی خدا سے براہِ راست تعلق آیاتِ مقدسہ کی تاویلات، تشریحات اور توضیحات سے کہیں بہتر ذریعہ نجات ہے؟ لیکن اگر وہ سچ کہتا ہے تو کیا اس کا گناہ کا فلسفہ کفر نہیں؟ یا پھر یہ کہ وہ سرے سے مذہب پرست ہی نہیں ہے بلکہ شیطان کا گماشتہ ہے جو لوگوں کے عقائد خراب کرنے اور ان کی عاقبت بگاڑنے کے لئے بھیجا گیا ہے اس اندھیرے سے نکلنے کے لئے لے دے کر فادر فیوفان کو امید کی ایک ہی کرن نظر آتی تھی۔ راسپوٹین اور بشپ ہرموگن کی ملاقات۔ جس کے

بعد وہ راسپوٹین کے متعلق صحیح نظریہ قائم کر سکتا تھا۔

جب علی الصبح بشپ آف ساراٹوف، ہرموگن نے اپنے دوست فادر فیوفان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ تیار بیٹھا تھا۔ رسمی علیک سلیک کے بغیر ہی اس نے جلدی جلدی گزشتہ شام کا تمام واقعہ سنا ڈالا۔

ابھی باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ کمرے کا دروازہ زور سے کھلا اور راسپوٹین دندناتا ہوا داخل ہوا۔ اس نے بمشکل اپنے قدم روکے۔ کمرے میں نگاہ ڈالی ناک کو سکیڑا اور سیدھا ان دونوں کے پاس آگیا۔ جیسے انہیں سونگھنا چاہتا ہو۔ یکایک وہ رکا۔ کمرے کے ایک کونے میں رکھے ہوئے مسیح کے مجسمہ کے قریب گیا اور اس کے سامنے تین مرتبہ تعظیماً جھکا۔ اس کے بعد میز کے قریب جاکر اپنی پھیلی ہوئی مونچھوں کو انگلیوں سے بل دیتا ہوا بولا "میں آگیا فادر!" صوفے پر بیٹھا ہوا بشپ ہرموگن اس کی حرکتوں کو مسکراتا ہوا دیکھتا رہا۔

راسپوٹین نے اب بشپ کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں اور پوچھا "اچھا تو یہ ہیں وہ بشپ جن کے متعلق آپ کل کہہ رہے تھے" گفتگو کے اس انداز سے فادر فیوفان بڑا جھلایا۔ لیکن جواب دینے کی بجائے اس نے صرف سر ہلا دیا۔ راسپوٹین نے تیزی سے آگے بڑھ کر دونوں کو اپنے لمبے لمبے بازوؤں کی گرفت میں لے لیا اور دیہاتی طریقہ سے دونوں کے تین تین بوسے لئے۔ یہاں تک کہ دونوں گھبرا گئے۔ فادر فیوفان نے سوچا کہ

بشپ ناراض ہوگا کہ کس گنوار سے ملاقات کرائی ہے۔ لیکن اس کا خیال غلط تھا۔ پہلی ہی نظر میں بشپ ہرموگن راسپوٹین کو پسند کر چکا تھا۔ اس کی زندہ دلی، آنکھوں میں اپنائیت کی جھلک، انگ انگ سے پھوٹتی ہوئی سادگی اور خلوص، دیہاتی الھڑپن، سائبیریا کا مخصوص لہجہ بشپ کو بھا گیا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ راسپوٹین نے بھی اسے دل و جان سے پسند کیا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی دونوں یوں گھل مل کر باتیں کرنے لگے۔ جیسے پرانے دوست ہوں۔

فادر فیوغان نے کوشش کی کہ انہیں اصل موضوع پر لائے لیکن یکایک راسپوٹین نے بشپ کا ہاتھ تھام لیا اور چلایا "تم مجھے بہت پسند ہو" یہ سن کر ہرموگن نے قہقہہ لگایا۔ اودھر فادر فیوغان کی بے چینی لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ ادھر ہرموگن مزے سے راسپوٹین کے ساتھ گپیں ہانک رہا تھا۔ راسپوٹین اسے اپنے دام فریب میں اسیر کر کے دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا، لیکن فیوغان کی بے چینی اور راسپوٹین کی خوشی دونوں بے معنی تھیں۔ ہرموگن کچھ اور ہی داؤ کھیلنے کی فکر میں تھا۔ وہ فیوغان کی طرح کم ہمت اور جذباتی نہیں تھا۔ کلیسا سے زندگی بھر وابستہ رہ چکا تھا۔ اسے راسپوٹین کی اندرونی کیفیت کا بھی علم تھا اور فیوغان کی بے چینی بھی اس سے چھپی نہ تھی۔ اس نے دو چار باتوں ہی میں بھانپ لیا تھا کہ راسپوٹین کوئی معمولی شخصیت نہیں۔ اسے دیکھتے ہی اس نے انداز لگا لیا تھا کہ اس اجڈ دیہاتی میں بلا کی تسخیری قوت پوشیدہ ہے جس کے صحیح

استعمال سے زبردست کام لیا جاسکتا ہے ۔ روسی سیاست میں مغرب کے بڑھتے ہوئے اثرات کے خلاف کلیساؤں نے جو خفیہ جنگ شروع کر رکھی تھی ۔ اس میں راسپوٹین کی مدد سے بڑے کارنامے سرانجام دیئے جا سکتے تھے ۔ اس شخص کا رہن سہن ، حرکات و سکنات ، بات چیت کا انداز ، مزاج خالص روسی تھا ۔ اس کا خمیر کروڑوں روسیوں کی فطرت سے ہم آہنگ تھا ۔ ہرموگن سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ اس کی شخصیت کو روسی سیاست کے لئے کیسے اور کیونکر استعمال کیا جائے ۔ جب راسپوٹین نے اپنی باتیں ختم کیں جن پر اس نے قطعاً دھیان نہ دیا تھا تو اس کا ذہن منصوبہ مکمل کر چکا تھا ۔ اس نے یہ کہہ کر فادر فیوفان کو چونکا دیا کہ راسپوٹین کو فوراً سنیاسی پادری ایلیوڈر کے پاس جانا چاہیئے ۔ فادر اس کے پروگرام سے بے خبر حیران تھا کہ آخر اسے اس اجڈ ، باتونی " میلا جی " میں کیا بات نظر آگئی جب کہ آج تو اس میں وہ بات بھی نہ تھی جو کل محسوس ہو رہی تھی ۔ کل اس نے بڑے کام کی باتیں کی تھیں ۔ آج سارا وقت وہ بے ہنگم قہقہے لگاتا ، اوٹ پٹانگ ہانکتا رہا تھا ۔ لیکن وہ اپنی مرنجاں مرنج فطرت کے ہاتھوں مجبور تھا ۔ بادل نخواستہ اس نے بشپ کی تجویز سے اتفاق کیا ۔

زارسٹن کا سنیاسی پادری ایلیوڈر ملک بھر میں اپنی شعلہ نوا خطابت کی وجہ سے مشہور تھا ۔ جب وہ وعظ سناتا لوگ جھوم جھوم جاتے ۔ تقریر کرتے وقت اس کی آنکھوں سے شعلے برستے اور اس کی آواز دلوں کو مسخر

کرتی چلی جاتی۔

جس وقت بشپ ہرموگن فادر فیوفان اور راسپوٹین کو لے کر ایلیوڈر کے ہاں پہنچا اور دروازے پر دستک دی تو کسی نے جواب نہ دیا۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور تینوں دبے پاؤں اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے اسے ادھر ادھر تلاش کیا۔ ایک چھوٹے سے تاریک کمرے میں جس میں ان گنت صلیبیں لٹک رہی تھیں، مسیح کے مجسمے آویزاں تھے اور تیل کے دیئے جل رہے تھے، ایلیوڈر عبادت میں معروف نظر آیا اس کا انہماک دیکھ کر تینوں بہت متاثر ہوئے اور خود بھی گھٹنوں کے بل دعا مانگنے لگے۔ نادر فیوفان تو ان باتوں کا خود عادی تھا۔ وہ فوراً ہی دنیا ومافیہا سے غافل ہو کر دعا میں مستغرق ہو گیا، لیکن بشپ ہرموگن بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ جس کام کے لئے وہ آیا تھا اس وقت اسے وہ عبادت سے زیادہ اہم نظر آ رہا تھا، لیکن ایلیوڈر کو اپنی دھاک بٹھانے کا اس سے بہتر موقعہ پھر کب ہاتھ آتا؟ اس نے اپنی دعاؤں کو اور لمبا کر دیا۔ کسی دوسرے موقع پر بشپ عبادت میں اس استغراق کو بہ نظر تحسین و احترام دیکھتا، لیکن اس وقت اسے وہ بے وقت کی راگنی لگ رہی تھی۔ وہ بادل نخواستہ گھٹنوں پر بوجھ ڈالے کھڑا رہا۔

راسپوٹین تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا نہ بے چینی۔ وہ اپنے ساتھ سائبیریا کی سخت کوشی اور سخت جانی لایا تھا۔ علاوہ ازیں وہ اس سے زیادہ طویل "یوگ" کر چکا تھا۔ اس وقت وہ ایلیوڈر سے زیادہ ہی دعاؤں

میں گم تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی گہری نظریں ایلیوڈر کے سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ایلیوڈر سے روبرو ہونے سے پہلے اسے اچھی طرح پڑھ لینے کا بڑا سنہری موقعہ ہاتھ لگا تھا اور وہ ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھانا خوب جانتا تھا۔

آخر کار ایلیوڈر اٹھ کھڑا ہوا اور "بھائی بھائی" کہتا ہوا ان کی طرف لپکا۔ گویا اسے ان کی موجودگی کا علم ہی نہ تھا۔ پھر اس کی نظریں راسپوٹین پر پڑیں اور وہ ٹھٹھک گیا۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور آنکھیں سکڑ گئیں۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ راسپوٹین کی موجودگی اسے کھٹک رہی تھی۔ لاکھوں مریدوں کا پیشوا ایک خستہ حال، گندے، دیہاتی کے وجود کو کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اس کا غیر متوقع رویہ دیکھ کر بشپ ہرموگن اور فادر فیوفان بھی پریشان ہو گئے۔ ابھی ایلیوڈر اپنے جوشِ غضب کا اظہار کر بھی نہ پایا تھا کہ راسپوٹین نے آگے بڑھ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا "تم عبادت خوب کرتے ہو میرے بھائی"! ایلیوڈر غصے سے کانپنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں اور ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ راسپوٹین کو اس گستاخی کا مزا چکھاتا راسپوٹین اطمینان سے بولا "خدا کو اپنی عبادت سے اتنی ایذا نہ پہنچاؤ۔ کبھی اسے بھی آرام کرنے دو۔ دیکھو وہ دونوں تمہارا کب سے انتظار کر رہے ہیں۔ انہیں چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

بشپ اور فادر اس ڈرامے کو تحیر اور خوف سے دیکھ رہے تھے انھیں اس کا ڈراپ سین بھی نظر آ رہا تھا لیکن یا تو ایلیوڈر وہ ایلیوڈر نہ رہا تھا لیا اس کی تمام ذہنی اور جسمانی طاقت سلب ہو چکی تھی ۔ وہ آنکھیں پھاڑے اسے خاموشی سے صوفے کی طرف بڑھتا دیکھتے رہے ۔

اس دن کے بعد ایلیوڈر جب کبھی اس واقعے کو یاد کرتا تو وہ غور و فکر میں غلطاں ہو جاتا ۔ اس نے اپنی نظریں راسپوٹین کی نظروں سے ٹکراتے ہی بجلی کی جو لہر رگ و پے میں دوڑتی محسوس کی تھی وہ اسے بھولا نہیں تھا ۔ پالتو جانور کی طرح وہ اس کے حکم پر صوفے کی طرف جس طرح بڑھا تھا ، اسے اب بھی یاد تھا ۔ اس کے شانوں پر راسپوٹین کے ہاتھ رکھنے اور بے تکلف باتیں کرنے سے اس کے تن بدن میں جو آگ لگ گئی تھی اس کی تپش وہ اب بھی محسوس کر رہا تھا ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے اعصاب جس طرح ماؤف اور اعضا مفلوج ہو گئے تھے ۔ وہ سارا منظر اس کے دل پر نقش ہو چکا تھا ۔ اسے اب بھی اکثر تصویر میں چھپی کر اس کے جسم کو احاطہ کرتیں ، اور سکڑ کر اسے گھورتی ہوئی راسپوٹین کی آنکھیں دکھائی دیتیں اور وہ بوکھلاہٹ سی محسوس کرتا ۔ یہ ایک ایسا راز تھا جو اس کے لئے لاینحل رہا ۔ پوکروسکو کے پیٹر کی شکست اور علوم الٰہیہ کے فیوفان کی ہزیمت کے بعد یہ راسپوٹین کی تیسری فتح تھی ۔

راسپوٹین کی ایلیوڈر سے یہ ملاقات نہ صرف اس کی اپنی زندگی بلکہ روسی سیاست کی بساط پر ایک عظیم تغیر بن کر رونما ہوئی ۔ ایسا تغیر جس نے روسی ملوکیت کی بنیادیں ہلا دیں اور ترا ایسے خونیں اور عبرت ناک انقلاب پر منتج ہوا ۔

جسے تاریخ کے صفحات سے ابتک مٹایا نہ جا سکے گا۔ اس حقیقت سے مفر نہیں کہ فیوفان نے جس بیج کو سرراہے اٹھایا، ہرموگن نے جسے زیر زمین دبایا وہ ایلیوڈر کی آب یاری سے ایسا تناور درخت بن کر زمین کے سینے پر کھڑا ہوگیا جسے کوئی طوفان، کوئی جھکڑ کوئی سیلاب اپنی جگہ سے نہ ہلا سکا ان لوگوں نے سائے کی خواہش میں اسے پروان چڑھایا تھا لیکن وہ خونخوار گدھوں کی پناگاہ، مہیب بھوتوں کا مسکن، تباہی و بربادی کی آماجگاہ بن کر روس کی سرزمین پر سالہا سال تک بڑھتا پھولتا رہا۔

نہ جانے کیوں اور کیسے ایلیوڈر نے پہلی ہی ملاقات میں فیوفان کی زبانی راسپوٹین پر اظہار اعتماد کو بلا چون وچرا تسلیم کر لیا اور جب ہرموگن نے اسے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی تجویز سامنے رکھی تو راسپوٹین کے ماضی اور حال کے متعلق ایک لفظ جانے بغیر ایلیوڈر نے اس کی گرمجوشی سے تائید کی۔ اس نے بعد میں بتایا کہ راسپوٹین کی موجودگی میں جب وہ دلجمعی سے کسی بات پر غور کرتا تو اس کا شعور اسے آنے والے خطرات سے جھنجھوڑتا اور اسے راسپوٹین سے الجھن، کوفت، نفرت اور حقارت محسوس ہونے لگتی۔ یہ وہ لمحہ ہوتا جب اس کی قوت ارادی جاگ جاتی، لیکن دوسرے ہی لمحے جب وہ نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھتا تو اس کی ساری طاقت زائل ہو جاتی۔ زبان گنگ ہو جاتی، حواس سو جاتے اور وہ اثبات میں سر ہلا دیتا۔

ایلیوڈر سے مشورہ کر کے ہرموگن نے راسپوٹین کو "ٹرورشین پیوپل" پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے سامنے پیش کیا۔ کمیٹی میں اکثر نے اسے ایک وہمی اور سرپھرے

تنگ مزاج لوگ تھے جنہیں فیوفان قائل کر سکتا تھا نہ ہرموگن، وہ ان کی باتوں کو نیم دلی اور لاپرواہی سے سنتے رہے تھے جس سے ہرموگن نا امید ہو گیا، لیکن جب وہ شعلہ بیان "مقرر" اپنی جگہ سے اٹھا تو لوگ سنبھل کر بیٹھ گئے، پہلے تو وہ یہ کہ ایلیوڈر۔ ہرموگن اور فیوفان کو بری طرح ستانے لگا کہ انہوں نے اس گندے بد تمیز اجڈ کسان کو کمیٹی کے سامنے لانے کی جسارت کیسے کی، لیکن جب اس نے اپنا سارا جوشِ خطابت راسپوٹین کی اہمیت ثابت کرنے میں صرف کر دیا تو وہ دنگ رہ گئے۔ اس نے کہا کہ ان کی جماعت جو روس کے سیدتوں چیالے بہادروں اور پاک باز دل کی جماعت ہے۔ اگر اچھا اور برا پرکھنے کے قابل نہیں ہے۔ تو ملک کا کیا بنے گا؟ اس کے ساتھ ہی اس نے بتایا کہ اس کا اصلی مقصد کیا ہے، راسپوٹین کو آلۂ کار بنا کر جماعت کو کیا پھل سکتا ہے۔ اپنے نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے جماعت کو ملک کے دیہاتوں میں بسنے والے کروڑوں افراد کی حمایت کی کتنی ضرورت ہے، اور یہ حمایت حاصل کرنے میں راسپوٹین کتنا کارآمد ہو سکتا ہے، اس کے بعد ایلیوڈر نے اپنے سیاسی رفیقوں کے سامنے دوستوفسکی اور ٹالسٹائی کے اقوال دہرائے کہ "ایک دیہاتی مبلغ کے الفاظ میں وہ جادو ہوتا ہے جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ہوتا" جو لوگ راسپوٹین کو "پیغمبر" مان سکتے ہیں۔ وہ اس کی کون سی بات ماننے سے انکار کر دیں گے۔ لوگ دیکھ رہے تھے کہ ایلیوڈر نے اس سے پہلے فنِ خطابت کا اتنا زبردست مظاہرہ کبھی نہیں کیا تھا۔ جب اس نے اپنی تقریر ختم کی تو وہ راسپوٹین کی اہمیت کے معترف ہو چکے تھے صرف ایک متقاضی

وکیل نے راسپوٹین کی مخالفت کی اور برہان و دلائل سے کمیٹی کے ارکان کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ ان کے لئے مفید کی بجائے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ اس نے کہا "اگر تم اس دیہاتی راسپوٹین سے فائدہ اٹھانے کی سوچ رہے ہو تو میں کہتا ہوں تمہیں یہ سودا مہنگا پڑے گا۔ سیاست کو صاف ستھرا رہنے دو، اسے اتنی نچلی سطح پر نہ لاؤ" اس کے بعد اس نے تاریخی واقعات سے یہ ثابت کرنا شروع کر دیا کہ جب کبھی سیاستدانوں نے عوام کے مذہبی جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی ہے، اس کا نتیجہ ملک کی تباہی کے سوا کچھ نہ نکلا۔ کمیٹی کے ارکان جو ایلیوڈر کی شعلہ بیانی سے مسحور ہو چکے تھے وکیل کی منطق اور استدلال سے پر تقریر کے دوران جمائیاں اور انگڑائیاں لینے لگے۔ لیکن خود ایلیوڈر کو یوں نظر آنے لگا جیسے بس چنگاری کو اس نے ہوا دینے کی ٹھانی ہے۔ وہ شعلہ بن کر ملک کے بام و در کو جلا کر خاکستر کر دے گی۔ جو جال اپنے مخالفوں کو پھانسنے کے لیے وہ تیار کر رہا تھا، اس میں اس کے علاوہ ان کے ساتھی دوست اور وہ خود بھی پھنس جائے گا۔ اسے وکیل کی باتوں میں وزن نظر آنے لگا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا تاکہ ہرموگن کو تجویز کی حمایت سے دستبردار ہو کر اپنے الفاظ واپس لے لے۔ اسے اٹھتا دیکھ کر سب لوگ سنبھل کر بیٹھ گئے۔ خود نوجوان وکیل بھی دبک کر بیٹھ گیا۔ ایلیوڈر نے ان سب کی توقع کے خلاف کہنے کے لیے منہ کھولا۔ اسی وقت بجلی کی سی سرعت سے راسپوٹین کی آنکھوں کے شعلے اس کی نظروں کے سامنے ناچنے لگے۔ چھوٹی موٹی، دھنسی ہوئی انگاروں آنکھوں سے نکلتے ہوئے شعلے۔ ایلیوڈر کے

ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ اس کی زبان لڑکھڑانے لگی اور ہکلا کر بمشکل کہہ سکا۔" یہ وکیل مغرب کی اہلیت کا گماشتہ ہے۔ اس کی بات پر کان نہ دھرو۔"

یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا۔ نہ اسپوٹمین کو کمیٹی کا رکن بنا لیا گیا۔

۴

سن شائن تھا پیار کا وہ نام جس سے ہیس کی شہزادی الیکس کو روس کی ملکہ بننے سے پہلے پکارا جاتا تھا۔ یہ نام اُس سے کچھ اس طرح چپک کر رہ گیا کہ آخر عمر تک نکولس اسے کسی اور نام سے نہیں بلاتا تھا۔ ازدواجی زندگی کے اوائل میں نوجوان بادشاہ جوں ہی سلطنت کے ذمہ دارانہ امور سے فارغ ہوتا سیدھا اپنی، سن شائن، کے پہلو میں پہنچ جاتا۔ وہ سرکاری کاغذات پر دستخط کرتا، وزارتی رپورٹوں کو پڑھتا خاص خاص لوگوں سے ملتا، لیکن اس دوران وہ سخت بے چینی محسوس کرتا۔ اور جب وہ اپنی سرکاری زندگی ختم کر کے محل میں اپنی ملکہ کے پاس جاتا تو پھولا نہ سماتا، لیکن سرکاری امور سے مفر بھی تو ممکن

نہیں تھا۔ تاجپوشی کے دن ہی سے اسے دونوں زندگیوں میں مفاہمت کے لیے جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ زارینہ بھی چند گھنٹوں کے لیے ہی سہی شوہر سے بآسانی جدائی برداشت نہ کرسکتی تھی۔ اگر زار کے آنے میں دیر ہو جاتی، وہ بے چین ہو جاتی۔ وہ جدائی کی ان صبر آزما گھڑیوں کو کاٹنے کے لیے صوفے پر دراز کتابیں پڑھتی رہتی، سینے پرونے میں مشغول رہتی یا عمر کے آخری برسوں میں اپنی راز دار سہیلی اینا پہ وبودا سے زار کے ساتھ بیتے ہوئے لمحات کی یاد تازہ کرتی رہتی۔ وہ اس کی غیر حاضری میں بھی تقریباً اسی کے متعلق باتیں کرتی یا سوچتی رہتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ کسی وقت بھی شوہر سے دور نہ رہے۔

جب محل کے دالان سے زار کے تیز تیز قدموں کی آواز آتی تو اس کے گالوں پر سرخی دوڑ جاتی وہ بیتابانہ اٹھ کر دروازے کی طرف لپکتی اور جوں ہی وہ اندر داخل ہوتا دوڑ کر اس سے لپٹ جاتی۔ وہ گھنٹوں بیٹھے پیار و محبت بچوں کے متعلق یا آئندہ پروگرام کے بارے میں باتیں کرتے نہ تھکتے۔ اکثر یہ ہوتا کہ زارینہ اپنے کمرے میں مہمانوں کے ساتھ بیٹھی ہوتی تو ساتھ والے کمرے سے سیٹی کی ہلکی سی آواز آتی۔ وہ مہمانوں سے کوئی نہ کوئی بہانہ کرتی اور معذرت کر کے دوڑ جاتی۔ جب زار، انل کے بادشاہ سے ملنے کچھ عرصے کے لیے ریکوشنگ گیا تو زارینہ سارا سارا دن اپنے کمرے میں بند رہتی وہ کسی کو حتیٰ کہ اپنے بچوں تک کو اندر آنے کی اجازت نہ دیتی تھی۔ جب تک وہ واپس نہ آگیا اس کا یہی وطیرہ رہا۔ اسے اس بات کی عمر بھر شکایت رہی کہ زار کی واپسی

پر ان کی اولین ملاقات بھرے دربار میں ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے ارمان نہ نکال سکی تھی۔

ان کی ازدواجی زندگی کے تیئس سالوں میں صرف دو مرتبہ ان میں ہلکی سی کشیدگی پیدا ہوئی۔ وہ بھی محض غلط فہمی کی بنا پر۔ ایک مرتبہ اس طرح کہ کسی نے بادشاہ کے کان بھرے کہ ملکہ جنرل اورتوف سے غیر معمولی طور پر مانوس ہوتی جا رہی ہے۔ دربار میں مفسدوں کی کمی نہ تھی جن کا کام ہی نت نئی افواہیں پھیلانا تھا۔ ان افواہوں کو تقویت یوں ملی کہ جنرل اورتوف بھی تقریباً ہر شام شاہی محل میں گھنٹوں زار کے ساتھ بلیئرڈ کھیلا کرتا تھا۔ گو زار نے ان افواہوں کو اہمیت نہیں دی، لیکن وہ مضطرب ضرور رہنے لگا۔ آخر جنرل اورلوف پھیپھڑوں کی تکلیف میں مبتلا ہو کر مصر چلا گیا اور وہیں فوت ہو گیا۔ اس طرح ملکہ بھی ایک مرتبہ بادشاہ کی طرف سے بدگمان ہو گئی تھی۔ ہوا یہ تھا کہ اس کی چہیتی سہیلی اینا ویرودا نے کہیں معصومیت سے یہ کہہ دیا کہ وہ جب زار کو دیکھتی ہے تو اس کے دل میں گدگدی سی ہونے لگتی ہے۔ اتنا سننا تھا ملکہ آپے سے باہر ہو گئی۔ اس نے اینا سے تعلقات منقطع کر لیے حتیٰ کہ خطوط میں اسے "غدار" کے نام سے یاد کرنے لگی۔ لیکن شبہات اور کشیدگی کے یہ دن زیادہ عرصہ نہ رہے۔ جلد ہی زار اور ملکہ دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور ان کے برگشتہ دل پھر مل گئے۔

ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ کشیدگی کے دوران بھی انہوں نے کبھی ایک دوسرے کے خلاف ایک لفظ زبان سے نہ نکالا، کبھی ایک دوسرے کی دلشکنی

نہ کی۔ ان کا یہ عالم شبِ عروسی سے لے کر اپنے الم ناک انجام تک رہا۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے ان کی ابھی ابھی شادی ہوئی ہو۔ ناصر کی ذاتی ڈائری سے اس کی زندگی کے ان رنگین واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کے اوراق دو دھڑکتے ہوئے ہوئے دلوں کی ان مٹ محبت کی داستان سے پُر ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے اپنی ملکہ زارینہ سے بے پناہ محبت تھی اور بعض اوقات وہ سرکاری امور سے اس لیے جھنجھلا اُٹھتا تھا کہ اسے زارینہ کی صحبت میں بیٹھنے کا وقت نہیں نہیں ملتا تھا۔ اس کی ڈائری ایسے جملوں سے پڑھی پڑی ہے "افسوس کا مقام ہے کہ کام مجھے مہلت نہیں دیتے اور میں چاہتا ہوں کہ رات اور دن کا ہر گھنٹہ اس (زارینہ) کے پاس گذاروں" "دوپہر رپورٹیں دیکھتے گذریں لیکن شام ایلکس کے ساتھ باغ میں ٹہلتا رہا ہوں ہم ایک دوسرے سے جدائی کی تاب نہیں لا سکتے" "آج اتنا مصروف رہا کہ دوپہر کے کھانے سے پہلے ایلکس کی شکل نہ دیکھ سکا" "آج کا دن بڑا مصروف گذرا۔ ڈرنودو، فریڈرک، ارچڑ اور ایلان یکے بعد دیگرے ملنے آئے۔ اس کے بعد اکیڈمی آف سائنس کی سالانہ تقریب میں جانا پڑا۔ قطعاً دل نہ لگا۔ واپس لوٹتے ہی پیاری سنی (سن شائن) کو لئے جزیروں کی سیر کو چلا گیا بڑا سہانا سماں تھا۔ رات کوئی ساڑھے بارہ بجے لوٹے" الغرض ڈائری کا کوئی صفحہ نہ تھا جس میں زارینہ کا نام نہ ہو۔

زارینہ شوہر کی محبت میں سرشار ضرور تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس محبت میں بچوں کا کوئی حصہ ہی نہ تھا۔ شوہر کے بعد اس کی سب سے بڑی دلچسپی یہی بچے تھے۔ اکثر یوں ہوتا کہ سلطنت کا مدار المہام اس کے سامنے ضروری

کاغذات لیے کھڑا رہتا اور وہ اولگا کو گود میں اٹھائے اور نوزائیدہ بیٹیاں ملکہ کے جھولے کی ڈوری تھامے ان پر دستخط کرتی۔ اور جب منت مرادوں کے بعد لڑکا پیدا ہوا تو محل میں گو اس کی پرورش کے لئے نرسوں کی ایک فوج تھی لیکن وہ خود ہر وقت اس کی نگہداشت کرتی، اسے نہلاتی دھلاتی، کپڑے تبدیل کراتی۔ ان کا کھانا کھلاتی اور اس کے ساتھ کھلونوں سے کھیلتی رہتی۔ جب بچے ذرا سیانے ہوئے تو وہ خود ان کی تعلیم و تربیت کی نگرانی کرنے لگی، ان کے ساتھ کتابوں اور کاپیوں پر جھکی رہتی۔ انہیں اسکول کا کام کرنے میں مدد دیتی، اور گھر پر پڑھانے والے اساتذہ فراولین شنیڈر، مسٹر گیز اور موسیو جیلیرڈ کا دیا ہوا کام خود سامنے بیٹھ کر کرواتی، وہ لڑکیوں کے ساتھ بھی سینے پرونے کا کام کرتی۔ ان کے لیے گڑیاں بناتی اور گڑیوں کی شادی بیاہ میں خود بھی شریک ہوتی۔ ان موقعوں پر کبھی کبھار زار بھی شامل ہو جاتا۔ زار کو بھی بچوں سے کم محبت نہ تھی۔ وہ بھی اکثر ان کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ اس نے ان کے کھیلنے کے لیے زارسکوسیلو میں بڑے بڑے ہال بنوائے تھے جن میں کھیلنے کودنے کا کافی سامان تھا۔ جب ملک سیاسی بحران سے گذر رہا تھا تب بھی زار اپنے بچوں کے لیے تھوڑا بہت وقت نکال لیا کرتا تھا۔ زار علی الصبح سیر کا عادی تھا۔ اس کے بعد ناشتہ کر کے وہ ملاقاتوں کے لیے مستعد ہو جاتا۔ وہ اپنے وزراء کو بہت کم شرفِ باریابی بخشتا اور عموماً ان سے تحریری رپورٹیں لیا کرتا۔ اس کے باوجود ہر روز دو چار بڑے افسروں سے ملاقات کرنی ہی پڑتی۔ ان نشستوں میں بحث مباحثے سے اسے بڑی کوفت ہوتی تھی۔ جب ایک بجتا تو وہ اطمینان کا سانس لیتا۔ کیونکہ اس وقت وہ ملکہ کے ہمراہ کھانا کھایا

کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ باغ میں ملکہ یا کبھی کبھار اپنی بڑی لڑکی کے ساتھ چہل قدمی کرتا۔ سہ پہر کو عموماً گھوڑ سواری یا کشتی رانی کا پروگرام رہتا۔ اس وقت وہ اپنی رائفل لینا نہ بھولتا جس سے اڑتے ہوئے کوّوں کو نشانہ بنایا کرتا۔ واپسی پر سارا گھرانا چائے کی میز پر اکٹھا ہوتا۔ اور اس کے بعد وہ دو ایک گھنٹے ضروری کاغذات دیکھنے میں صرف کرتا۔ رات کا کھانا آٹھ بجے کھایا جاتا۔ نو بجے زارینہ بیٹے کے کمرے میں جاکر اس کے ساتھ دعا میں شریک ہوتی۔ وہاں سے لوٹ کر وہ اینیا کے ساتھ ساز و آہنگ میں لگ جاتی۔ اسے بتھوون اور چیکووسکی سے خاص دلچسپی تھی۔ موسیقی کی آواز سنتے ہی زار پنجوں کے بل چلتے ہوئے ان کے پیچھے آ کھڑا ہوتا اور پورے انہماک سے سنتا۔ اس وقت صرف خوشبودار سگریٹ اس کی موجودگی کا احساس دلاتا اگر کوئی کام نہ ہوتا تو وہ ان کے پاس بیٹھ کر بلند آواز سے ٹالسٹائی ترگنیف دوستووسکی۔ گوگول اور چیخوف کی تصانیف پڑھتا۔ نصف شب کے قریب پھر چائے کا دور چلتا اس کے بعد وہ سونے کے لیے چلے جاتے۔

زار سردیوں میں شاہی خاندان سمیت چار ہفتوں کے لئے اپنی آبائی ریاست لیوادیا میں چلا جاتا۔ اور گرمیوں میں فن لینڈ کے جزیروں میں پہنچتا۔ دن گذارتا۔ زار نے لیوادیا تک ریل کی پٹری لے جانے کی ممانعت کر دی تھی تاکہ شہر کا شور و شغب اس ویرانے پر اثر انداز نہ ہو۔ چیڑوں سے لدی پہاڑیوں اور ڈھلوانوں کے درمیان سفید شاہی محل دور سے چمکتا۔ یہاں سے گھر سے سمندر کا نیلگوں پانی اور برف پوش پہاڑیوں کا منظر دل کو لبھاتا۔ آنکھوں کو تازگی بخشتا اور ذہن کو سکون پہنچاتا۔ شاہی جوڑا دن بھر خورد و نوش کی اشیاء کے تھیلے اٹھائے

جنگلوں میں گھومتا پھرتا۔ وہ اپنے ہاتھ سے آگ جلاتے اور محل کی زندگی سے دور مکمل دیہاتی ماحول اپناتے۔ وہ پہروں گھوڑے دوڑاتے یا سمندر میں ڈبکیاں لگاتے زار کو تمام کھیلوں سے دلچسپی تھی کشتی رانی، پہاڑوں پر چڑھنا، پیراکی، سائیکل چلانا اور ٹینس کھیلنا تقریباً سب ہی کاموں میں وہ ماہر اور مشاق تھا۔ ٹینس تو اسے بے حد مرغوب تھا۔ وہ اسے اس انہماک سے کھیلتا جیسے کوئی بے حد ضروری کام کر رہا ہو جب وہ ہارنے لگتا تو اس کا ذہنی توازن قائم نہ رہتا۔ جس کا شکار اس کی مدمقابل عام طور پر اپنا پیر ڈبوڈا کر بنا پڑتا۔

فن لینڈ کے جزیروں میں ان کا زیادہ تر وقت کشتی رانی میں گزرتا۔ زیادہ تیرتے رہتے تھے۔ اس دوران ملاح بھی موجود ہوتے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جب شہزادیاں جوان ہوئیں تو بحریہ کے نوجوان افسروں سے نوک جھونک شروع ہو گئی۔ زار اور زارینہ اس مذاق پر مسکرا دیتے۔ رامش و رنگ کا یہ طلسم ہفتے میں دو بار ٹوٹتا۔ جب شاہی پیغام رساں محل سے ضروری کاغذات بادشاہ کے دستخط کے لیے لاتا۔ بوجھل دل سے اس ناگوار کام کو ختم کرنے کے بعد وہ پھر اسی دنیا کی رنگینیوں میں کھو جاتا۔

الغرض زار سکو سیلو محل ہو یا لیواڈیا کی ریاست جزیرے ہوں یا کوئی اور جگہ زار اور ملکہ مسرت و انبساط کے جھولے میں جھولتے رہتے تھے۔ جب انقلاب روس نے زار کو تخت و تاج چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور شاہی خاندان زار سکو چھوڑنے لگا تو ملکہ نے درد بھرے الفاظ میں اپنی چہیتی سہیلی کو لکھا تھا "یہ جگہ چھوڑنا کس قدر المناک ہے۔ ہم نے مسرتوں سے بھرپور تیئس سال اس گھر میں گذارے

اور اب فلکِ ناہنجار نے ہمیں اس سے جدا کر دیا ہے۔ ماضی اتھاہ تاریکیوں میں گم ہو چکا ہے۔ لیکن میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں کہ جو پر مسرت لمحات گزرے ہیں۔ ان کی یاد اب تک میرے سینے میں محفوظ ہے۔ اس خزانے کو کوئی نہیں لوٹ سکتا۔" روس بھر میں شاید ہی کوئی عورت زارینہ سے زیادہ اپنی زندگی سے مطمئن رہی ہوگی، لیکن اس کا یہ اطمینان محض اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ ایک عظیم الشان سلطنت کی ملکہ تھی بلکہ اس لیے کہ اسے گھریلو خوشی کی نعمت میسر تھی۔ اسے شوہر کی بھرپور محبت حاصل تھی۔ اور بچوں کی لازوال الفت کے علاوہ ایک چہیتی اور وفادار سہیلی کی رفاقت بھی نصیب تھی۔

زار اور ملکہ کہکشاں کی رفعتوں پر ہاتھوں میں ہاتھ دیئے دنیا و مافیہا سے لاپرواہ چلے جا رہے تھے، لیکن انہیں پتہ نہ تھا کہ بدبختی کے مہیب سیاہ بادل ان کی سمت تیزی سے اُمڈے آ رہے تھے۔ پیاری "سن شائن" کے پہلو میں پرسکون نیند کے متوالے، گھوڑ دوڑ، پیراکی، کشتی رانی، ٹینس اور شکار کے رسیا، بچوں کی معصومانہ شرارت اور کھیل کود میں مگن زار کو بھولے سے بھی خیال نہ آیا تھا کہ بدبختی اور تیرہ نصیبی اس کے محفوظ اور پرسکون محل کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی اور راحت و آسائش کا تابناک آفتاب آہستہ آہستہ ڈوب رہا تھا۔ تاحدِ نظر پھیلے ہوئے نیلگوں سمندر کا وہ سکون، جسے وہ ابدی سمجھ کر لطف اندوز ہو رہا تھا ایک بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھا۔ طوفان جس میں اس کی راحتیں، آسائشیں، سکون، جاہ و جلال، سطوت و احتشام، امیدیں، آرزوئیں اور رنگین تصورات خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ سیاہ بختی اس کا مقسوم بن چکی تھی۔ گو اس عبرتناک بربادی

میں اس کی عاقبت نا اندیشی اور ملک کے تمام طبقوں میں بڑھتی ہوئی بے چینی کو بڑا دخل تھا تاہم اس خیال کو خارج از بحث قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اس کی ایک بڑی اور اہم وجہ راسپوٹین کی ذات بھی تھی۔ وہ اس کی زندگی میں ایک ان دیکھے مہیب سائے کی طرح چپکے چپکے داخل ہوا اور اس کی روح، دل اور دماغ پر پوری طرح چھا گیا۔ اس کے آہنی پنجے نے نہ صرف زار، زارینہ اور شہزادیوں کو اپنی گرفت میں جکڑ لیا بلکہ وہ پھیلتے پھیلتے روس کی شمال سے جنوب تک پھیلی ہوئی زمین کے سینے میں یوں گڑ گیا کہ اس کی جڑیں ہل گئیں۔

۵

بیمار بچے کے سرہانے بیٹھے ہوئے زارینہ کا آج تیسرا دن تھا۔ وہ دونوں ہاتھ باندھے بیمار بچے کے زرد بے جان چہرے کو گھنٹوں ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہتی۔ اسے وہ منحوس شام رہ رہ کر یاد آتی جب اتالیق ملاح ڈیرانکو درد کی شدت سے بے جان ننھے ایلکسی کو اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھا لایا تھا۔ وہ اس کی یہ حالت دیکھ کر غش کھا گئی تھی۔

جب ایلکسی پہلے حادثے سے دوچار ہوا تھا تو اس کے بعد اس کی کتنی دیکھ بھال کی گئی تھی۔ اسے کسی ان ہونی سے بچانے کے لئے کیا کچھ جتن نہ کئے گئے تھے۔ لیکن ناشدنی ہو کر رہی۔ جس بات کا ڈر انہیں وہم بن کر ڈستا رہا وہ پوری

ہی گئی۔ الیکسی باغ میں نوکر کے لڑکے کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ ڈیریوٹکو اور نرس دشینا کو دامی پاس ہی تھی۔ یکایک وہ ایک اونچی جگہ سے چھلانگ لگاتا ہوا چاروں شانے چت گرا، اور بے سدھ ہو گیا۔ ڈیریٹکو نے لپک کر اسے اٹھا لیا اور محل کی طرف دوڑا۔

اس کی ہڈیوں میں سخت چوٹ لگی تھی، وہ لاش کی طرح سرد تھا۔ ڈاکٹروں نے اس کا اچھی طرح معائنہ کیا۔ یکے بعد دیگرے بدل بدل کر دوائیں دی گئیں۔ کئی مشورے کیے گئے اور آخر میں مایوسی سے سر جھکا لیا۔ پھر نیپالی وید کا دیا ہوا شربت پلایا گیا۔ اس سے بھی کچھ نہ ہوا۔ آخری کوشش کے طور پر بیدِ مسیف کی پڑھی ہوئی جڑی بوٹیاں آزمائی گئیں، لیکن ایسا لگتا تھا جیسے خداوند تعالیٰ نے زرس کی انتہائی خوش نصیب عورت سے اس کی مسرتوں کی کل پونجی چھین لینا چاہتا ہے۔ وہ اس کے بستر پر گر پڑی اور گڑگڑا کر خدا سے اپنے اکلوتے لڑکے کی زندگی مانگنے لگی۔ وہ بے تحاشہ روتی رہی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھیں آشوب کر آئیں۔

کوئی معجزہ ہو، کہیں سے ہو! لیکن کہیں سے کوئی معجزہ نہ ہوا۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن آیا۔ اور یوں ہی دن راتوں میں اور راتیں دن میں بدلتی گئیں۔ الیکسی کی حالت بدتر ہوتی گئی۔ جب درد کی شدت میں کمی ہوتی تو وہ اپنے اتالیق جیلیرو یا اپنی انا سے دو چار ٹوٹی پھوٹی باتیں کر لیتا پھر درد کا حملہ ہوتا اور وہ کراہنے لگتا۔ کراہتے کراہتے وہ چیخنے لگتا اور اس کی دلدوز چیخیں اتنی بلند ہو جاتیں کہ لوگ اس کے کمرے میں جاتے ہوئے ڈر محسوس کرتے انہیں موت کا بھیانک سایہ شہزادے کی طرف رینگتا ہوا نظر آتا۔ زارینہ دل گرفتگی

کر رہ جاتی کہ اس کا جگر کا ٹکڑا چھننے ہی والا ہے۔ زآر بھی بار بار بے تابی سے اس کے کمرے میں آتا۔ بچے کو حسرت سے دیکھتا اور بیوی کو تسلی دیتا۔ ایک مرتبہ جب اس نے اپنا ٹھنڈا ہاتھ نیم بے ہوش بچے کے ماتھے پر رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے باپ کی گردن میں اپنی ننھی ننھی باہیں حمائل کر دیں اور اس کا کان اپنے منہ کے قریب لاکر کراہتی ہوئی نحیف آواز میں کہنے لگا "پاپا جب میں مرجاؤں تو مجھے باغ میں دفن کریں۔" زآر کے جگر پر جیسے تیر لگا۔ اسے ضبط کا یارا نہ تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ زارینہ نے بچے کی بات نہیں سنی، لیکن اسے کمرے سے باہر شوہر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

رفتہ رفتہ زآرینہ نے دعائیں مانگنی بھی چھوڑ دیں۔ وہ دن رات بت بنی بستر سے لگی بیٹھی رہتی۔ اسے یقین ہوگیا کہ خدا نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے تاہم وہ لمحہ بھر کے لیے بھی بیٹے سے جدا نہ ہوتی۔ وہ کتنی کئی دن کپڑے تبدیل نہ کرتی حادثے کے دن کے بعد سے اس نے بالوں کو کنگھی تک نہیں کی۔ اس کا گلابی چہرہ زرد ہوگیا۔ اس کی روشن آنکھیں پتھرا گئیں۔ غم کا ایک پہاڑ تھا جو ٹوٹ پڑا اور زارینہ اس کے بوجھ تلے دب کر بے حس ہوگئی تھی۔

ایک روز زارینہ اسی عالم میں گرد و پیش سے غافل بیٹھی سسک سسک کر دم توڑتے ہوئے بچے کو بے بسی سے دیکھ رہی تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا کوئی جواب نہ پاکر استانا اندر آگئی۔ زارینہ کو اس کی آمد کا اس وقت پتہ چلا جب اسے اپنے گالوں پر اس کے سانس کا لمس محسوس ہوا۔ اسے دیکھتے ہی زارینہ

اس سے لپٹ کر سسکیاں بھرنے لگی۔ اسٹاناآس کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر اسے دلاسہ دیتی رہی کہ "الیکسی جلد ہی اچھا ہو جائے گا۔ زارینہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرے گی۔ درباریوں کی ریشہ دوانیوں اور حاسد رشتہ داروں کے منہ بند ہو جائیں گے کیونکہ وہ وقت قریب آگیا ہے جب نہ صرف بادشاہ اور ملکہ بلکہ تمام ملک کے لوگ مسرت و انبساط کی نعمت سے مالامال ہو جائیں گے۔" یہ سب کب اور کیسے ہوگا، اس کی وضاحت کے لیے اسٹانا مناسب و موزوں الفاظ کا انتخاب کرنے لگی۔

پھر اس نے سپنے تلے الفاظ میں ایک ہونے کا تانا بانا بننا شروع کیا اور اس میں اس ذہانت سے رنگ بھرنا شروع کیا کہ زارینہ کی تمام تر توجہ سمٹ کر اس طرف کھینچ آئی۔ اسٹانا اور ملیشیا دونوں بہنیں الفاظ کا جادو جگانے میں ید طولیٰ رکھتی تھیں اور جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بنانے میں ان کا جواب نہ تھا۔ اسٹانا نے ہمت سے کہا "روس کے شہزادے کو صرف راسپوٹین زندگی دے سکتا ہے۔" زارینہ کے سلگتے دل پر جیسے کسی نے برف کی سل رکھ دی۔ اس کے زخموں پر مرہم کا پھاہا لگا دیا۔ اس کے زرد مرجھاتے ہوئے گالوں پر گردش خون کی سرخی دوڑ گئی۔ آنسوؤں کی آخری بوند تک بہانے والی اس کی بے خواب آنکھوں سے امید اور سکون قلب کی کرنیں پھوٹنے لگیں اور ان ہی کرنوں کی تابناک روشنی میں اسے اپنے اکلوتے قریب المرگ بچے کا مسیحا، خوش بختیوں کا پیغام بر، تخت و تاج کا واحد محافظ، عافیت کی کشتی کا کھیون ہار، مجسم نور اور تقدس کا پیکر راسپوٹین نظر آیا۔

اسٹانا کا یہ کہنا سونے پر سہاگہ ثابت ہوا کہ راسپوٹین کے متعلق یہ خیالات نہ

صرف اس کے تھے بلکہ اس وقت کے شہرہ آفاق عالم روحانیت اور زاہد و عابد
خدا رسیدہ بزرگ فادر جان آف کرونسٹڈٹ کی بھی یہی رائے تھی اس نے سوسائٹی
کی اعلیٰ خواتین کی موجودگی میں راسپوٹین کے کمال اور تقدس کا اعتراف کیا تھا۔
اس روز فادر جان گرجا میں اپنا وعظ ختم کر چکا تھا۔ وہاں تل دھرنے تک کی جگہ
نہ تھی اور لوگ ایک دوسرے کو دھکا دیتے اس کے ہاتھ چومنے کے لئے آگے
بڑھ رہے تھے اپنا ہاتھ آگے بڑھانے کی بجائے فادر جان ایک قدم پیچھے ہٹ
گیا اور پر جوش آواز میں بولا "ٹھہریئے۔ آج ہمارے درمیان خوش قسمتی سے
ایک ایسی بزرگ ہستی موجود ہے جو اس اعزاز کی صحیح مستحق ہے" اور جب اس نے
کونے میں کھڑے ہوئے ڈھیلے ڈھالے بھدے کپڑوں میں ملبوس لاٹھی تھامے
پشت پر روٹیوں کا تھیلا اٹھائے معمولی شکل و شباہت کے ایک دیہاتی کی طرف
اشارہ کیا تو انہیں اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا اس کونے میں اندھے اور اپاہج گداگر
یا سوسائٹی کے ٹھکرائے ہوئے نادار و مفلس عبادت ختم ہونے کے منتظر کھڑے
رہتے تھے تاکہ جب لوگ گرجا سے باہر نکلنے لگیں تو وہ دو چار چانکے ان کی
جھولیوں اور کشکول میں بھی ڈالتے جائیں۔ ان ہی لوگوں کے درمیان اعزاز کی
صحیح مستحق شخصیت کے روپ میں کھڑے راسپوٹین کو بوڑھے بچے جوان آنکھیں
پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ تاہم عورتیں دل ہی دل میں اسی وقت متاثر ہو گئیں۔
انہوں نے اس سے پہلے کسی انسان کے چہرے پر اتنی مقناطیسی آنکھیں نہیں
دیکھی تھیں۔ راسپوٹین نے آگے بڑھ کر بالکل پادریوں جیسے انداز میں ہاتھ پھیلا
دیئے۔ لوگ آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں کو چومنے لگے اور وہ ان کے

سروں پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دینے لگا

اس کے بعد نادر رفیو خان راسپوٹین کو استاناکے گھر لایا۔ اور اس کے شوہر نکولائی نکولائیوچ نے بھی اسے بے حد پسند کیا پھر "تزور شین ہیوپل" کے ایک نمائندہ وفد نے دونوں میاں بیوی سے بڑی عاجزی سے درخواست کی کہ اسے زار کے حضور میں پیش کیا جائے۔ انہیں یقین تھا کہ اس سادہ دیہاتی کی زبان سے مادر روس اپنے بیٹوں سے ہمکلام ہوتی ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ انقلاب پسندوں کی سرگرمیوں سے نہ صرف تخت وتاج خطرے میں تھا بلکہ خود کلیسا بھی محفوظ نہیں تھا۔ زار اور زرینہ چاروں طرف سے جھوٹے اور ناقابلِ اعتماد درباریوں سے گھرے ہوئے تھے۔ لہٰذا روسی عوام کے ایک حقیقی نمائندے کا دربار میں پہنچ کر اپنی آواز بلند کرنا ضروری تھا۔

اور اب استانا بھی اسی مقصد سے آئی تھی۔ وہ زارینہ پر یہ واضح کر دینا چاہتی تھی کہ "صرف" تزور شین ہیوپل" ہی ملک اور تخت وتاج کے سچے بہی خواہ ہیں وہ شہنشاہیت کے مضبوط ترین ستون ہیں وہ زار کو جو مشورہ دیں گے ـــــ سو فی صد تخت اور حکومت کے مفاد میں ہوگا۔ اس وقت زار کو جو لوگ بڑھ چڑھ کر مشورے دے رہے ہیں وہ اس سے ملک کا حقیقی مفاد چھپا رہے ہیں۔ راسپوٹین ہی وہ واحد شخص ہے جو ان کا زور توڑ سکتا ہے۔ وہ ایک سچا روسی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر وہ ایک مخلص مسیحی بھی ہے"

ان باتوں سے زارینہ کو کم از کم اس وقت بیمار بچے کے سرہانے؛ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ لیکن جب استانا نے اسے بتایا کہ "راسپوٹین کو غیر معمولی روحانی

طاقت حاصل ہے جس سے وہ تن مردہ میں روح پھونک سکتا ہے۔ نا امید بیماروں کو اچھا کر سکتا ہے۔ تو زارینہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ ثبوت کے طور پر اشاتا نے بیوہ بشا کووا کا نام لیا جو اپنے گاؤں سے سینٹ پٹیر سبرگ صرف یہ بتانے آئی تھی کہ شہر آنے سے پہلے راسپوٹین سائبیریا میں کتنی قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ کس طرح لوگ اس کی کرامات کے معترف تھے۔ کس طرح مائیں بیمار بچوں کو اور شوہر اپنی زندگی سے مایوس لاعلاج عورتوں کو اس کے پاس لائے تھے اور ہنستے کھیلتے اچھلتے کودتے واپس ہوتے تھے۔ بشاکووا نے بھی ایک مہلک بیماری سے نجات پائی تھی اور اس نے اپنا سارا مال و متاع خدا کی راہ میں اسی لئے خیرات کر دیا تھا۔

اور جب اسٹانا نے یہ بتایا کہ شہزادے کی بیماری کی خبر سن کر راسپوٹین نے پر اعتماد لہجے میں کہا ہے "ملکہ سے کہہ دو اب وہ بالکل نہ روئے۔ میں اس کے بچے کو بالکل تندرست کر دوں گا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ صحت مند اور توانا ہو جائے گا" تو کئی دنوں بعد زارینہ کے پھیکے بے جان ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس خیال سے کہ ایک مرد کامل نہ صرف بادشاہ کی حفاظت کرنا اور وطن اور مذہب کو دشمنوں کی ناپاک سازش سے بچانا چاہتا ہے، بلکہ اس کے جگر کے ٹکڑے کو موت کے پنجے سے نکالنا بھی چاہتا ہے، اس کا دل راسپوٹین سے بے پناہ عقیدت کے جذبے سے معمور ہو گیا۔ اس کے دل میں اسے دیکھنے، اس سے ملنے اور اسے بادشاہ سے ملانے کی خواہش تڑپنے لگی۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اشٹانا نے راسپوٹین کا اور رنگ جمانا شروع کیا۔ اس نے اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے

ملا دیئے۔ وہ اس کی مدح سرائی میں الفاظ کا ذخیرہ ختم کر دیا۔ اور آخر میں نیم تاریک کمرے میں جس میں صرف ہلکی ہلکی روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی اس نے اپنے ترکش کا آخری تیر چھوڑا۔ "تمہیں یاد ہے ایلکس، ڈاکٹر فلپ نے جاتی دفعہ کیا کہا تھا۔ اس نے پیشگوئی کی تھی کہ خداوند کریم تمہاری مدد اور حفاظت کے لئے اپنا ایک خاص بندہ بھیجے گا۔ یقین کرو ایلکس وہ بندہ یہی ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس کی نشان دہی ڈاکٹر فلپ نے بہت پہلے کی تھی۔ اسے خدا نے صرف التخت و تاج اور تمہارے بیٹے کی حفاظت کے لئے بھیجا ہے۔ اسے نہ کھونا ورنہ عمر بھر پچھتاتی رہو گی۔"

تیر نشانے پر بیٹھا۔ اسے یوں لگا جیسے ایک پرنور ہیولیٰ تاریکی کو چیرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے آگے بڑھ کر بیمار بچے کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا۔ کہیں دور سے استانا کی آواز آئی "تمہارے بیمار بچے کو موت کے منہ سے صرف یہی نکال سکتا ہے"۔ "تم کتنی اچھی ہو استانا۔ صرف تم اور ملشا ہی میری حقیقی غمگسار ہو"۔ زارینہ کو خود اپنی آواز سنائی دی۔ اس نے گرم جوشی سے استانا کا ہاتھ دبایا۔

جب نرس کمرے میں روشنی کرنے آئی اور اس کے پیچھے ہی دبے پاؤں زار بھی آیا تو وہ زارینہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہاں وہ زرد مرجھایا ہوا چہرہ، بے نور بے خواب آنکھیں، ماتھے پر غم و اندوہ کی جھانکتی ہوئی لکیریں، کپکپاتے ہوئے پھیکے ہونٹ اور کہاں یہ پہلی سی زارینہ۔ اس کے چہرے کی مٹی ہوئی سرخی اور آنکھوں کی کھوئی ہوئی چمک لوٹ آئی تھی۔ زار نے استانا کے ہاتھوں پر ممنونیت سے بھر پور پرجوش بوسہ دیا۔ "یہ اور ملشا ہی تمام رشتہ داروں میں ہمارے سچے دوست ہیں اور پھر یہی لوگ ہیں ان سے بدظن کرنے میں لگے رہتے ہیں"۔

اس نے دل ہی دل میں کہا۔ زار کو لوگوں نے یہی بتایا تھا کہ ان دونوں بہنوں کا زآرینہ سے زیادہ میل جول ٹھیک نہیں کیونکہ وہ نہ صرف غیر تعلیم یافتہ اور توہم پرست ہیں بلکہ ان کی تربیت بھی غیر مہذبانہ ماحول میں ہوئی ہے۔ آج جو کام اشانا نے کیا تھا وہ کون کرسکتا تھا۔ اس کی عزیزازجان الیکس کی کھوئی ہوئی تازگی اور بشاشت کون واپس لا سکتا تھا ؟

رات کے نو بج چلے تھے اور زآرینہ پہلو پر پہلو بدل رہی تھی معمولی سی آہٹ پر وہ دروازے کے پاس پھولی ہوئی سانس سے چلاتی ہوئی جاتی اور جب وہ "آ گیا" اور کسی کو نہ پاکر بوجھل قدموں سے لوٹ آتی۔ اسے نو بجے آنا تھا۔ لیکن نو تو کب کے بج چکے تھے۔ زارینہ کے چہرے پر ناامیدی کا پیلا پن پھیلنے لگا۔ زار بھی اپنے مایوس دل کی دھڑکنوں کو چھپائے کاغذات اور خفیہ رپورٹوں پر نظام جھکا گیا۔ تمام رپورٹیں ملک میں بڑھتی ہوئی بے چینی، قتل و غارت، بغاوتوں اور مارشل لاء کے نفاذ کی سفارشات سے پُر تھیں جن پر اسے احکامات صادر کرنے تھے۔ وہ حیران تھا کہ آخر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا تھا ؟ رپورٹوں میں ان کی تمام تر ذمہ انقلاب پسندوں پر ڈالی جا رہی تھی۔ یہ کون لوگ ہیں ؟ کیا چاہتے ہیں ؟ دربار میں یا وزراء کے اجلاس میں ان کا تذکرہ کیوں نہیں ہوتا ؟ صرف خفیہ رپورٹیں ہی ا لوگوں کی سرگرمیوں سے پُر کیوں ہیں ؟ وہ انہیں کہاں تک سچ مانے ؟ اگر یہ سچ تو وزراء اور درباریوں سے کیا سلوک کرے ؟ صحیح مشورے کس سے لے ؟ یہ تخت تاج کا "نہ اسرار محافظ" بھی تو نہیں آیا ؟ کیوں نہیں آیا ؟ زار نے ٹیک کر سر کر پشت سے ٹیک دیا۔ گریگوری ایفیمووچ راسپوٹین !! اس نے کئی مرتبہ زیر

دہرایا۔ اس کے متعلق کہی ہوئی تمام باتیں زار کے کانوں میں گونجنے لگیں۔ اشانا نے وعدہ کیا تھا آج اسے ٹھیک نو بجے لے آئے گی۔ لیکن اشانا آئی نہ وہ آیا۔

راسپوٹین کو زار سکوسیلو محل میں لانے کے لیے غیر معمولی حفاظتی اقدامات کیے گئے تھے اور مکمل رازداری برتی گئی تھی۔ اگر وہ عام راستے سے لایا جاتا تو اسے تین مرتبہ ٹوکا جاتا۔ پہلے تو محل سے باہر پولیس اس سے پوچھ گچھ کرتی، پھر اندر آنے پر فوجی افسروں کا ایک دستہ اسے طرح طرح سے پریشان کرتا۔ اس کے بعد شاہ کے باڈی گارڈوں سے نبٹنا پڑتا۔ ظاہر تھا کہ ان مراحل سے گزرنے پر اس کی شاہی محل میں آمد کی خبر آگ کی طرح شہر پھیل جاتی۔ یہی نہیں بلکہ اس عرصے میں اس کا نام بیس مختلف رجسٹروں میں درج کیا جاتا، جو مختلف مقاصد کے لیے رکھے گئے تھے۔ یہ ایک ایسا طریقہ کار تھا جس سے گریز ممکن نہ تھا۔ نہ ہی زار اس میں کوئی رعایت کر سکتا تھا۔ ایک مرتبہ رعایت دی جاتی تو ممکن تھا کہ اس سے دوسرے لوگوں پر بھی خواہ مخواہ فائدہ اٹھاتے اور زار کو یہ منظور نہ تھا۔ دراصل خود زار کی حالت قابل رحم تھی۔ وہ جاسوسوں اور مخبروں میں گھرا ہوا تھا جو اس کی ہر نقل و حرکت پر کڑی نگرانی رکھتے تھے۔ گو زار یہ سب کچھ جانتا تھا لیکن وہ بے بس تھا۔ زارینہ اکثر حسرت و یاس سے کہا کرتی۔ "ڈیئر! ہم یہاں قیدیوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔" اور زار خاموشی سے بات ٹال جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ راسپوٹین کو لانے کے لیے محل کا ایک خفیہ عقبی دروازہ استعمال کیا جانے والا تھا۔ اس کا دو چار لوگوں کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔ یہ دروازہ ہمیشہ بند رہتا۔ اس میں داخل ہوتے ہی ایک زینہ ملتا جو بادشاہ اور ملکہ کے خاص کمرے میں کھلتا تھا۔ اس

زینے پر پیچھے کی انا اور شاہی خاندان کی سب سے زیادہ قابل اعتماد ملازمہ میریا وشنیا کو دار اسپوٹین کی منتظر کھڑی تھی۔ پروگرام یہ تھا کہ انا تا راسپوٹین کو محل کے عقب تک لائے گی۔ اس کے بعد میریا راسپوٹین کو شاہ اور ملکہ کے سامنے پیش کرے گی۔ جب مایوسی حد سے بڑھی تو زار اپنی خواب گاہ میں جانے کے لئے اٹھا۔ اچانک کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا اور ان کے سامنے سائبیریا کا ایک دیہاتی لمبے سیاہ فرغل میں لپٹا ہوا کھڑا تھا اس کی داڑھی سینے تک بڑھی ہوئی تھی اور سر کے الجھے ہوئے بال شانوں پر لٹک رہے تھے۔ اس کے پیچھے میریا مؤدب کھڑی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ باندھ رکھے تھے اس کی خوب صورت بڑی بڑی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں وہ اس قدر حیرت زدہ تھی کہ یہ بھی قطعاً بھول گئی کہ وہ شاہی حضور میں کھڑی ہے راسپوٹین نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سر گھما کر سامنے دیکھا اور ہنس کر کہنے لگا "اچھا تو عزیز من اب کیا سوچ رہی ہو؟" میریا چونک پڑی۔ اس کی نظریں زار اور زارینہ کی نظروں سے ٹکرائیں وہ سر سے پاؤں تک تھر تھر کانپنے لگی اور اس کے بعد اس نے شاہی محل کی اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ تمام شاہی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے راسپوٹین آگے بڑھا اور اس نے بلا جھجک روس کے عظیم المرتبت شہنشاہ اور اس کی ملکہ کو اپنی باہوں میں بھینچ لیا۔

اس رات الیکسی پھر درد کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور راسپوٹین داخل ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے زارینہ اور میریا تھیں۔ میریا اس کے قریب گئی اور اس نے الیکسی کے پاؤں کو سیدھا کرنا چاہا۔ الیکسی چیخ پڑا۔ ملکہ

راسپوٹین کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ ایک کونے میں رکھے ہوئے صلیب کے سامنے دوزانو جھکا ہوا زیر لب دعائیں مانگ رہا تھا۔ پھر وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ بیمار بچے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اس پر جھک گیا اور اپنی انگشت سے اس کے سینے پر صلیب کا نشان بناتا رہا۔ الیکسی نے آنکھیں کھولیں اور ایک عجیب الخلقت آدمی کو خود پر جھکا دیکھ کر خوف سے تھرا اٹھا۔ اس نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ چیخ اس کے حلق میں اٹک گئی۔

"دیکھو الیکسی" اس کے کانوں میں ایک رس گھولتی ہوئی پرشفقت آواز آئی اور اس نے اپنے سر سے پیر تک کسی کے ہاتھوں کا پرسکون لمس محسوس کیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھول دیں۔ ایک میٹھی آواز اس کے رگ و پے میں سرایت کر رہی تھی "میں نے تمہارا سارا درد بھگا دیا ہے۔ اب تمہیں کوئی چیز تکلیف نہیں پہنچائے گی۔ اور کل تک تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔ پھر ہم بڑے پیارے پیارے کھیل کھیلیں گے۔"

الیکسی کے درد کی شدت سے بھنچے ہوئے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "جب میں تمہاری طرح ایک ننھا سا لڑکا تھا تو میں بڑے پیارے پیارے کھیل کھیلتا تھا۔ جب تم اچھے ہو جاؤ گے۔ وہ سب کھیل میں تمہیں سکھا دوں گا۔" اس کے بعد راسپوٹین نے اپنے بچپن کی باتیں شروع کر دیں۔ اس نے بتایا کہ سائبیریا اتنا لمبا چوڑا علاقہ ہے کہ کسی کو اس کے کنارے کا پتہ نہیں اور یہ سارے کا سارا اس کے باوا ماما کا ہے۔ اور جب وہ بڑا ہو گا تو وہی اس کا مالک ہو گا۔ اس میں اتنے گھنے جنگلات ہیں کہ سورج کی ایک کرن بھی زمین پر نہیں پہنچ سکتی۔ اور وہاں کے لوگ

اتنے عجیب و غریب ہیں کہ ننھے شہزادے نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔ وہ اسی طرح ادھر ادھر کے قصے کہانیاں سناتا ہوا ایلکسی کے بستر پر بیٹھا اپنے بھدے کھردرے ہاتھوں سے اس کے ننھے ننھے ملائم ہاتھوں کو تھپتھپاتا بھینچتا رہا۔ ادھر ایلکسی کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کے بدن کا سارا درد ہاتھوں کے راستے باہر نکلتا جا رہا تھا۔ اسے ایک انجانی سی راحت اور کیف محسوس ہو رہا تھا۔ راسپوٹین کی باتیں سن کر اسے حیرت ہوتی تھی کہ وہ کس دنیا کا باسی ہے اور وہاں کیسی کیسی عجیب و غریب چیزیں ہیں۔ راسپوٹین کی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گڑی ہوئی تھیں اسے صرف دو ٹھنڈے، سکون بخش دل میں اترتے ہوئے شعلوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ یہ دیکھ کر زارینہ اور میریا انگشت بدنداں رہ گئیں کہ درد کی ٹیسوں سے نیم جان ایلکسی نے نہ صرف اپنے سکڑے ہوئے پیروں کو خود بخود پھیلا دیا ہے بلکہ وہ اپنے آپ تکیے کے سہارے اٹھ بیٹھا ہے اور اجنبی کی باتوں کو بغور سن رہا ہے۔ اس خیال سے کہ کہیں اس کی تکلیف میں اضافہ نہ ہو جائے زارینہ لپکی تاکہ اسے آرام سے لٹا دے لیکن ننھے نے منہ بنا کر کہا "ہٹ جاؤ ماما مجھے سننے دو" پھر وہ راسپوٹین کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر بولا "خدا کے لیے مجھے اور کچھ بتاؤ۔"

راسپوٹین مسکرایا۔ "ٹھیک ہے تمہیں اب کچھ نہ ہوگا۔ جب تک میں تمہارے پاس ہوں دنیا کی کوئی طاقت تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔" پھر وہ اسے مزید قصے سنانے لگا۔ پریوں، شہزادوں کے افسانے، بھوتوں، جانوروں، درختوں کے متعلق عجیب و غریب باتیں کہ وہ سنتے، سمجھتے ہیں۔ اور بولتے بھی ہیں۔ ان کی اپنی زبانیں ہوتی ہیں۔ جنہیں صرف وہی انسان سمجھتے ہیں جنہیں علم غیب ہوتا ہے

اس نے اپنے اصطبل کے گھوڑوں کا ذکر بھی کیا۔" دیکھا تا میریا" الیکسی نے آنا سے کہا۔"میں نہ کہتا تھا کہ جانور بھی بول سکتے ہیں۔ لیکن تم ہو کہ میری بات مانتی ہی نہیں" میریا نے جو خود بھی راسپوٹین کی باتوں میں کھو گئی تھی۔ جلدی سے ہاں میں سر ہلا دیا۔

" لیکن صرف آپ اور میں جانتے ہیں کہ جانور بول سکتے ہیں" الیکسی نے راسپوٹین سے کہا۔" اب مجھے وہ سب بتایئے جو گھوڑوں نے آپ سے کہا تھا"

"آج نہیں کل"۔ راسپوٹین نے اپنی آنکھیں اس کے چہرے سے ہٹائیں۔" اب بہت دیر ہو گئی ہے" الیکسی مچلنے لگا کہ نہیں آج ہی سنوں گا۔ بڑی مشکل سے زارینہ نے اسے یقین دلایا کہ فادر راسپوٹین ہر روز آتے رہیں گے۔ راسپوٹین نے بھی وعدہ کیا کہ وہ دوسرے روز پھر آئے گا اور اسی طرح آتا رہے گا۔ تاہم جب راسپوٹین چلنے لگا تو الیکسی نے چلا کر کہا" فادر کل ضرور آیئے۔ اگر آپ نہ آئے میں سوؤں گا نہیں" راسپوٹین نے مسکرا کر سر ہلایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ الیکسی ٹکٹکی باندھے بند دروازے کو دیکھتا رہا۔

" یہ کون تھا میریا؟" اس نے خلا میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

" یہ ایک اللہ والا ہے شہزادے" میریا خود بھی نہ جانے کس دنیا میں پہنچ گئی تھی۔" یہ تمہیں بالکل اچھا کر دے گا۔ اسے خداوند کریم نے خود ہی تمہارے پاپا اور ماما کے پاس بھیجا ہے"

کمرے سے باہر نکل کر زارینہ فرط جذبات سے مغلوب ہو کر رونے لگی۔ اس نے راسپوٹین کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور اسے چومنے اور سر آنکھوں سے لگانے

گی۔ راسپوٹین نے نرمی سے ہاتھ چھڑایا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگا "میری دعاؤں کی طاقت پر یقین رکھو تمہارا بیٹا بچ جائے گا"

اس کے بعد راسپوٹین روزانہ شاہی محل میں آنے لگا۔ ایلکسی اور اس میں دوستی دن بدن بڑھتی گئی۔ اسے آنے میں ذرا بھی دیر ہو جاتی تو ننھا بے چین ہو جاتا۔ ملازموں کو دوڑاتا کہ فادر راسپوٹین کو لے آئیں اور جب وہ آتا تو اس سے بے اختیار لپٹ جاتا۔ دونوں گھنٹوں باتیں کرتے۔ وہ چند ہی دنوں میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ ایک ایسے ہی موقعہ پر وہ دوڑتا ہوا باپ کے کمرے میں گیا اور چلا کر کہنے لگا "پاپا، پاپا نیا آدمی آگیا!" اس دن کے بعد راسپوٹین شاہی محل میں "نوی فیخ"—نیا آدمی کہلانے لگا حتیٰ کہ ایک مرتبہ زار نے اسے آٹو گراف دیا تو اس پر بھی اس کا یہی نام لکھا اس کے ساتھ ہی اسے "فادر گریگوری" کا مستقل خطاب بھی مل گیا۔ اکثر اوقات جب شاہی پادری فادر ویسلیف مذہبی رسوم ادا کر رہا ہوتا تو راسپوٹین بھی اس وقت موجود ہوتا۔ ملکہ شہزادیاں اور شہزادہ اس کے ساتھ کھڑے عبادت کرتے اور جب دعائیں ختم کر کے فادر ویسلیف ان کے سروں پر ہاتھ رکھتا تو اس وقت راسپوٹین ملکہ کی پیشانی کو بوسہ دیتا اور وہ بھی فادر ویسلیف کے بجائے اس کے ہاتھ چومتی اب تو یہ معمول ہو گیا کہ راسپوٹین خفیہ دروازے سے محل میں داخل ہوتا۔ بادشاہ اور ملکہ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچتا کبھی ان کی پیشانی اور کبھی شانوں کو بوسہ دیتا۔ وہ بھی اس کے سامنے اتنے مودب ہوتے جیسے زار نہیں راسپوٹین روس کا حکمران ہے۔ ننھا ایلکسی راسپوٹین کی گود میں بیٹھا رہتا۔ شاہی دربار کے ایک بااثر رکن کے کہنے کے مطابق راسپوٹین نے شاہی جوڑے کا دل جیت کر انہیں اپنے اعتماد میں لے

لیا تھا۔ وہ اس کی گرفت میں اتنے اُچکے تھے کہ ان کا مزاج اعادات، حرکات و کنات راسپوٹین کے مزاج پر منحصر تھے۔ وہ جب چاہتا انہیں ہنساتا اور جب چاہتا زار و قطار رونے پر مجبور کر دیتا۔ کبھی تو وہ انہیں بری طرح جھڑکتا اور اس کے بعد فوراً چھوٹے بچے قصے کہانیاں سنا کر ان کا دل بہلاتا۔ یہاں تک کہ اس سے ایک لمحہ جدائی بھی انہیں شاق گزرنے لگی۔ وہ نہ صرف زار اور ملکہ کا با اعتماد دوست بن چکا تھا بلکہ شہزادیاں بھی اپنا کوئی نہ کوئی راز اسے بتانے کے لیے منتظر رہتیں۔ دوسری نوجوان لڑکیوں کی طرح ان کے سینے بھی رازِ دل کے دفینے تھے۔ جن سے صرف راسپوٹین ہی آگاہ تھا۔ وہ ہر بات میں اس سے مشورہ کرتیں اور اس پر عمل کرتیں۔ جب راسپوٹین محل میں نہ آتا وہ خط لکھ کر مشورہ طلب کرتیں۔ زار کی سب سے بڑی لڑکی اولگا نے جو ایک فوجی افسر نکولائی کے دامِ محبت میں اسیر تھی ایک مرتبہ راسپوٹین کو لکھا: "میرے قابلِ احترام دوست۔ کتنے افسوس کا مقام ہے ایک عرصے سے آپ سے باریابی کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ میں شدت سے آپ کی ضرورت محسوس کر رہی ہوں۔ آپ کرسمس کہاں گزاریں گے؟ مجھے ضرور بتائیے آپ کا خط ملتے ہی میں خوشی کے مارے پاگل ہو جاتی ہوں آپ کو یاد ہے۔ آپ نے نکولائی کے بارے میں کیا کہا تھا؟ آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس مشورے پر عمل کرنا میرے لیے کتنا مشکل ہے۔ خدارا مجھے معاف کر دو۔ مجھے کوئی اور مشورہ دو۔ صرف آپ کی اولگا۔"

زار کی چوتھی لڑکی اناسٹیسیا نے ایک مرتبہ لکھا۔ میرے مخلص دوست میں آپ کو دیکھنے کے لیے تڑپ رہی ہوں۔ کل رات میں نے آپ کو خواب میں بھی

دیکھا تھا۔ میں ہمیشہ ماما سے پوچھتی رہتی ہوں کہ آپ کب آئیں گے۔ سال نو کے موقع
پر میری بہترین خواہشات آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کرے آپ ہمیشہ خوش وخرم
اور صحت مند رہیں۔ میرے عزیز میں ہر وقت آپ کے متعلق سوچتی رہتی ہوں۔ آپ
کتنے اچھے ہیں کوئی رات حضور کے تصور سے خالی نہیں جاتی۔ یہی امید میرے جینے
کے لیے کافی ہے کہ آپ ایک دن ضرور تشریف لائیں گے۔ ماما نے وعدہ کیا
ہے کہ وہ مجھے آپ سے آلیا کے گھر ملنے کا موقعہ دیں گی۔ ہمیشہ آپ کی اناسٹیسیا
ایسے کتنے ہی خطوط زار کی لڑکیوں نے راسپوٹین کو وقتاً فوقتاً لکھے تھے لیکن
ان سے زیادہ اس کا گرویدہ الیکسی تھا۔ اگر وہ کبھی بیمار پڑتا تو محض راسپوٹین کو
ٹیلی فون کر لینے ہی سے تندرست ہو جاتا۔ ایسے موقعوں پہ اس کی کوئی بہن یا ماں راسپوٹین
کو فون کرتی اور ریسیور ننھے شہزادے کے ہاتھ میں دے دیتی۔ دوسری طرف
سے راسپوٹین کی آواز کیا سنائی دیتی الیکسی کی بیماری فوراً دور ہو جاتی۔ ایسا ہی
ایک منظر راسپوٹین کی ایک ملاقاتی عورت نے دیکھا تھا۔ ایک دن وہ اس کے
پاس بیٹھی تھی کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ راسپوٹین نے اٹھ کر ریسیور اٹھایا۔ "ہیں
کیا ہوا ہے" وہ چلایا "الیکسی ابھی تک سویا نہیں؟ اسے فون پہ بھیج دو"۔ اس نے کمرے
میں موجود لوگوں کو ہاتھ سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کہنے لگا "الیکسی کیا
بات ہے بیٹے! تم سوتے کیوں نہیں ہو؟ جاکر فوراً سو جاؤ۔ نہیں تمہارے
کان میں کوئی درد ورد نہیں ہے۔ سمجھے؟ ہاں جاکر سو جاؤ۔ شاتم نے؟" اس نے
تمکنانہ کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد پھر گھنٹی بجی اور کسی نے محل سے
بتایا کہ الیکسی گہری نیند سو رہا ہے۔

راسپوٹین کی محل میں آمد و رفت دیر تک چھپی نہ رہ سکی۔ زار چاہتا تھا کہ یہ راز کسی پر نہ کھلے۔ لیکن خفیہ پولیس اس راز کی تہہ تک پہنچ گئی۔ اسے عقبی خفیہ راستے کا علم ہو گیا تھا۔ جنرل اسپریڈ درج کے ایجنٹوں نے راسپوٹین کی آمد کی مکمل اور تفصیلی رپورٹ اسے پہنچا دی۔ بات دربار تک پہنچی اور راسپوٹین کے خلاف ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ محل سے اس کا اثر و رسوخ کم کرنے اور اس کے قدم اکھیڑنے کے لئے نئی نئی ترکیبیں، ہتھکنڈے اور سازشیں سوچی جانے لگیں۔ دربار کا ہر چھوٹا بڑا رکن اس سے خائف تھا۔ وہ ان کا مشترکہ دشمن بن چکا تھا۔ تاہم کسی کی ہمت نہ تھی کہ اس پر کھل کر حملہ کرے۔ نفرت اور غصے کی بھٹی اندر ہی اندر دہک رہی تھی البتہ شہزادیوں کی آنا نے دبے دبے الفاظ میں ایک بات کی طرف اشارہ ضرور کیا۔ راسپوٹین کی عادت بن چکی تھی کہ وہ محل سے رخصت ہوتے وقت رات گئے ان کی خوابگاہوں میں جاتا اور انہیں دعائیں دیتا۔ آنا نے جب اسے دو چار مرتبہ لڑکیوں سے ناشائستہ حرکتیں کرتے دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ وہ راسپوٹین کو رات کے وقت شہزادیوں کے کمرے میں جانے سے منع کر دے شہزادے کے اتالیق موسیو جیلیرڈ کو بھی راسپوٹین پسند نہ تھا۔ اس نے بار بار کوشش کی کہ بادشاہ اور ملکہ کو راسپوٹین کی طرف سے برگشتہ کرے لیکن ایسا لگتا تھا کہ بادشاہ ملکہ اور شہزادیوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنیں گے۔

اس کے باوجود راسپوٹین کے متعلق چہ میگوئیاں تیزی سے پھیلتی جا رہی تھیں عورتیں اپنی نجی محفلوں میں بڑے وثوق سے کہتی تھیں کہ شاہی محل میں آمد کے چند

روز بعد ہی راسپوٹین نے ایلکسی کی اناعیسریا کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا یا اور جب اس نے ملکہ سے شکایت کی تو پہلے اسے جھوٹا بنایا گیا پھر دولت سے اس کا منہ بند کردیا گیا۔ اور یہ خبریں بھی پھیلنے لگیں کہ ملکہ راسپوٹین جیسے بے مایہ دیہاتی کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے قمیض سیتی ہے۔ یہ افواہیں حقیقت پر مبنی تھیں۔ بعد میں زار اور ملکہ نے خود اس کا اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ اپنے اس عمل پر فخر کا اظہار بھی کیا۔

اب راسپوٹین اور نیپالی ڈاکٹر بیڈمیو کی گاڑھی چھننے لگی تھی، جس نے ایک اور افواہ کو رنگ دیا وہ یہ کہ راسپوٹین نے ننھے ایلکسی کو کسی روحانیت کے ذریعے نہیں بلکہ ڈاکٹر بیڈمیو کی دواؤں کے ذریعے صحت یاب کیا تھا۔ کہنے والے کہتے تھے کہ ڈاکٹر بچے کی تازہ بتازہ حالت سے راسپوٹین کو آگاہ رکھتا تھا اور جب وہ تندرست ہونے لگا تو راسپوٹین نے فوراً محل میں پہنچ کر دعائیں مانگنی شروع کردیں تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی دعاؤں نے اثر دکھایا ہے۔ ان افواہوں کو پھیلانے میں شاہ کا ایڈی کانگ ایڈمرل نیلوف پیش پیش تھا، لیکن جب شاہ نے اس سے ان کا ثبوت طلب کیا تو اس نے پینترہ بدل کر فوراً راسپوٹین سے دوستی کر لی۔ دوسرے ایڈی کانگ زیبلن، لومان، پرنس پوٹیاٹین، مالٹسیف وغیرہ اندر ہی اندر راسپوٹین کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے خائف تھے۔ لیکن بظاہر وہ سب اس سے خوشگوار تعلقات رکھتے تھے۔ ان میں کیپٹن لومان اور کیپٹن مالٹسیف بہت کامیاب تھے۔ وہ بعد میں ملکہ اور راسپوٹین کے مابین باقاعدہ کڑی بن گئے تھے۔ ماسٹر آف دی ہارس، بیرن ووخوف ان تمام لوگوں کو برملا بیوقوف کہتا جو راسپوٹین کی مخالفت کر رہے تھے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اگر راسپوٹین رشوت لیتا، شراب پیتا، اعلیٰ خاندان سے لے

کر محل میں ملازم عورتوں تک سے "لطف" اٹھاتا تھا۔ تو دوسرے بھی اس کے ذریعے اپنا الو سیدھا کرتے تھے۔ پھر اس کی مخالفت کا جواز کہاں تھا۔ بیرونیس روزن اور اس کی خوب صورت سہیلی شہزادی ڈو لگورکی اس کھیل میں خاص طور پر ماہر تھیں۔ ان کے گھروں میں ہر وقت ان عورتوں کا جمگھٹا رہتا جو راسپوٹین کا قرب حاصل کرنے کے لیے بے چین رہتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیرونیس کا گھر راسپوٹین کا خاص اڈہ بن گیا۔ جہاں وہ جام پر جام لنڈھاتا اور داد عیش دیتا ہوا دربار میں ہونے والے تمام واقعات اور محل کے تمام راز بلا کم و کاست سناتا رہتا۔ بیرونیس کے عیش کدے سے کاؤنٹیس اگنیٹیف کا ملاقاتی کمرہ زیادہ دور نہ تھا۔ اور دراصل یہی وہ جگہ تھی۔ جہاں سے راسپوٹین کے مقدر کا ستارہ چمکا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ راسپوٹین کا محل اور شاہی خاندان سے تعلق اگنیٹیف کے کمرے کا مرہون منت تھا اس کمرے میں بڑے بڑے سیاستدان راسپوٹین کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے لگے تھے۔ اعلیٰ خاندان کی خواتین اور نوخیز لڑکیاں اسے دیکھتے ہی اس کی گرویدہ ہو جاتی تھیں۔ جہاں اسے مسیح نو، اور نجات دہندہ کا رتبہ بخشا گیا۔ کاؤنٹیس اگنیٹیف ہی تھی جس نے راسپوٹین کو اناستا سے غائبانہ طور پر متعارف کرایا تھا اور یہ اناستا ہی تھی جس کی چرب زبانی راسپوٹین کو شاہی محل تک لے گئی تھی۔ اس لیے اگنیٹیف سے بیرونیس روزن کے ہاں عیش و طرب کا یہ منظر دیکھا نہ جاتا تھا۔ وہ رو رو کر پچھتاتی تھی کہ اس نے اناستا کے سامنے راسپوٹین کا تذکرہ کیا ہی کیوں تھا۔

نہ جانے زارینہ کا اپنا جی چاہا یا راسپوٹین نے اس کے دل میں بات ڈالی کہ اس نے راسپوٹین کے گھر والوں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ ہر دو خوف کا خیال

تھا کہ ملکہ نے انگشت نمائی سے بچنے کے لیے راسپوٹین کے ایما پر یہ پروگرام بنایا تھا۔ راسپوٹین کی بڑی لڑکی میٹر یونا نے ایتھنا کے گھر اس کی پہلی ملاقات کا تذکرہ بڑے مزے سے کیا ہے "ہم شاہی گاڑی میں مادام یروبووا کے ہاں پہنچے میرا دل مسرت اور اضطراب سے بلیوں اچھل رہا تھا۔ ملکہ ابھی آئی نہیں تھی۔ اور ہم گداز صوفوں میں دھنسے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ جس کمرے میں ہم بیٹھے تھے وہ ملاقاتیوں کا تھا اور خوب سجا ہوا تھا۔ دیواروں پر بیش قیمت تصاویر اور نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ ہر شے سے رئیسانہ ٹھاٹھ ٹپکتا تھا۔ پھر صدر دروازے کی گھنٹی بجی اور خواتین کے بھاری بھرکم کپڑوں کی سرسراہٹ سنائی دی۔ مادام یروبووا کے خدمت گار برجک نے دروازہ کھولا اور ملکہ اپنی لڑکیوں کے ہمراہ اندر آئی۔ اس نے مسکرا کر ہمیں دیکھا اور ہم نے ادب سے اس کے ہاتھوں کے بوسے لیے۔ وہ بیٹھ گئی اور ہمیں بھی بیٹھ جانے کو کہا۔ بڑی لڑکی مجھ سے اور ویریا سے تقریباً لپٹ گئی اور اس نے ہم سے بیسیوں سوالات کر ڈالے۔ تمہاری عمر کتنی ہے؟ تم کیا کرتی رہتی ہو؟ اسکول کو کتنا پسند کرتی ہو؟ میرے اور ویریا کے لیے سوالات کی اس بوچھاڑ سے نبٹنا مشکل ہو گیا۔ اس دوران ملکہ میری والدہ سے باتیں کرتی رہی۔ وہ کبھی کبھار آنکھ اٹھا کر میری طرف بھی دیکھ لیتی۔ میرے دل میں اس سے بات کرنے کی زبردست خواہش انگڑائی لے رہی تھی بالآخر دل کڑا کر کے اس سے ایک سوال پوچھ ہی لیا۔ ماما (ہم ملکہ کو ماما کہتے ہیں کیونکہ ہمارے خیال کے مطابق وہ سارے روس کی ماں ہے) آپ کے ہاں تو بہت سے نوکر ہیں؟

یہ سن کر وہ ہنس پڑی "ہاں میری جان" اس نے پیار سے کہا۔

اسی طرح راسپوٹین کے گھر والوں اور ملکہ کے مابین متواتر کئی ملاقاتیں ہوئیں اور دونوں گھروں میں دوستانہ تعلقات مستحکم ہو گئے۔ نہ جانے اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ بہر حال راسپوٹین کی شاہی محل میں بلا روک ٹوک آمد و رفت کے خلاف چہ مگوئیاں کرنے والوں پر اوس پڑ گئی۔

اب تو راسپوٹین کے اقتدار اور طاقت کا دائرہ شاہی خاندان سے پھیل کر وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ پہلے پہل تو اس خیال سے کہ کہیں زار برا نہ مان جائے وہ امور سلطنت میں دامن بچا کر دخل دیتا تھا۔ لیکن اب وہ سیاسی پالیسیوں، ملکی انتظام، فوجی امور اور کلیسا کے معاملات میں کھلم کھلا اپنی ناک ڈبونے لگا۔ جب ۱۹۱۱ء میں توبولسک میں بشپ کی جگہ خالی ہوئی تو اس نے کلیسا کی انتظامیہ کے احتجاج کے باوجود زار کو نرے بدھو اور غیر تعلیم یافتہ ورنادا کو اس عہدے پر تعینات کرنے پر آمادہ کر لیا وہ خانقاہ کے مالی کا لڑکا تھا اور کسی زمانے میں راسپوٹین کا دوست رہ چکا تھا۔ ایک معمولی مالی کے لڑکے کو بشپ کے عہدے پر متمکن کرانے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ ایک تو وہ اس کے ہاتھ میں رہے گا، دوسرے وہ کلیسا کی انتظامیہ کے تعلیم یافتہ شہزادوں کو نیچا دکھانا چاہتا تھا۔ اس قسم کے کاموں سے اس کی انا کی تسکین ہوتی تھی۔ ان ہی حرکتوں کی وجہ سے "بلیک ویمن" کے اراکین جنہوں نے کسی زمانے میں اپنے سیاسی اور مذہبی مقاصد کی تکمیل کے لیے راسپوٹین کی پشت پناہی کی تھی اس سے نہ صرف برگشتہ ہو گئے۔ بلکہ اسے اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ تصور کرنے لگے، لیکن اب وہ بر سر عام ان کی دھجیاں اڑاتا اور وہ پیچ و تاب کھا کر رہ جاتے

اپنی خفت مٹانے کے لیے وہ ایک دوسرے سے کہتے رہتے: "بنا ہے شاہ کا مصاحب پھرسے ہے اترا تا ہے لیکن اس کے منہ پہ، یا بر ملا کسی کی جرأت نہ ہوتی کہ شاہ کے اس مصاحب کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ پارٹی کے لوگ محض سیاسی مقاصد کے لیے روسی عوام، کا نعرہ لگاتے تھے۔ لیکن عملی طور پر وہ نہیں چاہتے تھے کہ عام اور متوسط طبقے کو ملکی امور میں کوئی نمائندگی ملے۔ اس کے برعکس راسپوٹین پارٹی کے کھلے اجلاسوں میں ان کی کھلی وکالت کرتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ عوام اور سیدھے سادے دیہاتی سیاست میں ناقابل اعتماد عناصر ہیں اور بآسانی بغاوت اور غداری پہ آمادہ کئے جا سکتے ہیں تو اس کی ذمہ داری ان لوگوں پہ ہے جو انہیں تاریکی میں رکھتے ہیں۔ وہ چلا چلا کر کہتا: "ذرا ملک کے حالات کو دیکھو، ہسپتال ہیں نہ اسکول، البتہ قمار خانے اور قحبہ خانے عام ہیں۔ جہاں ہم سیدھے سادے دیہاتیوں کی زندگی میں زہر گھولا جاتا ہے۔ ہمیں بدنام کرنے کی بجائے اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھو۔ لیکن تمہیں تو دوسروں کی آنکھ کا تنکا نظر آجاتا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں۔"

اس قسم کی نفرت انگیز تقریروں کا یہ اثر ہونے لگا کہ جن لوگوں نے راسپوٹین کو یہ مقام بخشا تھا کہ وہ ان کے منہ پہ انہیں گالیاں دے، وہ اس کی جڑیں اکھاڑنے کی سوچنے لگے۔ انہوں نے اس کے مخالف امراء اور شاہی خاندان کے بعض افراد سے مل کر ساز باز کرنی شروع کی اور اس کی اوباشیوں کے متعلق افواہوں کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت پھیلانے لگے۔ ان کی بیگمات کا یہ وطیرہ ہو گیا کہ جب کبھی زارینہ سے ملنے جاتیں۔ راسپوٹین کے خلاف کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ

دیتیں۔ لیکن جب وہ ملکہ کا ردعمل دیکھتیں تو انہیں سخت مایوسی ہوتی۔ جب اس سے یہ کہا جاتا کہ راسپوٹین نے بھری محفل میں ایک عورت کا بوسہ لیا اور پردے کے پیچھے کسی نوخیز لڑکی سے ناشائستہ حرکات کی ہیں تو ملکہ بڑے اطمینان سے ان برادرانہ بوسوں کا حوالہ دیتی جو مسیحؑ ابن مریمؑ کے حواری اپنی پیروکار عورتوں کو دیتے تھے۔ وہ اس کے جنسی اختلاط کو، ابلیس کی ترغیب کے خلاف جدوجہد سے تعبیر کرتی، بلکہ بسا اوقات تو کمال سادگی سے کہتی "دیکھا! جب فادر راسپوٹین جیسا برگزیدہ بزرگ اور ولی دنیا کی لذائذ کے دام میں پھنس سکتا ہے تو ہما شما کس گنتی میں ہیں۔ خدا ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے تو یہ سب کچھ دکھاتا ہے۔" بیچاری عورتیں اپنا سا منہ لے کر رہ جاتیں۔

زارینہ کی طرف سے ناامید ہو کر ٹرو رشین پیپل والوں نے زار کا رخ کیا دربار میں راسپوٹین کے مخالفوں کی خاصی تعداد پہلے ہی موجود تھی۔ امراء اور وزراء بھی دل ہی دل میں اس سے خائف تھے۔ منزل سامنے تھی، لیکن راستہ دشوار تھا۔ ترکیب پر ترکیب لڑائی جانے لگی اور داؤ پر داؤ کھیلا جانے لگا۔ انہیں ایک با اثر اور مضبوط شخصیت کو اپنا ہم خیال بنانے کا موقعہ مل گیا۔ وزیر اعظم کوکووتسوف اندر ہی اندر راسپوٹین کے خلاف سلگ رہا تھا۔ لیکن کھل کر سامنے آنے کی ہمت اس میں بھی نہ تھی۔ پارٹی والوں نے اسے اپنی مکمل حمایت اور مدد کا یقین دلایا اور اسے آمادہ کر لیا کہ زار کو راسپوٹین کی اصلیت سے آگاہ کرے اور اسے سمجھائے کہ جس سانپ کو وہ آستین میں پال رہا ہے وہ سب سے پہلے اسی کو ڈسے گا۔ سابق وزیر اعظم اسٹولپین نے بھی زار کو راسپوٹین کے متعلق کچھ

بتاتے کی جسارت کی تھی لیکن اس کی بے اعتنائی سے دل برداشتہ ہو کر وہ چپ ہو رہا تھا اور اسی جسارت کی بنا پر زار نے وزارت عظمیٰ کا قلمدان اس سے چھین کر کوکودتسوف کے سپرد کر دیا تھا۔ کوکودتسوف اس رازِ درون پردہ سے بے خبر تھا۔ اس نے پہلے تو راسپوٹین کو سیم و زر سے خریدنے کی کوشش کی۔ اس نے اسے دو لاکھ روبل کی پیشکش اس شرط کے ساتھ کی کہ وہ فوراً پوکروسکو چلا جائے لیکن یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ معمولی باتوں کے لیے رشوتیں طلب کرنے اور زار تک رسائی کے لیے اپنا کمیشن طے کرنے والے راسپوٹین نے اس خطیر رقم کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ اگر "پاپا" (زار) حکم دے تو وہ فوراً اپنا بوریا بستر سمیت لے گا لیکن کوئی بڑی سے بڑی تحریص اور ترغیب، اسے شاہی خاندان سے قطع تعلق پر مجبور نہیں کر سکتی۔ اس جواب سے کوکودتسوف جیسا شاطر سیاستدان بھی غچہ کھا گیا اب اس نے جان پر کھیل کر اس کا پتہ صاف کرنے کی ٹھانی کیونکہ راسپوٹین کے دو ٹوک جواب سے اسے نہ صرف اپنا مستقبل تاریک نظر آتا تھا بلکہ زار کے عتاب کی تلوار بھی سر پر لٹکتی نظر آنے لگی تھی۔

ایک دن اس نے ڈرتے ڈرتے زار کے سامنے نپے تلے الفاظ میں لب کشائی کی اس نے اسے بتانا چاہا کہ ملک کے طول و عرض میں راسپوٹین کے متعلق یہ تاثر عام ہے کہ وہ کوئی روحانی بزرگ نہیں بلکہ ایک معمولی بہروپیا ہے لیکن زار نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

"تو جو کچھ اخبارات لکھتے ہیں تم بھی اسے اہمیت دیتے ہو؟"

"جی ہاں یور میجسٹی! میں اخباری اطلاعات پر پوری توجہ دیتا ہوں خصوصاً اس وقت جب کسی بات میں آپ کی ذات ملوث کی جاتی ہے۔ لیکن اس معاملے میں تو ہمارے سب سے زیادہ وفادار اور شاہ پرست اخبارات بھی خاموش نہیں ہیں" وزیرِ اعظم نے جواب دیا۔ اس سے اس کا مقصد اپنی خدمات اور شاہ پرستی جتانا تھا لیکن زار نے یہ کہہ کر قصہ ختم کر دیا: "یہ نقاد بے وقوف ہیں۔ میں راسپوٹین کو خوب جانتا ہوں!"

کوکو دتسوف منہ لٹکا کر رہ گیا۔ لیکن اس نے سیاست سے کام لیا، "یور میجسٹی یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ وہ ایسا آدمی نہیں ہے لیکن بدخواہوں کی زبان کو کون پکڑ سکتا ہے؟ بات کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو اگر زبان زدِ خاص و عام ہو جائے تو اسے بآسانی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً جبکہ ملکہ اور شہزادیوں کی ذات والا گرامی ....." "اچھا اچھا میں خود اس معاملے سے نبٹ لوں گا تم فکر نہ کرو" کوکو دتسوف نے زار کے ماتھے پہ ابھری ہوئی شکنیں دیکھ کر خاموشی میں مصلحت دیکھی وہ پچھتانے لگا کہ ملکہ اور شہزادیوں کا تذکرہ کیا ہی کیوں! زار اتنی بڑی گستاخی کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اسے اپنا حشر برا منظر آنے لگا اور وہ پیش آنے والے واقعات کا انتظار کرتا رہا۔

لیکن اس کا خدشہ غلط نکلا زار کی عقل لاکھ ماری گئی تھی تاہم اسے کوکو دتسوف کے خلوص اور وفاداری پہ شک نہ تھا۔ اس نے دل کڑا کر کے راسپوٹین کو چند دنوں کے لیے دارالحکومت سے باہر بھیج دینے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے زارینہ سے بھی مشورہ کیا۔ پہلے تو وہ خاموش رہی پھر کہنے لگی "آپ کچھ نہ کہیں، کہیں وہ

ناراض نہ ہو جائے اور ہم پر خدا کا عتاب نازل ہو میں اسے سمجھا دوں گی" اور پھر اس نے راسپوٹین کو "کچھ اس طرح سمجھایا" کہ وہ اپنے ذاتی کاموں میں بے حد "مصروف" ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اس کی محل میں آمد و رفت بالکل بند ہو گئی، لیکن زارینہ سے ملنے میں کوئی کمی نہیں ہوئی کیونکہ ملکہ کے "سمجھانے" کے مطابق ان کی ملاقاتیں ایناپروبودا کے گھر ہونے لگی تھیں۔ ان ملاقاتوں کا علم آینیا کے سوا کسی کو نہ تھا۔ حتیٰ کہ خود زار کو بھی خبر نہ تھی۔

امراء وزراء کی مخالفت، اپنی پارٹی والوں کی ریشہ دوانیوں اور زار کے بدلے ہوئے تیور سے راسپوٹین بے خبر نہ تھا۔ اسے اپنا مستقبل خطرے میں نظر آنے لگا۔ آخر اس کے مکار ذہن نے ایک اور ترکیب سوچ لی۔ اس نے دفعتاً اعلان کر دیا کہ "بدقماش اور بدکردار لوگوں نے اس کے تقدس اور زہد کے دامن کو میلا کر دیا ہے۔ لہٰذا وہ اسے ایک مرتبہ پھر رہبانیت کے پاکیزہ اور شفاف سمندر میں دھونے جائے گا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی سیلانیوں والی لاٹھی تھامی اور گُدڑیوں کا تھیلا پشت پر رکھا اور گھر سے نکل گیا۔ اس نے مشرقی ممالک قسطنطنیہ، بیت المقدس اور اطالیہ کے مقامات مقدسہ کا رخ کیا۔ اس کے اس اعلان سے زار اور زارینہ دونوں کے دلوں پر گہرا اثر ہوا۔ زارینہ خاص طور پر خود کو راسپوٹین کی زہد شکنی کا سبب سمجھتی تھی۔ جب وہ راسپوٹین کی "انسانی کمزوریوں" کو دیکھتی تھی تو دل ہی دل میں کڑھتی تھی اب جبکہ اس نے اپنے گناہ آلود دامن کو دھونے کی ٹھانی تو زارینہ کو بڑا سکون نصیب ہوا۔ اس نے فخریہ کہا "آخر وہ قابلِ احترام بزرگ ابلیس کو شکست دینے میں کامیاب ہو ہی گیا۔"

لیکن جب وہ الوداعی ملاقات کے لیے محل میں آیا تو زارینہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی:" ہم تم سے کس طرح جدا رہ سکیں گے تمہارے سوا ہمارا محافظ ہمارا دوست کون ہے؟" اور راسپوٹین بادشاہ اور ملکہ کو یہ کہتا ہوا چلا گیا:" مجھے معلوم ہے کہ ابلیس کے گماشتے مجھے تم سے جدا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، لیکن ان کی ایک نہ سنو۔ اگر میں تم سے جدا ہو گیا تو چھ ماہ کے اندر اندر نہ صرف تم اپنا بیٹا کھو بیٹھو گے بلکہ تخت و تاج بھی تم سے چھن جائے گا۔" اس پیشگوئی نے زار کو حواس باختہ کر دیا اور زارینہ تو غش کھا کر گر پڑی۔

چھ ماہ سے کم عرصے ہی میں راسپوٹین کی ایک پیشگوئی پوری ہوتی نظر آنے لگی۔ خزاں کا موسم تھا اور زار حسب سابق پولینڈ کے قصبے اسکیرنیوس میں شکار کے لیے گیا ہوا تھا۔ بیوی بچے اس کے ساتھ تھے ایک دن ننھا الیکسی کشتی کی سیر کو گیا۔ واپسی پر کنارے پہنچتے پہنچتے اس کا پیر پھسلا اور وہ گر پڑا۔ ساتھ ہی گھٹنے کا جوڑ کھل گیا۔ اسے بے ہوشی کے عالم میں تنگی سے علاج کے لیے قصبے میں لے جایا جانے لگا تو گاڑی کے ہچکولوں نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ ڈاکٹروں نے پورا زور لگایا لیکن پاؤں کی سوجن بڑھتی ہی گئی۔ اور بخار تھا کہ اترنے کا نام نہ لیتا تھا۔ ساتھ ہی خون میں زہر مل جانے کے آثار بھی نظر آنے لگے۔ ہر تدبیر الٹی پڑ رہی تھی، ہر دوا مریض کو موت کے قریب لے جاتی نظر آتی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے بے سدھ پڑا تھا۔

ملک کے طول و عرض میں دن رات دعائیں مانگی جانے لگیں۔ خود ملکہ شبیہ مسیح اور صلیب کے سامنے دو زانو روتی گڑگڑاتی رہتی تھی، یا بیمار بچے کے سرہانے

آنسو بہاتی رہتی تھی۔ زار بھی سب کام کاج چھوڑ کر اسی کمرے میں بیٹھا رہتا۔ ایک دن معاً ملکہ کے منہ سے نکل گیا "کاش۔ فادر راسپوٹین آجاتا۔" یہ سننا تھا کہ بے ہوش بچے نے یکایک آنکھیں کھول دیں اور پہلی مرتبہ اس کے منہ سے نکلا "فادر۔ فادر راسپوٹین!" زارینہ فوراً اٹھی اور اس نے کسی کو بتائے بغیر اپنی سہیلی اینیا سے راسپوٹین کو ٹیلیگرام دینے کو کہا کہ وہ بچے کے لیے دعا کرے۔ وہ اس عرصے میں مقامات مقدسہ کی زیارت سے واپس آچکا تھا اور اب پوکرو وسکو میں مقیم تھا۔ خلاف توقع اسی رات اس کا جواب آیا۔ اس رات زارینہ کئی دنوں بعد پہلی مرتبہ میٹھی نیند سوئی۔

اگلی صبح شاہی خاندان کے تمام افراد اور امراء بہ چشم نم بڑے کمرے میں جمع تھے کہ زارینہ مسکراتی ہوئی آئی اور کہا کہ گو تمام ڈاکٹر نا امید ہو چکے ہیں تاہم وہ خدا کی ذات سے مایوس نہیں ہے۔ کیونکہ فادر راسپوٹین کا ٹیلیگرام آیا ہے۔ پھر اس نے بلند آواز سے ٹیلیگرام پڑھ کر سنایا "خدا نے تمہارے آنسوؤں اور دعاؤں کو بہ نظر کرم دیکھا ہے۔ نا امید نہ ہو۔ تمہارا بچہ زندہ رہے گا۔ البتہ ڈاکٹروں سے کہہ دو کہ اسے پریشان نہ کریں۔" اس کے بعد وہ بھاگ کر بچے کے پاس گئی اور اسے ٹیلیگرام دکھایا۔ بچے کا مرجھایا ہوا چہرہ گلاب کی طرح کھل گیا۔ چند ہی گھنٹوں بعد اس کا بخار بھی اتر گیا اور درد بھی جاتا رہا۔

کچھ دن بعد شاہی خاندان زارسکو سیلو چلا گیا۔ الیکسی اب پھر بھاگنے دوڑنے لگا۔ زارینہ نے اب زور دینا شروع کیا کہ راسپوٹین کو پھر محل میں بلا لیا جائے کیونکہ ولی عہد کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھنے کے لیے

اس کا وجود ناگزیر ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو راسپوٹین کی پیشگوئی پوری ہوتے دیر نہ لگے گی۔ سنداد نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کیا تاہم وہ ایلکسی کا حشر دیکھ چکا تھا۔ اور سنجیدگی سے زارینہ کے اصرار پر غور کر رہا تھا۔

۶

زارینہ اپنے کمرے میں بیٹھی کاغذات کے اس پلندے کو الٹ پلٹ کر رہی تھی جو نادر راسپوٹین نے بھیجے تھے۔ اس کے پاس ہی اینیا بیٹھی تھی۔ یہ وہ یادداشتیں تھیں جو راسپوٹین نے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے دوران لکھی تھیں یہ مقدس جواہر پارے، سستی کاپیوں کے اوراق اور چھوٹے بڑے سائز کے کاغذات پر موٹے موٹے بھدے خط میں لکھے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جو کاغذ اس کے ہاتھ لگا اس نے اس پہ لکھ مارا۔ سطریں بھی ٹیڑھی میڑھی۔ کوئی لمبی، کوئی چھوٹی، گویا الفاظ اور سطریں اِدھر اُدھر سے اٹھا کر کاغذ پہ چپکا دی گئی تھیں۔ کاغذوں کا یہ حال تھا کہ کسی پہ سیاہی کے بڑے بڑے دھبے تھے

تو کوئی تیل میں نچڑا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ کوئی کناروں سے پھٹا ہوا تھا، تو کسی پر بیسیوں شکنیں پڑی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ راسپوٹین ان یادداشتوں کو لکھ لکھ کر اپنے روٹی کے تھیلے میں رکھ دیا کرتا تھا۔ جس میں روٹیوں کے علاوہ روزمرّہ کے استعمال کی دوسری چیزیں بھی ہوا کرتی تھیں۔

زارینہ ان کاغذات کو یوں احترام اور تعظیم سے پھیلائے ہوئے بیٹھی تھی جیسے وہ کسی صحیفہ ربانی کے منتشر اوراق ہوں وہ انہیں پڑھتی، اگر سمجھ میں نہ آتا تو دوبارہ سہ بارہ پڑھتی۔ پھر خود ہی مفہوم کو بیش قیمت کاغذ پر ہیرے سے مزّین سونے کے قلم سے خوبصورت تحریر میں لکھتی اور اپنے زرّیں البم میں محفوظ کر تی جاتی۔ اسے املا اور صرف و نحو کی ان گنت غلطیاں درست کرنی پڑتیں۔ جملے کے جملے بدلنے پڑتے اور نامناسب الفاظ کو کاٹنا پڑتا ہے، وہ اپنی خوش نصیبی پر ناز کر رہی تھی۔ گویا وہ اپنی زندگی کا عظیم ترین کارنامہ انجام دے رہی تھی جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم تھا۔ اس کے نزدیک یہ لمحات اپنی ساری شاہی زندگی سے زیادہ قیمتی بلکہ انمول تھے۔ وہ محسوس کر رہی تھی گویا خدا کی وحی کو سینۂ قرطاس پہ منتقل کر رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کے لئے سرمایہ افتخار اور کیا ہو سکتا تھا۔ وہ نادر راسپوٹین کی تحریروں کو پڑھنے، درست کرنے اور لکھنے والی روئے زمین پر سب سے پہلی ہستی تھی۔

ان یادداشتوں میں راسپوٹین نے تفصیل سے اپنے سفر کا حال لکھا تھا۔ اس دوران جو مشاہدات اور تجربات حاصل ہوئے۔ انہیں صرف و نحو سے بے نیاز اور املا کی غلطیوں سے پر الفاظ میں قلم بند کیا تھا۔ کہیں وہ عرفان اور وجدانیت سے

معمور نظر آتا۔ کہیں ایک عام گھٹیا "سیلانی" کے روپ میں جس کی دنیاوی ضروریات روحانی اقدار سے محروم ہوں۔ بعض مقامات پر جنسی ترغیب کے "شہ پارے" قاری کو "مائل بہ عمل" کرتے اور "دعوتِ خاص و عام" دیتے نظر آتے جنہیں خلائسٹی فرقے کے مخصوص عقیدے اور طرزِ فکر میں ڈھال کر پیش کیا گیا تھا۔ بیت المقدس کا تذکرہ کرتے وقت فوق البشریت کا لبادہ بڑی احتیاط اور خوبصورتی سے اوڑھا گیا تھا اور تقدس، زہد اور روحانیت کی سطح کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا تھا۔ جس سے قلب پر وجدان طاری ہو جاتا۔ قسطنطنیہ پہنچ کر "پیغمبرِ وقت" کو نجات بذریعہ گناہ کا فلسفہ شدت سے یاد آ گیا اور بعض ایسے جملے قلم سے نکل گئے جنہیں زارینہ کو بڑی چابکدستی سے روحانیت کا جامہ پہنانا پڑا۔ مشرقی ممالک کے حالات لکھتے وقت راسپوٹین کے پیشِ نظر افلاس، غربت، نکبت اور زمین کا مسئلہ ہی رہا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر اس نے اپنے سیاسی نقطہ نظر اور عزائم کا برملا اظہار کیا تھا۔ ان جملوں کو زارینہ نے بعینہ رہنے دیا کیونکہ ان سے انسان دوستی جھلکتی تھی اور عظمت آدم کی افادیت مترشح ہوتی تھی۔ گویا راسپوٹین کی یادداشت ایک سفر کی داستان نہ تھی بلکہ اس وقت کی بین الاقوامی سیاسی، معاشرتی، معاشی زندگی کی تصویر اور مسیحیت کی تعلیم، اشاعت اور تلقین کی کہ ایک نادار اور نامکمل دستاویز تھی یا کم از کم بنا دی گئی تھی۔ جب روس کے خونیں انقلاب نے زار کو تخت و تاج سے دستبرداری اور جلا وطنی پر مجبور کر دیا اور شاہی خاندان بے سر و سامانی کی حالت میں ملک بدر ہونے پر مجبور ہو گیا تو زارینہ کی متاعِ عزیز یہی اوراقِ پارینہ تھے جنہیں سینہ سے لگائے وہ جہاز پر سوار ہوئی تھی۔ اگر امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں یہ

اوراق محفوظ رہتے تو راسپوٹین کے افکار کے ساتھ زار روس نکولائی دوم کی ملکہ زارینہ الیگزینڈرا کا نام بھی تاریخ کے صفحات پہ جاوداں رہتا لیکن نہ تو "مسیح نو" کے مقدر میں یہ تھا نہ اس کی پرستار اتنی خوش قسمت تھی۔ راسپوٹین نے دوران سفر کیا کچھ دیکھا اور اسے کس طرح قلم بند کیا۔ اسے جاننے کے بجائے زارینہ کی ذہانت علمی استعداد اور راسپوٹین سے اس کی عقیدت کا اظہار زیادہ آسان ہے کیونکہ دونوں کا ماضی اور حال کھلی کتاب ہے۔

راسپوٹین نے اپنے ان گراں مایہ افکار کا خزینہ ملکہ کو اس خوش فہمی سے سونپا تھا کہ ان کی نمایاں تشہیر کا بہترین اور واحد ذریعہ وہی نظر آتی تھی، لیکن اس کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ زارینہ نے تو اپنا فرض پورا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی، لیکن اس کی زبردست خواہش کے باوجود "فرمودہ فادر راسپوٹین"، صحیفہ ربانی تو کجا ایک سفرنامہ کی حیثیت سے بھی دنیا سے روشناس نہ ہو سکا وطن اور تاریخ نے جب زار اور ملکہ ہی کو فراموش کر دیا تو اس البم کو کون پوچھتا جو نہ جانے کس ردی کی ٹوکری کی نذر ہو گیا۔

ملکہ کے ایما پر راسپوٹین پوکروسکو چھوڑ کر سینٹ پیٹربرگ میں رہنے لگا۔ اس کی اقامت گاہ "گروچینیا" میں ہر وقت لوگوں کا تانتا لگا رہتا۔ ملک کی اہم ترین شخصیت کے طور پر پولیس اس کی اقامت گاہ پر پہرہ دیتی اور اس کی جان کی حفاظت کے لئے ہر دم چوکس رہتی۔ اس دوران راسپوٹین کی شاہی محل میں آمد و رفت پھر شروع ہو گئی ملکہ نے بچے کی زندگی کا واسطہ دے کر زار کو پھر سے روزانہ محل میں آنے پر رضامند کر لیا۔ دراصل ولی عہد خود زار کی سب سے بڑی کمزوری بن گیا تھا۔ وہ اسے سدا ہی علیل اور افسردہ نہ دیکھ سکتا تھا۔ راسپوٹین محل پر آنے جانے تو لگا لیکن وہ پہلے کی سی بات نہ تھی۔ وہ زار کی مجبوری کو خوب سمجھتا تھا۔ وہ خود بڑی حد تک محتاط ہو گیا۔ اسے تو آم کھانے

سے مطلب تھا۔ اس سے کیا غرض کہ گٹھلیاں کس دام بکتی ہیں۔

محل میں اس کی دوبارہ آمد کی وجہ بھی ایک حادثہ ہی تھا جو کسی اور کو نہیں بلکہ ننھے ایلکسی ہی کو پیش آیا۔ ہوا یہ کہ زار، بیرا نوودچی اور موہیلیف کے مقامات پر فوجوں کے معائنے کے لیے جانے لگا۔ ایلکسی ساتھ جانے کے لیے مچل گیا۔ راسپوٹین سے مشورہ طلب کیا گیا تو اس نے لکھ بھیجا کہ شہزادے کو نہ بھیجا جائے لیکن زار ولی عہد کو امور سلطنت سے ناواقف رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ بچپن ہی سے اسے اس کی تربیت دینا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے راسپوٹین کے مشورے کو نظر انداز کر دیا اور ایلکسی اس کے ساتھ چلا گیا۔ اس وقت نہ جانے ملکہ خاموش کیوں رہی۔ غالباً اس لیے کہ راسپوٹین نے سختی سے منع نہیں کیا تھا۔

بہر کیف ابھی ٹرین چل ہی رہی تھی کہ یکایک شہزادہ ایلکسی کی ناک سے خون بہنے لگا۔ شاہی معالج ڈاکٹر ڈیریونکو نے ہر ممکن تدبیر اختیار کی لیکن خون رکنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ ٹرین روک لی گئی اور زار شہزادے کو واپس محل میں لے آیا۔ بے انتہا خون بہنے کی وجہ سے شہزادہ بے ہوش ہو گیا اور اس کا جسم بخار میں پھنکنے لگا۔ ملکہ نے فوراً اینیا کو راسپوٹین کے پاس دوڑایا۔ راسپوٹین نے آتے ہی حسب عادت صلیب کے سامنے دوزانوں ہو کر دعا مانگی۔ بچے کے سینے پر صلیب کا نشان بنا دیا اور کہنے لگا "خدا کا شکر ہے اس نے ایک مرتبہ پھر تمہارے بچے کی زندگی بخش دی" یہ جملہ ادا ہوتے ہی شہزادے نے آنکھیں کھول دیں۔ خون کا سیلان رک گیا اور بخار بھی اتر گیا۔

راسپوٹین مسرت سے جھومتا ہوا محل سے باہر آیا اور اپنے دوستوں سے

فخریہ کہنے لگا "اب زار میرا مشورہ رد کرنے جرأت نہیں کرے گا" اس کے الفاظ بجلسہ پورے ہوتے۔ اس حادثے کے بعد زارینہ نے شوہر سے گڑگڑا کر درخواست کی کہ وہ راسپوٹین کے مشوروں کو نظرانداز نہ کرے۔ ورنہ خدا کا غضب نیست ونابود کردے گا۔ وہ زار کو یہ باور کرانے میں بھی کامیاب ہوگئی کہ راسپوٹین سے زیادہ ان کا بہی خواہ اور دوست کوئی نہیں۔ زار نے نہ صرف اس سے اتفاق کیا بلکہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ راسپوٹین کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن چکا تھا۔ حتےٰ کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران وہ محاذ جنگ پر بھی کوئی قدم اس سے پوچھے بغیر نہ اٹھاتا تھا۔ اگر وہ بھول جاتا تو زارینہ اسے راسپوٹین کی ہدایات لکھ بھیجتی جن پر وہ بلاچون وچرا عمل کرتا۔ اور اگر کسی وجہ ایسا نہ کر سکتا تو نقصان اٹھاتا۔ ایک مرتبہ ملکہ نے زار کو لکھا "اپنی وزراء کی کونسل سے صلاح مشورہ کرنے سے پہلے فادر راسپوٹین کی دم کی ہوئی کنگھی اپنے بالوں میں پھیرنا نہ بھولئے" اس کی مزید یاددہانی کرتے ہوئے اس نے پھر ایک مرتبہ ٹیلیگرام دیا "میں آج گرجا جاؤں گی اور مریمؑ کے مجسمے کے سامنے شمع جلا کر آپ کے لیے دعا کروں گی۔ لیکن فادر راسپوٹین کی کنگھی کو نہ بھولئے ورنہ میری دعا کارگر نہ ہوگی" وہ تقریباً ہر خط میں راسپوٹین کے متعلق لکھا کرتی "میں نے فادر راسپوٹین کے ہمراہ اینیا کے ہاں کھانا کھایا۔ اس نے آپ کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کی ہے۔ میں ایک مرتبہ پھر کہتی ہوں کہ ٹریپوف کے کہنے پر چلنے کی بجائے فادر راسپوٹین کی ہدایات کو مشعل راہ بنائیے۔ ٹریپوف لاکھ تجربہ کار جرنیل سہی۔ لیکن فادر خدا کی سپاہ کا سپہ سالار ہے۔ اس کی پشت پر خداوند کریم خود ہے۔"

"اپنے دوست کی ہر بات کو پلے باندھ لیجیے۔ بچے بھی یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی کسی بات کو نہ ماننے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی دعاؤں کی برکت سے تخت وتاج اور ملک کے لیے سنہری دن آنے والے ہیں۔" اسی طرح جب ایک مرتبہ بپھرے طوفان میں جنگی جہاز "دریاگ" جبل الطارق سے بخریت گاسگو پہنچ گیا تو زارینہ نے اسے بھی راسپوٹین کی کرامات سے تعبیر کیا۔ کیونکہ نہ تو جہاز کو کوئی گزند پہنچی تھی نہ اس کے عملے کے کسی آدمی کی نکسیر تک پھوٹی تھی۔

زار نے ایک مرتبہ اپنے ایک ایڈی کانگ کو بتایا۔ "جب مجھے کوئی تفکر، تشک یا خوف آگھیرتا ہے تو راسپوٹین سے چند منٹ گفتگو کر لیتا ہوں۔ وہ ٹھیک ٹھیک وہی کہتا ہے جس کی مجھے ضرورت ہوتی ہے اور اس کی خوشگوار باتوں کا اثر ہفتوں رہتا ہے۔" لیکن خوشگوار اثر کا صلہ راسپوٹین ہر ایرے غیرے کی سفارش کر کے وصول کر لیتا تھا۔ ان میں وہ لوگ بھی ہوتے جنھیں قانون شکنی کے جرم میں عدلیہ سے سزائیں دی گئی تھیں، وزروہ زار سے معافی چاہتے تھے بعض سرکاری اور فوجی افسر ایسی غیر معمولی مراعات چاہتے تھے جن کے وہ اہل نہ تھے ایسے مواقع پر زار کی پوزیشن نازک ہو جاتی۔ ایک طرف عدلیہ اور انتظامیہ تھی دوسری طرف "پیغمبر وقت"۔ راسپوٹین کے مخالفین کہتے تھے کہ وہ ان کاموں کے عوض متعلقہ لوگوں سے بھاری رشوتیں لیتا تھا جو سیم وزر کی صورت میں بھی ہوتی تھیں۔ اور خوب صورت جسموں کی بھی۔ تاہم اس کے "حکم" کو بجا لانے کے لیے زار کو مخالفت اور بدنامی کی شکل میں بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ وہ امراء و وزراء کے اشاروں کنایوں کو بھی سمجھتا تھا اور عوام کی چہ میگوئیوں سے بھی واقف تھا۔ بعض اوقات تو اسے اپنا

تخت و تاج متزلزل ہوتا نظر آتا۔ لیکن کوئی غیر مرئی طاقت اسے راسپوٹین کی یہ
بات تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

ایک مرتبہ ننھے الیکسی نے اپنے باپ سے بے ساختہ پوچھ لیا "پاپا فادر راسپوٹین
ولی ہے نا؟" اس وقت شاہی بشپ فادر ویسلیف بھی موجود تھا۔ زار نے مڑ کر اس
کی طرف دیکھا اور اسے شہزادے کی بات کا جواب دینے کو کہا۔ بے چارہ
ویسلیف مشکل میں پڑ گیا۔ وہ نیک اور خدا ترس تھا۔ دل کڑا کر کے بول پڑا "ولی تو
نہیں البتہ خدا کا..... ." اتنا سننا تھا کہ زار بھنا کر اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں سے چلا گیا۔

راسپوٹین کے اقتدار اور اثر کی صحیح تصویر زمانہ جنگ میں نظر آتی ہے۔ وہ
جنگ کا سخت مخالف تھا۔ وہ کہتا تھا کہ جنگ کے نقصانات کا نشانہ ہمیشہ نچلے طبقے
کو بننا پڑتا ہے۔ تمام جانی اور مالی قربانیاں انہی کو دینی پڑتی ہیں۔ جب روس کی
سرحدوں پر جنگ کے خطرات منڈلانے لگے اور جرنیلوں نے جوش و خروش
سے جنگی تیاریاں شروع کیں۔ اس وقت بھی راسپوٹین زار پر صلح اور امن کے لیے
زور دیتا رہا۔ جب ۱۹۱۲ء میں ڈیوک نکولائیوچ نے زار کو بلقان کے معاملات
میں مداخلت کرنے پر اکسایا تو راسپوٹین نے اس کی شدت سے مخالفت کی
"سوچیے اس سے آپ کا اور آپ کے لوگوں کا کیا حشر ہوگا۔ آپ کے دادا
نے ترکیہ کی غلامی کا جوا اتار پھینکنے کے لیے بلغاریہ کی مدد کی تھی۔ اور انہوں
نے اس کا صلہ دیا؟ اگر آپ ان کے لیے فوجیں بھیجیں گے تو کیا ہمارے باپ دادا
کی روحیں خوش ہوں گی؟ فرض کیجیے ہم کامیاب ہو بھی گئے تب کیا ملے گا؟ وہ کہتے
ہیں کہ ہمیں اپنے بھائیوں کی مدد کرنی چاہیے۔ لیکن کیا قابیل ہابیل کا بھائی نہ تھا

س تقریر کا یہ نتیجہ نکلا کہ زار نے بلقان کے معاملات میں دخل اندازی سے
نکار کر دیا۔

وہ ہر بات عوامی بلکہ دیہاتی زاویۂ نگاہ سے کرتا یہی وجہ تھی کہ عوام اور روس
کے طول و عرض میں بسنے والے دیہاتی اسے اپنا نمائندہ سمجھتے تھے اور اسی وجہ
سے "ٹروڈشین ہیویل" پارٹی بھی اس سے حد درجہ خائف تھی۔ اور امراء وزراء بھی
ن کے اس وسیع اثر کو نظر انداز کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ ۱۹۱۴ء کی
ں جنگ عظیم شروع ہوئی۔ اس وقت راسپوٹین ایک عورت کے ہاتھوں زخمی
کر تیومین کے ہسپتال میں زیر علاج تھا۔ جونہی جنگ کی خبر اس تک پہنچی، اس نے
ار کے نام ایک ٹیلی گرام بھیجا۔ جس میں ہر قیمت پر جنگ سے احتراز کی تلقین
گئی تھی۔ اس طویل ٹیلیگرام میں اس نے جنگ کی بربادیوں اور عوام خصوصاً
بیریا کے مختلف مفلوک الحال کاشتکاروں کی تباہی کا منظر تفصیل سے کھینچا۔ وہ
رکہا کرتا تھا کہ "اگر میں مجبوراً صاحب فراش نہ ہوتا تو کبھی روس کو جنگ میں شریک
نے نہ دیتا۔" اس نے ایک بار فرانسیسی سفیر پیلیولوگ سے کہا "جنگ سے ملتا
ہے؟ بے شمار لاشیں، ان گنت زخمی، اندھا دھند تباہیاں، کبھی نہ تھمنے والے
ؤ! ان بدنصیبوں کا تصور کرو جو محاذ سے کبھی واپس نہ لوٹیں گے۔ اور جن کے پانچ
حصے کہ دس دس رونے والے پیچھے رہ جائیں گے۔ جو لوگ واپس آ بھی جاتے ہیں
کا کیا حشر ہوتا ہے؟ اف خدا وہ کیا سے کیا بن جاتے ہیں! لنگڑے لولے اندھے!
لم ہے، اپنی سلطنتوں کی حدود بڑھانے کے لئے حکمران کتنے بے گناہوں
ندہ درگور کر دیتے ہیں۔ سالہا سال سے ہمارے کھیتوں کی فصلیں صرف
اور آنسو بن کر رہ جاتی ہیں اور یہ خوب سمجھ لو کہ عوام جتنے پسماندہ اور دکھی ہوں گے۔

اتنا ہی تخت و تاج کے لیے زبردست خطرہ ہے۔ جمہوریت کا نعرہ ایسے ہی حالات کی پیداوار ہے۔ تم یہ بات بادشاہ کو بتادو۔۔۔۔۔ا"

جمہوریت کا لفظ اور وہ بھی راسپوٹین کے منہ سے زار اور ملکہ کی نیندیں حرام کر دینے کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ تاہم روس جنگ میں کود پڑا۔ اب پیچھے ہٹنا ناممکن تھا۔ اب صرف یہی ممکن تھا کہ کسی طرح راسپوٹین کو رام کیا جائے اور اس سے فتح و نصرت کی دعائیں منگوائی جائیں۔ وہ بھی جانتا تھا کہ تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ لہذا اس نے دوسرا محاذ کھول دیا۔ اس نے ان چھوٹی موٹی ناانصافیوں کو روکنے کے لیے جدوجہد شروع کر دی جو بادی النظر میں معمولی تھیں لیکن عوام کے نزدیک بڑی اہم تھیں۔ اس نے جبری بھرتی کے خلاف آواز بلند کی۔ کیونکہ اس سے متاثر ہونے والے تقریباً تمام ہی کسان تھے۔ اور کسانوں کا زمینوں کا چھوڑ کر محاذ پر جانا نہ صرف ان کی اور ان کے خاندانوں کی تباہی کا باعث تھا بلکہ ملکی معیشت کے لیے بھی ضرر رساں تھا۔ نااہل جرنیلوں کا خیال تھا کہ فوجیوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی فتح اتنی ہی آسانی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس لیے وہ ملک کے آخری آدمی کو بھی جنگ کی آگ میں جھونکنا چاہتے تھے۔ حالانکہ اتنے آدمیوں کے لیے اسلحہ بھی نہ تھا، لیکن یہ ان کے وقار کا سوال بن چکا تھا۔ وہ تو چاہتے تھے کہ بوڑھے کاشتکاروں کو بھی کہیں نہ کہیں کھپائیں۔ راسپوٹین نے ملکہ کو اس کے خلاف ابھارا اور اس نے شوہر کو لکھا: "نکولائی سے کہیئے کہ وہ حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ جبری بھرتی نقصان دہ ثابت ہوگی۔ آخر لوگوں کو کھیتوں میں اناج بھی اُگانا ہے۔ فیکٹریوں میں اسلحہ بھی تیار کرنا ہے اور جہازوں پہ کام

کرنا ہے۔ جنگ میں فتح و شکست غیر یقینی ہے۔ لیکن کھیت فیکٹریاں اور جہاز قائم رہیں گے۔ خدا کے لیے فادر راسپوٹین کی بات کو نظرانداز نہ کیجیے ورنہ ہمیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" اس خط کا نتیجہ یہ ہوا کہ سپہ سالار نکولائی کی سرتوڑ کوشش کے باوجود زار جبری بھرتی پر آمادہ نہ ہوا۔

۱۹۱۵ء کے موسم بہار میں راسپوٹین نے گیلشیا پر چڑھائی کی مخالفت کی اس کا خیال تھا کہ حملے کے لیے موزوں وقت نہیں اور اس کا انجام تباہی کی صورت میں ہوگا۔ لیکن کمانڈر انچیف نکولائی باز نہ آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روسی فوجیں بری طرح پسپا ہوگئیں۔ اور ان کے بے شمار آدمی کھیت رہے۔ اسی طرح ستمبر ۱۹۱۶ء میں اس نے بروسیلوف کے حملے کی مذمت کی۔ کیونکہ اس کے خیال کے مطابق اس سے اطالوی فوجوں کی امداد کا مقصد حل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے مشورہ دیا کہ روس اس وقت خاموشی سے وقت کا انتظار کرے کیونکہ جرمنی اور آسٹریا دیر یا بدیر برے انجام کو پہنچنے ہی والے تھے۔ زارینہ نے پھر شوہر کو لکھا ہمارا دوست اس بات سے برافروختہ ہوا ہے کہ بروسیلوف نے پیش قدمی ... نہیں کی۔ وہ کہتا ہے کہ اب نقصان برداشت کرنے کے لیے تیار رہیئے۔"
نتیجہ اس مرتبہ بھی جانی اور مالی نقصان ہو کر رہا۔

راسپوٹین نہ صرف جنگ کو عوام اور کسانوں کے زاویۂ نظر سے دیکھتا تھا۔ بلکہ حکومت کی دوسری پالیسیوں میں بھی وہ اس نقطۂ نگاہ سے دخل دیتا تھا۔ زارینہ نے شوہر کو لکھا "فادر راسپوٹین نے مجھے آپ سے یہ کہنے کو کہا ہے یعنی نوٹ چھاپنے کا مقصد اس کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ سیدھے سادے

لوگوں کے لیے یہ بڑی دقت کی بات ہے۔ ہمارے پاس کافی سکے ہیں۔ جن کی موجودگی میں کرنسی نوٹ کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔ میں اپنے دوست کے دیئے ہوئے دو نوٹ بھیج رہی ہوں جن میں سے ایک جعلی ہے جس کی وجہ سے عوام نہ صرف پریشان ہیں بلکہ نالاں بھی ہیں۔ کاغذ اتنا باریک ہے کہ ہوا میں اڑ جاتا ہے۔ رات کی تاریکی میں لوگ جعلی نوٹوں سے گاڑیبانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ فادر راسپوٹین آپ سے انہیں فوراً بند کرنے کو کہہ رہا ہے۔"

" فادر راسپوٹین گوشت کی گرانی سے بہت پریشان ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کسی وزیر کو چاہیئے کہ وہ چند بڑے بڑے تاجروں کو بلائے اور انہیں متنبہ کرے کہ اس جنگ کے زمانے میں ان کا گوشت کی قیمت چڑھا دینا کتنا غلط ہے۔ انہیں شرم آنی چاہیئے۔۔۔۔۔"

جب لیمبرگ کی فتح پر زار شہر میں کامرانی کے شادیانے بجاتا ہوا داخل ہوا تو راسپوٹین نے اس کی مذمت کی۔ اس کا خیال تھا کہ جب تک جنگ پوری طرح ختم نہیں ہو جاتی، اس قسم کی خوشیاں قبل از وقت ہیں۔ اس کا کہنا حرف بحرف پورا ہوا۔ چند ہی ماہ میں نہ صرف روسی افواج کو لیمبرگ چھوڑ دینا پڑا بلکہ غنیم کی فوجیں روسی سرحدیں بھی دور تک گھس آئیں۔

اسے غذا کی کمی کا مسئلہ بھی پریشان کرتا تھا۔ اس نے بارہا منافع خوروں اور ذخیرہ اندوزوں کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا اور پھر وہی جس نے راشن بندی کی تجویز پیش کی۔ زارینہ نے راسپوٹین کے مشورے سے شاہ کو لکھا کہ تین دن تک ریل گاڑیوں میں عام اشیا نے خوردنی مثلاً آٹا، شکر

چینی وغیرہ کے سوا اور کوئی چیز باہر نہ بھی جائے۔ کیونکہ یہ گوشت اور اسلحہ سے زیادہ ضروری ہیں۔ اس کے حساب کے مطابق صرف چالیس بوڑھے سپاہیوں کی مدد سے بھی ایک گھنٹے میں ایک ٹرین میں سامان بھرا جا سکتا ہے۔ ایسی کئی ٹرینیں یکے بعد دیگرے بھیجی جانی چاہئیں۔ لیکن ایک ہی سمت میں نہیں انہیں راستے میں مختلف مقامات پر رُک کر اشیاء کو تقسیم کرنا ہوگا۔ خصوصاً سائبیریا کے لوگوں میں۔ ورنہ لوگ بلبلا اٹھیں گے۔ وہ حکومت کو خوفزدہ کر دیں گے میرا خیال ہے اس کی یہ تجویز بلا تاخیر مان لینی چاہیئے۔ کیونکہ حالات مخدوش ہوتے نظر آتے ہیں۔

زارینہ نے زار کو محض راسپوٹین کے کہنے پر آمنا صدقنا کہنا جانتی تھی یا واقعی سے بھی ملکی سیاسی اور فوجی مسائل کے متعلق اتنی ہی معلومات حاصل تھیں حقیقت دوسرے خیال کی زیادہ تصدیق کرتی ہے۔ وزراء اور امراء کی اکثریت کچھ ذاتی مخاصمت کی وجہ سے اور کچھ اس کی راسپوٹین سے اندھی عقیدت کی بنا پر ملکہ کو حقائق سے آگاہ کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ زار سے شادی کے فوراً بعد ملکہ کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھا جانے لگا تھا۔ خود اس کی ساس اس سے خوش نہ تھی۔ وہ تو زار کا باپ تھا جس نے بیوی کی اس خواہش کو پورا ہونے دیا کہ بیٹا بہو کو طلاق دے دے۔ ساس کی وفات کے بعد کہیں جا کر زارینہ کو محل میں آنا نصیب ہوا تھا۔ ورنہ اس کی زندگی میں وہ روس کی ملکہ بننے کے باوجود محل میں زیادہ دیر ٹھہر نہ سکی تھی۔ زار کی ماں کو جرمنوں سے شدید نفرت تھی اور جب ایلکس آف ہیس ملکہ روس بن کر آئی تو مادر ملکہ کی یہ نفرت امراء اور

درباریوں میں منتقل ہوگئی۔ اس کے خلاف افواہوں اور بہتان تراشیوں کا باب کھل گیا۔ جب ننھا الیکسس پیدا ہوا تب کہیں جاکر یہ طومار ختم ہوا۔

روس میں آکر الگزینڈرا کو جس سرد مہری اور تنگ دلی سے سابقہ پڑا۔ اس نے اس کے قلب و ذہن پر گہرا اثر چھوڑا۔ اسی زمانے کا ایک واقعہ اس نے آئینا کو سنایا" ایک مرتبہ میں چند بیگمات کے ہمراہ کہیں جا رہی تھی۔ وہ آپس میں ہنس بول رہی تھیں، لیکن میرے ساتھ کوئی بھی خندہ پیشانی سے بات کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ راستے میں ایک بھکاری نے ہمارا راستہ روک لیا اور جب میں نے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر چند سکے رکھے تو وہ میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔ روس میں آنے کے بعد یہ پہلی مسکراہٹ تھی جو مجھے ملی" اس کی ازدواجی زندگی بھی خوشگوار نہ تھی۔ [illegible] زارینہ کی [illegible] تھی۔ جو قدرتی بات تھی۔ بادشاہوں کے ہاں ولی عہد کا ہونا ضروری ہے اور زارینہ تھی کہ پے در پے لڑکیوں کو جنم دے رہی تھی۔ اپنی تمام تر محبت کے باوجود زار اس سے کھنچا کھنچا سا رہنے لگا۔ شاہی خاندان اور درباریوں کو تو خداداد بہانہ ہاتھ آگیا تھا۔ انہوں نے طعن و تشنیع اور تضحیک کے تیروں سے زارینہ کا جینا دوبھر کر دیا۔ اس کے خلاف حقارت و غصے کی لہر محل کی چار دیواری سے نکل کر ملک کے گلی کوچوں میں پھیل گئی۔ کیونکہ سارا ملک ولی عہد سلطنت چاہتا تھا۔ آخر مشیت ایزدی کو اس کی حالت زار پر رحم آگیا اور عین روس جاپان کی جنگ کے دوران تیس جولائی ۱۹۰۴ء کو ملکہ کے ہاں لڑکا تولد ہوا۔

اس کے بعد زار کی تمام تر توجہ ملکہ اور نوزائیدہ شہزادے کی طرف مبذول

ئی۔ وہ بیرونی دنیا سے تقریباً لاتعلق ہو گیا۔ اب ماں کا کوئی طعنہ، رشتہ داروں کا
وئی طنز اور غیروں کا کوئی بہتان اس کی اور زارینہ کی محبت کے درمیان حائل
نہ ہو سکتا تھا۔ اس کی دنیا جگمگا اٹھی تھی۔ لڑکے کے لیے کئی انائیں رکھی گئیں۔ ایک
ڈاکٹر مستقل طور پر ہمہ وقت محل میں رہنے لگا۔ شاہی پادری کا فریضہ ہو گیا کہ
ر وقت دعائیں پڑھ کر اس پر پھونکا کرے۔ لڑکا کیا تھا ایک پھول تھا جسے
ول سے پروان چڑھایا جا رہا تھا۔ لیکن قدرت کی ستم ظریفی کو کیا کہیے کہ اس پھول
شہ رگ کے قریب ایک نظر نہ آنے والا کانٹا بھی پیدا ہو چکا تھا۔ ہنس کر ماں
پ کو ہنسانے والا اور رو کر انہیں رلانے والا، معصوم توتلی باتوں سے ان
ے قلب و جگر کو برمانے والا اور ننھی ننھی حرکتوں سے ان کی نظر کو راحت و فرحت
ے انمول تحفہ اسے بخشنے والا الیکسی ایک نہایت خطرناک مرض میں مبتلا تھا۔ اگر وہ
ے پاؤں کو ٹھوکر لگنے سے معمولی سی چوٹ بھی لگ جاتی تو اس کا پیر نیلا ہو کر سوج
ا۔ معمولی سہارے سے بدن پر نیل پڑ جاتی اور بخار کیا ہو جاتا۔ اس کے ساتھ ہی درد
ہیں سارے بدن میں اٹھنے لگتیں۔ اس مرض کی وجہ سے اس کی ہڈیاں
کمزور ہو گئی تھیں کہ ایک ٹھوکر بھی لگتی تو بدن کی کوئی نہ کوئی ہڈی تڑاخ سے
ٹ جاتی۔ بڑے بڑے ڈاکٹر اور سیانے بلوا لیے گئے۔ سب نے اپنی سی
ڈاکٹروں کے علاج معالجے کے ساتھ ساتھ گنڈے، تعویذ، دعائیں، جھاڑ پھونک
ستعمال کیے گئے لیکن مرض کو نہ جانا تھا نہ گیا۔ اب بیٹے کی غیر معمولی احتیاط
دیکھ بھال کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ بلکہ اسے ایک لمحہ آنکھوں سے اوجھل
ہونے دیتی تھی۔ انائیں آگے پیچھے رہنے لگیں اور میریا دشینا کو دا توسلے کی

طرح اس کے ساتھ ساتھ رہتی تھی۔ زآر خود بھی بار بار اس کی خیریت پوچھتا بھاگ بھاگ کر اسے دیکھنے آتا۔ میاں بیوی دونوں علاج معالجے سے ناامید ہو گئے تو انہیں ایک ہی لگن رہنے لگی کہ کہیں سے کوئی معجزہ رونما ہو۔ اور ان کا جگر گوشہ اس موذی مرض سے چھٹکارا پائے۔ اب وہ محض معجزے کی امید میں جی رہے تھے جس نے ملکہ اور اس سے کہیں زیادہ زآر کو توہم پرست بنا دیا تھا۔

زار اور ملکہ کی اس توہم پرستی اور "دست غیبی" کی امید نے مفاد پرستوں اور طالع آزماؤں کو کھل کھیلنے کا موقع بہم پہنچایا اور ان کے سامنے امیدوں کی دنیا پیدا کر دی۔ وہ طرح طرح کے ہتھکنڈوں اور نت نئے حربوں سے ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے لگے۔ اس بہانے وہ اپنا الو سیدھا کرتے۔ کوئی دھن دولت سمیٹتا، کوئی زمین جاگیر حاصل کرتا۔ کوئی انتظامیہ یا فوج میں اپنے یا اپنے کسی رشتہ دار کے لیے عہدے کا خواہاں ہوتا۔ زآر کے محل میں آئے دن کوئی نہ کوئی سنیاسی، سادھو، مجذوب، صاحب کرامات، پیر فقیر آتا ہی رہتا۔ اور خالی ہاتھ نہ جاتا۔ ضعیف الاعتقادی کے بندھن میں جکڑی ہوئی زارینہ اور مشیت ایزدی سے شکست خوردہ زار دونوں کے پے دھوکا کھاتے اور مزید دھوکا کھانے کے لیے دامن شوق دار رکھتے۔ ایسے کتنے ہی لوگ آئے اور گئے لیکن یہ اعزاز راسپوٹین ہی کی قسمت میں تھا کہ وہ طوفان کی طرح آیا اور آندھی کی طرح چھا گیا اور جب طوفان تھم گیا اور آندھی کا غبار چھٹ گیا تو زار کے سکو سیلو محل وہی تھا لیکن نہ تخت تھا نہ تاج ــــــ زار نے جن پتوں پر تکیہ کیا تھا۔ وہی اسے ہوا دے گئے۔ زآر نے جس سایۂ رحمت تلے پناہ لی تھی وہی اس کی

خانہ ویرانی کا باعث بنا۔ روس نے راسپوٹین کے کردار کا خاکہ بنایا تھا۔ زارینہ نے اس میں رنگ بھرا اور زار نے اسے قصرِ شاہی کی زینت بنا لیا۔ تاریخ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی کہ روس میں اپنے وقت کی سب سے طاقتور شخصیت راسپوٹین ہی کی تھی اور وہ فخریہ یہ کہنے میں حق بجانب تھا! "روس اور زارِ روس میری ایک مٹھی میں ہیں۔"

۸

راسپوٹین عموماً صبح چھ بجے بیدار ہوتا اور الیگزینڈر نیوسکی پوڈووری کے گرجا میں
عبادت کرتا۔ واپسی پر اس کے ہمراہ عقیدت مندوں کا ہجوم ہوتا۔ میز پر ناشتہ
تیار ہوتا اور وہ چائے میں ڈبل روٹی بھگو کر خوب شکم سیر ہو کر کھاتا۔ آٹھ بجے
سے غرض مندوں کا تانتا لگ جاتا۔ اس سے ملنے کا بہترین وقت صبح دس بجے
تھا۔ اس وقت وہ عموماً گھر ہی پر ہوتا تھا۔ رات کتنی ہی ہنگامہ خیز کیوں نہ گزری
ہو اور اسے کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ ہو لیکن وہ دس بجے کہیں نہ جاتا تھا
بے تابی سے زارسکو سیلو سے آنے والے ٹیلیفون کا منتظر رہتا۔ ہر روز ٹھیک
بجے ٹیلیفون کی گھنٹی بجنا لازمی تھی۔ ادھر گھنٹی بجتی ادھر اس کی خادمہ ڈونیا چونگا

کی رشتہ دار بھی تھی لپک کر رسیور اٹھاتی۔ پہلے تو وہ چلا کر کہتی "یہ ۶۴۶/۴۶۴۶ ہے۔ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ؟" لیکن اگر دوسری طرف سے کوئی زار سکو سیلو سے بولتا تو وہ فوراً لہجہ بدل کر نہایت ادب سے اسے "ہولڈ" کرنے کو کہتی۔ اور راسپوٹین کو بلانے چلی جاتی۔ وہ مہمانوں کے سامنے انجان بن کر پوچھتا کہ کہاں سے فون آیا ہے اور پھر قدرے بیزاری سے اٹھتا۔ وہی روزمرہ کی باتیں ہوتیں کیا کہا؟ اچھا۔ لیکن میرے پاس اس وقت بہت سے آدمی بیٹھے ہیں انہیں چھوڑ کر آنا مشکل ہے۔ کیا کہا؟ اچھا آجاؤں گا۔ اور کوئی خاص بات . . . . ؟"

یہ دس بجے والا ٹیلیفون خاص اہمیت رکھتا تھا۔ ایک تو اس لیے کہ راسپوٹین کے پورے دن کے موڈ کا انحصار اسی دس بجے والی بات چیت پر تھا۔ دوسرے اس لیے کہ جوں ہی ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی، ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے۔ بساط سیاست کے مہروں کے کان کھڑے ہو جاتے۔ کچھ لوگ اس کے ہاں اس وقت آتے ہی اسی مقصد سے تھے۔ پرنس اینڈرونی کوف، بنک کا مالک روبن اسٹائن ہو دیر ڈو کوف کا ایجنٹ کسی نہ کسی بہانے دبے پاؤں ٹیلیفون والے کمرے کے دروازے تک پہنچ جاتے اور کان لگا کر سنتے۔ جوں ہی راسپوٹین ٹیلیفون بند کرکے رسیور رکھتا وہ اپنی اپنی جگہ پر آ بیٹھتے۔ اس کی آمد پر اجازت طلب کرتے اور جائم جھاگ کارون میں بیٹھ کر ہوا ہو جاتے۔ تاکہ جلد سے جلد اپنے ساتھیوں اور آقاؤں کو زار سکوسیلو کے تازہ ترین حالات اور اطلاعات سے آگاہ کریں۔

اب غرض مندوں کی باری آتی۔ وہ اپنی آمد کی غرض و غائت بتاتے اور راسپوٹین کسی کا کام کرنے کی حامی بھرتا، کسی کو ٹال دیتا اور کسی کو جھڑک دیتا بسا اوقات

سہ پہر تک ہجوم کم نہ ہوتا۔ اکثر اوقات، خصوصاً چھٹی والے دن تو اتنے آدمی ہوتے کہ کمروں میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی اور لوگ سیڑھیوں پر اپنی باری آنے کے انتظار میں کھڑے رہتے۔ سڑک پر دور تک کاریں ہی کاریں نظر آتیں اور لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوتے۔ لوگوں میں مشہور تھا کہ زار کی ناک کا بال ہونے کی وجہ سے راسپوٹین کا اعلیٰ سرکاری حلقوں اور کلیسا کی انتظامیہ میں کافی اثر رسوخ ہے اور وہ جو بات چاہے منوا سکتا ہے۔ اس لیے چھوٹے موٹے سرکاری افسر، درباری، امرا، طالع آزما، سیاست دان دلال اور وہ لوگ جن کی سرکاری افسروں یا کلیسا والوں سے ٹھنی تھی، اس کے گرد منڈلاتے رہتے۔ لوگ ایک دوسرے سے کہا کرتے کہ بادشاہت تو دراصل راسپوٹین کی ہے۔ زار محض نام کا بادشاہ ہے کچھ لوگوں نے اسے زار اعظم کا خطاب دے رکھا تھا جو زبان زد خاص و عام بن گیا۔ عام لوگ، خصوصاً دیہاتی، کاشتکار، مزدور پیشہ اور چھوٹے موٹے تاجر اس سے بے حد مرعوب تھے، اس شہرت کے علاوہ اسے جو مذہبی مقام حاصل تھا اس کا تو جواب نہ تھا۔ لوگ بالک اس کے روح میں جھانک کر دیکھنے، مستقبل کی پیشگوئی کرنے اور بیماروں کو محض نگاہ بھر دیکھنے یا چھونے سے اچھا کر دینے کے قصے کہانیاں سناتے نہ تھکتے۔ کچھ لوگ تو ان کرامات کے چشم دید گواہ ہونے کا دعویٰ بھی کرتے تھے۔ راسپوٹین کے مداح صرف جاہل اور دیہاتی ہی نہ تھے بلکہ ایک اچھی خاصی تعداد میں سینٹ پیٹرسبرگ کے پڑھے لکھے اور اعلیٰ خاندانی لوگ بھی تھے۔ ان باتوں کو ہوا دینے میں وہ لوگ پیش پیش تھے جو سالہا سال پہلے سے دانشمندانہ عقیدے پر چوری چھپے کاربند رہے تھے۔ ظاہر میں تو وہ گرجا میں آتے جاتے اور عیسائیت کی تمام رسوم

تہواروں اور عبادات میں حصہ لیتے لیکن در پردہ ڈیبلا فلیچ سے عقیدت اور اس
ی تقلید کا دم بھرتے تھے۔ ان لوگوں نے راسپوٹن کو "مسیح نو" اور انسانیت
ا نجات دہندہ ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ وہ نہایت
ا موشی اور رازداری سے اپنے مذہب کے موجودہ "پیغمبر" کا پروپیگنڈہ کرنے
یں مصروف تھے۔ زار اور ملکہ کی اس سے اندھی عقیدت تو گویا خدا کی دین ثابت
وئی۔ انہیں منہ مانگی مراد مل گئی، وہ گھیر گھیر کر لوگوں کو اس کے پاس لاتے جن میں
رد بھی ہوتے اور ہر طبقہ کی عورتیں بھی۔ ایک مرتبہ جو اس کے قریب جاتا وہ اس
ے تار عنکبوت میں اس طرح جکڑ جاتا کہ اس میں دم مارنے کی تاب نہ رہتی۔
اخر المو ت کا شربت حشیش اسے بے سدھ کر دیتا۔

راسپوٹن کی روحانی شہرت اور اثر رسوخ کی داستان تیں سرعت سے پھیل
ی اسی رفتار سے یہ راز بھی لوگوں پر منکشف ہوتا گیا کہ وہ اپنی خدمات کے صلہ
ں کتنی رقم اور کس کس شکل میں کتنا نذرانہ لیتا ہے۔ اس کے باوجود اس کی قدردانی
ر مرتبے پر کوئی اثر نہ پڑتا کیونکہ لوگ اس رشوت اور نذرانے کی مختلف تاویلیں
تے تھے۔ وہ کسی سے مانگنے تو نہ جاتا تھا۔ غرض مند خود اسے دے جاتے
۔ اور پھر اس کے بال بچے اور اس کے ٹکڑوں پر پلنے والوں کی فوج بھی تو
۔ جن میں خدمت گار اور عزیز و اقارب بھی تھے اور دور دراز سے آکر مفتقل
وں ڈیرا ڈالنے والے مرید بھی۔ ان کے اخراجات کہاں سے پورے
تے! اس کا نذرانہ قبول کرنے کا طریقہ بھی نرالا تھا۔ وہ کام پورا کرنے
ے پہلے کسی سے کچھ قبول نہ کرتا۔ لیکن جیب کھاتے پیتے زمیندار، متمول

ہوائیں ، لیلا نے وزارت کے خواہش مند اور وزارا کی نگاہ التفات کے متمنی امرار اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے پر سیم وزر کی تھیلیاں اس کے سامنے رکھ تو وہ کمال بے اعتنائی سے انہیں ایک طرف ہٹا دیتا۔ اور اس کا سیکرٹری سائیمپونچ ماس کی لڑکی میٹر یونا یا ڈودینا انہیں اٹھاتے جاتیں ۔لیکن کوئی اگر مقصد پو ہونے پر اسے کچھ نہ دیتا تو بھی اس کے ماتھے پر شکن نہ پڑتی وہ اس سے بدستور خندہ پیشانی سے پیش آتا۔ یہی خوبی اس کی جملہ برائیوں پر پردہ ڈالنے کے کافی تھی۔ اور پھر اس کے علاوہ اس میں ایک بات اور تھی ۔ وہ امیروں کی نسبت غریبوں سے زیادہ التفات سے پیش آتا تھا اور ان کے پیش کردہ معمولی ا ادنیٰ تحائف کو بھی شوق سے قبول کرتا تھا ۔اس کے برعکس امیروں کے تحائف بڑی بے دلی سے لیتا گویا ان پر احسان کر رہا ہو۔ بعض اوقات تو وہ درشتی ا بد تہذیبی کا بھی مظاہرہ کرتا ۔لیکن کسی کو حرف شکایت زبان پر لانے کی مجال نہ تھی وہ اس کی زیادہ سے زیادہ خوشامد اور چاپلوسی کرتے ۔ وہ ان کے سامنے غر غربا کی پیش کردہ گھٹیا شراب کی ایک آدھ بوتل ، باسی پنیر کے چند ٹکڑے یا م دھات کے بنے ہوئے مریم کے مجسمے کی بے حد تعریف کرتا ۔ فوراً اپنی لڑکی ، سیکرٹری یا ڈودینا کو بلا کر کہتا ۔ دیکھو میرے پیارے دوست نے کتنا شاندار دیا ہے ، یہ یقیناً بلند انسان ہے ۔“ اس کے اس طرح پیش کرنے کی تاب کھا کر رہ لیکن ان کی تیوری پر خفیف سا بل بھی راسپوٹین کو ان سے ہمیشہ کے لیے ناراض دینے کے لیے کافی تھا ۔ میٹر یونا تو یہاں تک کہتی تھی کہ وہ اپنے عقیدت مند اور مریدوں کی مالی امداد بھی کرتا تھا ۔ وہ کسی سے اس کی دکھ بھری رام کہا

سننے سے پہلے ہی اپنے کمر بند کی طرف ہاتھ بڑھاتا اور تھیلی میں جو کچھ ہوتا نکال کر دے دیتا۔ میٹر یونا کہتی تھی " بارہا ایسا ہوا کہ ادھر کسی نے پاپا کو جبری فوجی ملازمت سے سبکدوشی کے لیے نوٹوں کی گڈی پیش کی، ادھر کوئی نہ کوئی مصیبت کا مارا آ کھڑا ہوا۔ پاپا نے بغیر گنے ہی وہ نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیئے اور وہ اس کے سامنے سجدے پر سجدہ کرتا اور اس کی جان و مال کو دعائیں دیتا چلا جاتا۔ پاپا کے چہرے پر اس وقت مسرت کی کرنیں پھوٹنے لگتیں۔ ان مصیبت کے ماروں میں کوئی دکھیاری ماں ہوتی۔ جس کے پاس دور افتادہ گاؤں میں اپنے بیمار بچے کو جا کر دیکھنے کے لئے پھوٹی کوڑی بھی نہ ہوتی، کوئی غریب باپ ہوتا جس کے پاس لڑکے کے سکول کی فیس کے لیے پیسے نہ ہوتے، یا کوئی علاج کو ترستا ہوا ہوتا الغرض پاپا کو صبح اپنے دولت مند دوستوں سے جو کچھ ملتا، وہ شام تک ختم ہو جاتا امراء کا وہ طبقہ جو نت نئے طریقوں سے غریبوں کو لوٹ کھسوٹ کر دولت جمع کرتا تھا۔ اور اس میں سے ایک پائی بھی اپنے مطلب کے بغیر خرچ کرنے کا روادار نہ تھا۔ راسپوٹین کی جنبش ابرو پر دونوں ہاتھوں سے دولت لٹانے پر ہر وقت تیار رہتا تھا۔ جو کسی نہ کسی صورت میں ان ہی لوگوں تک پہنچ جاتی تھی جن سے چھینی گئی تھی۔

بجا سہی راسپوٹین اتنا ہی مخیر اور نیک دل تھا۔ یا امراء اور اعلیٰ طبقے سے دلی نفرت کی بنا پر ایسا کرتا تھا، تاہم یہ بات ضرور تھی کہ اسے روپیہ بٹور کر ان کے سامنے ہی دوسروں کو دے دینے سے بے پناہ مسرت ہوتی تھی۔ اس سے ان کے جذبۂ انا کی تسکین بھی ہوتی تھی اور سر پر شہرت کے سہرے بھی بندھتے

تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سب کچھ لٹا کر توکل اور رضائے الٰہی پر قانع
تھا۔ اگر یہ بات ہو تو راسپوٹین سچ مچ ہی دل ہوتا۔ میٹریونا یا تو باپ کو فرشتہ ثابت
کرنا چاہتی تھی یا خود بھی آگاہ نہ تھی۔ کہ وہ اپنی جائز و ناجائز آمدنی کا ایک کثیر حصہ
چوری چھپے جمع کرتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ میٹریونا کے جہیز کے لیے
رقم جمع کر رہا تھا جس کی شادی وہ اپنے دوست سولوولیف کے لڑکے سے کرنا
چاہتا تھا۔ لیکن بات صرف یہی نہ تھی۔ راسپوٹین اپنا حشر بھی جانتا تھا اور
اپنے پسماندگان کا انجام بھی اسے معلوم تھا۔ وہ بخوبی آگاہ تھا کہ کاٹھ کی ہنڈیا بار
بار چڑھی نہیں رہ سکتی، دولت، شہرت اور عزت کے بادلوں کو چھوتی ہوئی
پتنگ کسی وقت بھی کسی حریف کے ہاتھوں کنی سے کٹ سکتی ہے۔ دنیا پرست
تھا۔ ہوا ابھی موافق تھی لیکن ناؤ تو کاغذ ہی کی تھی۔ بادِ مخالف کے تند و تیز جھونکوں
میں تنہا چراغ کب تک ٹمٹماتا رہتا۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ طبعی موت سے
ہم آغوش ہو تب بھی اس کے بیوی بچے سسک سسک کر زندگی
گزارنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ جو کچھ اس نے زندگی بھر بویا ہے وہ اسے زندگی
بھر کاٹتے رہیں گے۔ انہیں کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ اسی دور اندیشی سے وہ مال
دولت جمع کر رہا تھا۔ تاکہ اس کے مرنے کے بعد بیوی بچے کسی دور دراز غیر معروف
مقام پر آرام و آسائش سے زندگی گزار سکیں۔

اس دور اندیشی اور حقیقت پسندی کے باوجود وہ اتنا لاپرواہ اور بے نیاز
تھا کہ اس نے کبھی اپنی جمع کی ہوئی رقم کا حساب نہ رکھا۔ جو کچھ ملتا اسے ایک
بند بجوری میں ڈال دیتا اور پھر اس میں سے کچھ نہ نکالتا۔ اس کی اپنی دانست میں

ذری کے راز سے اس کے سوا کوئی آگاہ نہ تھا۔ یہ تجوری اس کی خواب گاہ میں
تی۔ لیکن چور کے گھر مور والی بات تھی۔ جس طرح وہ گھر والوں، ملازموں، دوستوں
دموں کی نظریں بچا کر تجوری میں رقوم ڈالتا تھا، اسی طرح اس کی نظر بچا کر کوئی اس
ہاتھ صاف کرتا رہتا اور اسے کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں خاص طور
یکرٹری سائمینووچ اور دونیا پر ہی زیادہ تر شبہ کیا جا سکتا تھا کیونکہ ان کا زیادہ تر وقت
ن کے ساتھ گزرتا تھا اور جب وہ نشے میں دھت ہوتا تو زیادہ تر وہی دونوں
ں کے کپڑے تبدیل کرتے اور اسے بستر پہ لٹاتے تھے۔ دونیا تو جیسے اس کے
سر سے قالب کی سی حیثیت رکھتی تھی۔ اکثر اوقات جب راسپوٹین کی آتش ہوس
ا نے والا کوئی دوسرا نہ ہوتا یا وہ نشے میں بدمست ہوتا تو دونیا ہی کو اس کے
لی زینت بننا پڑتا۔ وہ اس کی بڑی لڑکی سے بھی عمر میں چھوٹی تھی۔ وہ سڈول بدن
رتی شکل دیہاتن تھی جسے راسپوٹین کے بوڑھے جسم سے کوئی انسیت تھی نہ
سے روحانی لگاؤ۔ اسے پیٹ بھر کر کھانے کو اور جھوٹا موٹا پہننے کو ملتا تھا جو
کہیں بھی میسر آ سکتا تھا۔ وہ ایک آسودہ حال صحت مند نوجوان کسان سے شادی
ھی خوش رہ سکتی تھی کہ یہ منظر، عیاش، بوڑھے راسپوٹین سے قرب بغیر
جہ کے نہیں ہو سکتا تھا اور وہ وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ وہ جب چاہتی، تجوری
سے حسب منشا رقم اڑا لیتی۔ اسی طرح راسپوٹین کا سیکرٹری سائمینووچ بھی تھا۔ وہ
ش وضع، نوجوان، چست و چالاک شخص تھا۔ وہ بھی کچھ تو جبری فوجی ملازمت
ان بچانے کے لیے اچھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے موقع سے فائدہ اٹھانے
سے اپنی عزت نفس کے عوض اس سے چپکا ہوا تھا۔ راسپوٹین جب

غصے یا نشے میں ہوتا تو اس میں اور ایک وحشی درندے میں کوئی فرق نہ رہتا۔
اس وقت اسے تحمل اور بردباری سے برداشت کرنا سائیکو سوزی کا کام تھا۔

دولت کی فراوانی، خدمتگاروں کی فوج، عزت، شہرت سب ہی کچھ ہونے کے باوجود اگر مسز اسپریڈین کی ظاہری بود و باش میں دکھاوے کی خاطر بھی کوئی فرق نہ آیا تھا تو اس کی بیوی اور بچے بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، وہ وہی سیدھے سادے دیہاتی نظر آتے تھے جیسے کہ وہ پہلے پہل پارک ڈو سکو سے آئے تھے۔ انہیں مسز سپریڈین کے اصولوں اور ہدایتوں سے جو کچھ سیکھنا تھا انہوں نے کوشش بھی نہ کی تھی وہ ایسے استقبال کا انتظام کرتے تھے۔ تمام قیمتی چیزیں [illegible] سامان، آرائش وغیرہ [illegible] [illegible] ایک [illegible] باتیں ہوں گی کہ ان کی دیہاتی عادت کو شہری زندگی کے لوازمات [illegible] اپنی نقاد پسند نہ آتا ہوگا۔ ان کی لڑکیاں تو پھر بھی باپ کے کہنے پر لوگوں کو دیکھ کر خود بھی پیر پھیلانے لگی تھیں اور [illegible] کمروں میں کسی نہ کسی آنے جانے والے سے چند ملے "تجربے" حاصل کر لیتی تھیں لیکن اس کی بیوی [illegible] تمام [illegible] باتوں سے عاری سپاٹ زندگی گزار رہی تھی۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ شوہر کو لے کر اسی پاک صاف بے ریا معصوم دیہاتی زندگی میں چلی جاتی جہاں سادگی تھی، سکون تھا۔ پاک بازی اور راست بازی تھی اور گھریلو مسرت کی ایک اپنی دنیا تھی [illegible] دنیا میں نہ صرف [illegible]

حیائی، ریاکاری، تصنع اور فریب کے بھنور میں کھو گئی تھی۔ اسے اب بھی
ہر سے اتنی ہی محبت تھی لیکن یہ محبت محض ایک رشتہ بن کر رہ گئی تھی۔
سپیوٹین اس سے نہ صرف جسمانی طور پر دور تھا بلکہ ذہنی اور روحانی طور
ں اب وہ اسے دل تو کجا ایک اچھا آدمی بھی سمجھنے پر آمادہ نہ تھی۔

یہی وجہ تھی کہ "خلاف تسلی" فرقے کا رہنما اور اس کے عقیدے کا سب سے
طاقتور مبلغ راسپوٹین جس کے ہاتھ تاج کی باگ پر اور پاؤں تخت کی رکاب
تھے، اپنی راسخ العقیدہ بیوی کے دل کو موم نہ کر سکا۔ وہ اب بھی اتنی ہی
اور کلیسا پرست تھی جتنے اس کے باپ دادا تھے۔ اور راسپوٹین نے بھی
گھر والوں کا عقیدہ تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی ورنہ بعید نہ تھا کہ
نہ سہی تو کم از کم بچے ہی اسے اپنا سمجھتے۔ اس کی زندگی کا یہی پہلو تھا
ت [illegible] کو اسے ہر دیا، ریاکار اور ابلیس کا کارندہ ثابت کرتے [illegible]
[illegible] اپنی بیٹی اور بیوی کو اس فریبیا فرقے میں کیوں شامل نہ کرتا تھا؟ کیا
ہے کہ اس میں شامل ہونے والی کسی دوشیزہ کی عصمت محفوظ نہ تھی؟ [illegible]
[illegible] موقع پا تے ہی دل پسند کسی مرد سے [illegible] کھلا لذت جسم حاصل
تی اور اس کا باپ، شوہر یا بھائی اپنی آنکھوں کے سامنے متاع غیرت لٹتا
دیکھ سکتا تھا؟ ساری دنیا کو "گناہ کے ذریعے نجات" کا سبق پڑھانے والا
[illegible] اپنے گھر والوں کو اس نورشی سے کیوں محروم رکھنا چاہتا تھا؟ ان سوالات
راسپوٹین کے بڑے سے بڑے مداح اور عقیدت مند کے پاس

ا۔

یوں تو راسپوٹین کو سونے چاندی کی جھنکار غرض مند کا ہر کام پورا کرنے پر باآسانی آمادہ کر دیتی تھی لیکن جسم کا نذرانہ ملنے پر تو وہ سر دھڑ کی بازی لگا دیتا چاہے اسے ان چھوٹے موٹے اہلکاروں کے پاس ہی کیوں نہ جانا پڑتا جو اس کے نزدیک انتہائی حقیر تھے لوگ اس کی اس کمزوری سے واقف تھے اس لیے وہ بیش بہا نذرانوں اور تحائف کی بجائے اس کی خواب گاہ میں نوجوان لڑکی پہنچا دیتے اور ان کا ہفتوں میں ہونے والا کام گھنٹوں میں ہو جاتا۔ سیم و زر کو تو لاپرواہی اور حقارت سے پرے ہٹا ہی دیتا جس سے سائل اور درخواست گذار تذبذب میں پڑ جاتا لیکن کسی نوجوان لڑکی کو دیکھتے اس کی رال ٹپکنے لگتی اور درد سفارش کے لیے فوراً کمربستہ ہو جاتا۔ اعلیٰ طبقے کی عورتیں اس کے پاس بن سنور کر آتی تھیں اور عشوے غمزوں سے اسے رجھاتی تھیں۔ وضعیٰ عمر یا طبقے کی عورتیں یا وہ جو اپنے دامن کو گناہ سے آلودہ کرنا نہ چاہتیں اپنے ہمراہ نوجوان گداز بدن لڑکیاں لایا کرتیں وہ انہیں دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو جاتا اور تہذیب آداب محفل حتیٰ کہ اپنی عزت و شہرت تک کو بالائے طاق رکھ کر حیا سوز اور شرمناک حرکتوں پر اتر آتا۔ یہ بھولی بھالی معصوم لڑکیاں دام فریب میں پھنس جاتیں اور اپنا نایاب لٹا جاتیں۔ مضبوط قوت ارادی کی شاید ہی کوئی عورت ہوتی جو اس کے سامنے سپرڈالنے سے محفوظ رہتی۔

ایسا ہی ایک واقعہ دیرا الگزینڈرونا تسکو وسکیا نے بیان کیا" میں ڈونیا کے ہمراہ ایک کمرے میں داخل ہوئی۔ ڈونیا مجھے چھوڑ کر چلی گئی اور مجھے باہر سے تالا لگانے کی آواز سنائی دی۔ میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ یہ ایک لمبا نیم تاریک

کمرہ تھا جس میں ایک ہی کھڑکی تھی۔ دیوار کے ساتھ ایک مسہری تھی جس پر بیش قیمت چادر پڑی تھی۔ بستر کے قریب ہی ہاتھ دھونے کے لیے واشنگ اسٹینڈ تھا کچھ فاصلے پر ایک میز تھی جس پہ ایک سستا سا رائٹنگ پیڈ اور چند گھٹیا قلم اور پنسلیں پڑی تھیں۔ ایک کونے میں نئی طرز کا ایک سنگھار میز تھا جس پر زنانہ آرائش کا سامان رکھا تھا۔ قدِ آدم شیشے کے قریب ایک انگیا ٹنگ رہی تھی، کمرے کے وسط میں پرانی وضع کی ایک چھوٹی سی میز اور ایسی ہی دو کرسیاں تھیں۔ اگر یہ راسپوٹین کی خواب گاہ تھی تو مجھے یہ دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی کہ اس میں کوئی صلیب تھی نہ کوئی شبیہہ مسیح حالانکہ خدا رسیدہ بزرگوں کی خواب گاہوں میں ان کی موجودگی لازمی ہوتی ہے۔ غور سے دیکھنے پہ ایک کونے میں دیوار پر ٹنگا ہوا کپڑے میں لپٹی ہوئی ایک فریم شدہ تصویر نظر آئی جس کے گرد زنگار رنگ ربن لپٹے ہوئے تھے۔ تصویر کسی پکی عمر کے دراز ریش شخص کی تھی۔ بظاہر وہ درویش معلوم ہوتا تھا لیکن اس کے گلے میں پادریوں والی صلیب لٹکی نظر نہیں آتی تھی۔ اس کے برعکس ایک طلائی زنجیر تھی۔ تصویر چاہے کسی کی ہو لیکن مجھے دیکھتے ہی معلوم ہو گیا کہ یہ "خلائستی" فرقے کے کسی رہنما کی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے بزرگوں کی تصاویر کو رنگ برنگی ربن سے آراستہ رکھتے تھے۔ یہاں آنے پر پہلی مرتبہ مجھ پہ انکشاف ہوا کہ راسپوٹین بھی اسی فرقے کا پیرو ہے اور سلسلے میں تھی چھپائی۔

میں ابھی اسی عالم میں کھڑا تھا کہ کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے سر گھما کر دیکھا تو راسپوٹین کمرے میں دبے پاؤں داخل ہو کر دروازے

کی کنڈی لگا رہا تھا۔ اس نے ایک کرسی گھسیٹی اور مجھے بھی بیٹھنے کو کہا۔ میں دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ میرے سامنے اس طرح بیٹھ گیا کہ میری دونوں ٹانگیں اس کے گھٹنوں میں دب گئیں۔ ایک انجانے خوف کی لہر میرے سارے بدن میں دوڑ گئی۔ میں نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن اس کی ٹانگوں کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ وہ میری طرف جھکا اور کہنے لگا "کیا کچھ کہنے کو آئی ہو" میں نے بیزارگی سے کہا "دنیا میں کہنے کے لیے رکھا ہی کیا ہے؟" یہ سنکر وہ ہنسا اس کے پیلے بدنما پیلے دانت دیکھ کر مجھے متلی سی ہونے لگی۔ پھر اس نے میرے گالوں کو تھپتھپایا اور کہنے لگا "جو کچھ میں کہتا ہوں غور سے سنو۔ تمہیں وہ عہد یاد ہے؟ نوجوانی ہی سے جسمانی لذت کی خواہش مجھے اذیت پہنچاتی رہتی ہے۔ آدمیؑ اور مجھے اس کی سزا ملی ہے کیا تمہیں یاد ہے؟" یہ کہہ کر اس نے جلدی جلدی آنکھیں جھپکائیں۔ پھر اس کی نظریں میرے چہرے پر پھسلنے لگیں۔ ان میں لحظہ بھر کے لیے چنگاریاں سی ابھریں اور بجھ جاتیں۔ "ہاں مجھے یاد ہے" میں نے دل مضبوط کر کے کہا "اچھا سنو" اس کے گھٹنے اب میری رانوں کو دبانے لگے "میں تمہیں سمجھاتا ہوں کہ یہ سب کس طرح ہوتا ہے۔ لوگ تینتیس سال کی عمر تک بخوشی گناہ کر سکتے ہیں" اس کے بعد نہیں اس وقت خدا سے لو لگانا چاہیئے۔ پھر جب دل و دماغ مکمل طور پر خدا کی طرف لگ جائیں، اس وقت پھر گناہ کیا جا سکتا ہے لیکن یہ گناہ ایک خاص قسم کا ہوگا۔ سمجھ گئیں؟ جہاں تک گناہ کا تعلق ہے تائب ہونے سے وہ دھل جاتا ہے انسان پھر ویسے کا ویسا نیک بن جاتا ہے۔ اچھا یہ تو بتاؤ اب میرے ساتھ اگلے ہفتے عبادت میں شریک ہوگی؟"

"نہیں۔ میں نہیں آسکوں گی۔" میں نے سرد مہری سے کہا۔ یہ سن کر وہ سنجیدہ
ہوگیا۔ پھر آگے جھکا اور میرے شانے پکڑ کر کہنے لگا۔ "دیکھو اتنی جلد فیصلہ کرو۔ ان
باتوں سے تم سمجھ نہ سکو گی میری ننھی جان! تمہیں سب کچھ عملی طور پر سمجھنا چاہیئے۔
میرے پاس آتی رہو۔ جو کچھ میں کہوں وہ کرو۔ تمہاری سمجھ میں سب کچھ آجائے گا
سب سے اہم چیز محبت ہے۔ مجھ سے محبت کرو۔ محبوب کی ہر بات دل میں
اتر جاتی ہے۔ ورنہ میں جو کہوں گا تم ایک کان سے سنو گی دوسرے سے نکال
دو گی۔ شاید تم کسی اور سے محبت کرتی ہو یا تمہارے چاہنے والے بہت ہیں!"
میں نے محسوس کیا کہ میری پشت کرسی سے لگ گئی ہے۔ کیونکہ وہ پوری طرح
مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ پھر یکایک مجھے اپنے ہونٹوں پر اس کا بوسہ محسوس ہوا۔ یہ سب
کچھ اس تیزی سے ہوا کہ میں کچھ بھی نہ کر سکی۔ دراصل میری قوت مدافعت جواب
دے گئی تھی میرے اعضاء مفلوج ہو گئے تھے اور میری تمام طاقت سلب
ہو گئی تھی۔

"اتنے لوگوں سے تعلقات رکھنے کی کیوں مصیبت اٹھاتی ہو۔ صرف میری
بن جاؤ۔ ان سب لوگوں کو جہنم میں جانے دو۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ زندگی کیا
ہے۔" اس نے مجھے اپنے سینے کے قریب کھینچتے ہوئے کہا۔ نہ جانے اس کے بعد
کیا کچھ ہو جاتا کہ یکایک دروازہ کھلا اور ڈونیا داخل ہوئی۔ راسپوٹین اٹھ کر اس کے
ساتھ چلا گیا۔ میں نے اٹھنے کی بے حد کوشش کی لیکن یوں لگتا تھا جیسے کسی نے میرے
جسم کو کرسی کے ساتھ سی دیا ہو۔ میں ابھی اسی کوشش میں تھی کہ وہ واپس آ گیا
اور اس نے آتے ہی میری ٹانگوں کو اپنے گھٹنوں میں بھینچ کر رکھ دیا۔ اس نے

آنکھیں میری آنکھوں میں پیوست کردیں۔ اور سرگوشی سے بولا "اب میں تمہیں جانے نہ دوں گا۔ ایک مرتبہ تم آگئی ہو تو اب جا نہ سکوگی۔ سمجھیں! مجھ سے دور ہٹنے کی کوشش نہ کرو۔" میری زبان گنگ تھی لیکن میں اپنی آواز سن کر خود حیران رہ گئی "میں کیوں جانے لگی؟" مجھے اپنے سینے پر اس کا بوجھ محسوس ہوا۔ اور میرے رخسار اس کی گرم گرم تیز سانسوں سے جلنے لگے۔ پھر بجانے اسے کیا خیال آیا۔ "تمہارا ٹیلیفون نمبر کیا ہے؟"

اس نے جیب سے کاغذ کا ایک پرزہ اور چھوٹی سی پنسل نکالی۔ غالباً اسے خیال آگیا تھا کہ یہی وقت ہے کہ وہ میرا اتہ پتہ معلوم کر سکتا ہے۔ ممکن ہے اس کے سحر سے آزاد ہو کر میں پھر ادھر کا رخ نہ کروں۔ اس لمحہ بھر کی مہلت نے مجھے اس کے سحر سے آزاد کر دیا۔ اس کی توجہ پنسل اور کاغذ پر مرکوز ہوتے ہی میری کھوئی ہوئی طاقت لوٹ کر آئی۔ میں نے اس سے کاغذ اور پنسل لے لی اور اس پر غلط پتہ اور غلط فون نمبر لکھ دیا۔ پھر میں نے اس سے کہا "میں تو تمہارے پاس مشورہ لینے آئی تھی۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ سچائی کہاں ہے اور گناہ کیا ہے۔ معلوم ہے نا؟" اس نے مجھے بغور دیکھا اور کہنے لگا "کیا تمہیں معلوم نہیں؟" "نہیں" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

راسپوٹین مسکرایا اور آگے جھک کر کہنے لگا "اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے بہت سی کتابیں پڑھ ڈالی ہیں۔ اکثر کتابیں بے معنی ہوتی ہیں۔ ان کے پڑھنے سے ذہنی خلفشار بڑھتا ہے۔ تمہاری ہی طرح میری ایک دوست ہے۔ تم اسے جانتی ہوگی، گرانڈ ڈچس ملٹسا نیکولیونا، اس نے بھی بے شمار کتابیں پڑھی ہیں لیکن جو کچھ وہ جاننا

چاہتی تھی۔ وہ اسے کتابوں میں نہ ملا۔ اس کا ذہن اچھا ہے لیکن اسے سکون کہیں
نصیب نہیں ہوا پھر میں نے اسے سب کچھ سمجھا دیا۔ میں نے اسے محبت کے
رموز سے آشنا کیا اور کائنات کے تمام اسرار و رموز اس پر آشکار ہو گئے۔ وہ
بھی تمہاری طرح گناہ و ثواب کے چکر میں پڑ گئی تھی۔ تم بھی اگر اسی چکر میں پڑی
رہیں تو تمہیں سکونِ قلب ملے گا نہ راہِ نجات نظر آئے گی۔"

"تمہیں راہِ نجات نظر آ گئی؟" میں نے طنزاً پوچھا "یقیناً" اس نے برا مانے
بغیر کہا "اگر تم بھی چاہو تو حاصل کر سکتی ہو۔ اسی لیے اگلے ہفتے تمہیں عبادت میں شریک
ہونے کو کہہ رہا ہوں۔ تم خود کو جنت میں محسوس کرو گی۔ میں تمہیں گناہ کی باریکیاں
بتاؤں گا اور تم خود قائل ہو جاؤ گی کہ صرف اسی کے ذریعے نجات مل سکتی ہے۔"

"میں نہیں مانتی" میں نے دلجمعی سے کہا۔ لیکن جب اس نے پھر میری
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "تم مان جاؤ گی" تو میری قوتِ مدافعت جواب
دے گئی۔ اس نے اپنا چہرہ میرے قریب لا کر میرے پے در پے بوسے
لیے اور ایک انجانی سی مسرت اور سپردگی کی خواہش میرے رگ رگ میں پھیل گئی۔
میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اس کی سخت انگلیاں میرے سارے جسم کو ٹٹول رہی
تھیں۔ یکایک جیسے کسی نے مجھے جھنجھوڑ دیا۔ میں ہوش میں آ گئی اور اس کا ہاتھ جھٹک
کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بھی بوکھلا گیا۔ لیکن اس نے کھڑے ہو کر مجھے پھر دبوچ لیا۔
نے خود کو بمشکل چھڑایا۔ اور دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ میرے پیچھے لپکا۔
ب کب آؤ گی؟" اس نے دروازے کے قریب مجھے پھر پکڑ لیا۔ "میں ہفتے تک
صروف ہوں" میں نے پیچھا چھڑانے کے لیے کہا۔ "اچھا تو اتوار کو رات دس بجے

آنا۔" اس نے کہا" اتنی رات گئے؟" میں نے بھی از راہ تفنن کہہ دیا۔ اس نے بھنویں سکیڑیں "اچھا تو اس سے پہلے آجانا۔ کوئی ساڑھے نو بجے لیکن آنا ضرور، میں تمہارا بے چینی سے انتظار کروں گا۔ تم مجھے پسند کرتی ہو، ہے نا!"

"ہاں ہاں میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ میں ضرور آؤں گی" میں نے جلدی سے کہہ دیا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ مجھے اپنی آغوش میں لیتا میں چٹخنی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

باہر نکل کر میں نے دیکھا کہ ڈرائینگ روم میں کئی عورتیں بیٹھی تھیں۔ میں ان کی نظر بچا کر کھانے کے کمرے کی طرف بڑھی۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ کمرے کے پشت پہ ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ میں اس کی طرف لپکی کھولا تو زینہ نظر آیا مجھے بتایا گیا تھا کہ راسپوٹین کے مکان کے ہر کمرے میں ایک بیرونی دروازہ ہے خالہ اس کی رہائش کے لیے یہ مکان خاص طور پہ منتخب کیا گیا تھا تاکہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو جائے تو اسے بہ حفاظت نکال لیا جائے۔ میں بے دھڑک زینے سے اترنے لگی۔ یکایک کسی نے میرا کوٹ چھوا اور ایک دھیمی آواز آئی" تم اس کے پاس سے آرہی ہو؟" خوف کی ایک سرد لہر میرے رگ و پے میں دوڑ گئی۔ میں نے گھبرا کر دیکھا نیم تاریکی میں ایک نسوانی پیکر نظر آیا۔ انسانی شکل دیکھ کر میری جان میں جان آئی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ ایک کم سن لڑکی تھی میرا کوٹ مضبوطی سے تھام کر لرزتی آواز سے بولی "تم اس کے پاس کیوں گئی تھیں؟" اس آواز میں درد اور التجا تھی۔ میرا دل پسیج گیا" اور کون ہو تم، یہاں کیا کر رہی ہو؟" میں نے پوچھا" تم اس حلقے کی باقاعدہ ممبر نہیں ہو، مجھے معلوم ہے" اس

میری بات سنی ان سنی کر کے کہا" اسی لیے میں تم سے پوچھ رہی ہوں کہ تم یہاں کیا لینے آئی ہو" یہ تو خود مجھے بھی نہیں معلوم" میں نے جواب دیا اس نے کوٹ چھوڑ اپنی برف جیسی سرد انگلیوں سے میری کلائی تھام لی" خدا اسے یسوع کا واسطہ، میری بات مانو یہاں مت آیا کرو۔ میری طرف دیکھو" میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اب میری آنکھیں تاریکی سے مانوس ہو گئی تھیں۔ اس کی عمر کوئی اٹھارہ انیس برس کے لگ بھگ ہو گی، چہرے کے نقوش تیکھے اور دل کش تھے لیکن اس پر زردی کی تہ چڑھی ہوئی تھی۔ بدن متناسب تھا لیکن وہ نحیف و کمزور نظر آتی تھی۔ اگر وہ بیمار نہ ہوتی تو یقیناً حسین و جمیل لڑکی تھی۔ ہم دونوں زینے سے اترتی ہوئی پائیں باغ میں آ گئیں۔ وہ میرا ہاتھ تھامے پھولوں کے ایک قطعے کی جانب بڑھی۔ میں پریشان تھی کہ نجانے کون ہے، کہاں لیے جا رہی ہے۔ لیکن مجھے اس کی باتوں سے خلوص کی مہک آ رہی تھی اور میں اس کے ساتھ کھنچی چلی گئی۔

پھولوں کے پاس وہ تقریباً گر پڑی اور مجھے بھی بیٹھنے کو کہا" خدا را میری بات غور سے سنو۔ تم بھی ابھی بالکل نوجوان ہو اور بہت ہی خوب صورت۔ میں تمہیں آگاہ کر دینا اپنا فرض سمجھتی ہوں"۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ پھر یکایک پوچھا" تم پیٹرسبرگ پہلی مرتبہ آئی ہو؟" "ہاں میں یہاں نہیں رہتی"۔ میں نے حفظ ما تقدم کے طور پر گول مول جواب دیا" میں بھی تمہاری ہی طرح بہت دور سے آئی تھی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میرے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔ میری زندگی کیا بن کر رہ جائے گی۔ نجانے کیوں میں اس عورت کے کہنے میں آ گئی تھی۔ میں نے اس پر کیوں اعتبار کر لیا تھا کہ راسپوٹین نامی ایک ولی سینٹ پیٹرسبرگ میں رہتا ہے جس سے ایک مرتبہ ملتے ہی

خدا کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔۔۔۔" پھر اس نے یکایک مجھ سے پوچھا "اس نے تمہیں بھی ہفتے کی عبادت میں شریک ہونے کے لیے کہا؟" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "اور تم گئیں؟" "نہیں" میں نے کہا۔ "تم چالاک نکلیں۔" لڑکی نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "مجھے خدا اور یسوع پر پورا یقین تھا۔ پھر میں نے ابلیس کا سہارا کیوں ڈھونڈا تھا۔" مجھے اب اس لڑکی کے ذہنی توازن پر شبہ سا ہونے لگا میں نے جز بز ہو کر کہا۔ "تم کہنا کیا چاہتی ہو، جلدی سے کہہ دو مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"میں اس کے کہنے پر ہفتے کے روز اس کے ساتھ عبادت کرنے گئی تھی۔ لیکن خدا نے میری مدد کی نہ یسوع مسیح نے کیونکہ میں نے ان تک غلط سمت میں پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ کمرے میں اس کے اور میرے سوا اور کوئی نہ تھا۔ پہلے تو میں گھبرائی کہ یہ کیسی عبادت ہے لیکن کمرے میں آویزاں صوفیوں اور بزرگوں کی تصاویر یسوع مسیح کا مرمر کا مجسمہ اور آبنوسی صلیب دیکھ کر میرا حوصلہ بندھا لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ عبادت اس کمرے میں نہیں بلکہ اس سے ملحقہ دوسرے کمرے میں ہونے والی ہے۔ اس نے میرا بازو پکڑا اور ہم اس کمرے میں داخل ہو گئے۔ وہاں صلیب تھی نہ مسیح کی شبیہہ۔ البتہ دیوار پر ایک دراز ریش بزرگ کی تصویر آویزاں تھی۔ وہ مجھے لیے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر اس تصویر کے سامنے دو زانو ہونے کو کہا ابھی میں جھکی ہی تھی کہ اس کی مہیب آواز سنائی دی۔ "درخو ٹور کے پیغمبر راسپوٹین، ہمارے گناہ پر نظر کرم کرو۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے میرے کپڑے تار تار کر دیئے۔ میں اپنے ہوش کھو بیٹھی میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کیا ہو رہا تھا۔۔۔۔۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں فرش پر برہنہ پڑی تھی۔ میرا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا اور وہ شیطان

میرے سامنے مادرزاد برہنہ کھڑا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے مجھے بازوؤں میں اٹھایا۔ میں چیخنے لگی اور میری چیخیں نکل گئیں۔ اسی وقت کوئی دوڑتا ہوا آیا۔ ایک عورت اور مرد نے مجھے دوسرا جوڑا پہنایا۔ پھر وہ مجھے عقبی زینے سے نیچے لے گئے۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں دو کرسیاں اور ایک بستر پڑا تھا۔ وہ مجھے بستر پر چھوڑ کر چلے گئے اور میں وہاں نیم جان نہ جانے کب تک پڑی رہی۔ میرا سب کچھ لٹ گیا تھا اور میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہی تھی۔ مجھے اپنی بوڑھی ماں کا شفیق چہرہ اور غیرت مند باپ کی غضب ناک آنکھیں گھورتی نظر آ رہی تھیں۔ میں خوف سے تھر تھر کانپنے لگی۔ معاً دروازہ کھلا اور ایک عورت کافی کی پیالی اور توسٹ لیے آئی۔ میں نے اس سے بات کرنا چاہی لیکن اس نے منہ پھیر لیا۔ میں نے کافی پی میرے ہوش قدرے درست ہوئے وہ عورت چلی گئی۔ ابھی میں سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کروں، کس سے کہوں، کہاں جاؤں، کہ دروازہ پھر کھلا ایک لمبا چوڑا فوجی افسر داخل ہوا اسے دیکھ کر میری ڈھارس بندھی۔ میں نے غلطی کی تھی یسوع مسیح نے مجھے سزا دے دی میں نادم ہوئی اس نے مجھے بچانے کے لیے فرشتہ بھیج دیا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گئی تاکہ اس فوجی افسر کے سامنے راسپوٹین کی شیطانیت کی قلعی پوری طرح کھول دوں اور اسے کیفر کردار تک پہنچاؤں چاہے اس میں میری اور میرے ماں باپ کی بدنامی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ فرشتہ بھی راسپوٹین کی طرح ابلیس کا گماشتہ ثابت ہوا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک دوسرے بھیڑیے کی گرفت میں تھی۔

اس دن کے بعد سے میں ایک آبرو باختہ عورت کے روپ میں اس گھر میں رہ رہی ہوں۔ میں اپنے ماں باپ کو منہ دکھا سکتی ہوں نہ دنیا والوں کو۔ آئے دن راسپوٹین

کے دوستوں کی "ضیافت" کا سامان کرتی ہوں۔ کبھی کبھار وہ خود بھی مجھے "شرف" بخشتا ہے۔ میں نے بارہا خودکشی کرنے کا ارادہ کیا لیکن یہ سوچ کر کہ میری طرح اور بھی لڑکیاں اس دوزخ میں بند ہیں۔ میرے جان دینے سے راسپوٹین تو نہیں مر سکتا۔ میں نے زندہ رہنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ تو گرفتار شکار کو بچا سکوں۔ اسی لیے میں نے تمہارا وقت ضائع کیا۔ لیکن میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور لڑکھڑاتے قدموں سے ایک طرف چل گئی۔ میں بھی گھبرا کر اٹھی اور جتنی جلد ہو سکا۔ اس منحوس گھر سے باہر نکل گئی۔ میں اسی دن سینٹ پیٹرسبرگ سے اپنے گھر چلی گئی۔

۹

اگر شامت کی ماری کوئی عورت راسپوٹین کی ہوسناکی کی شکایت لے کر پولیس کے پاس جاتی تو اس کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ پولیس کا سربراہ بیلیٹسکی اس رپورٹ کی کئی نقول کروا کر انھیں مختلف سرکاری اداروں کو بھیجتا اور غیر سرکاری بڑے آدمیوں کو بھی بھیج دی جاتیں۔ لوگ انہیں مزے لے لے کر پڑھتے اور راسپوٹین کی قسمت پر رشک کرتے اور بعض غصے سے پیچ و تاب کھاتے لیکن اس کا کچھ نہ بگاڑ سکتے۔ راسپوٹین کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کا مطلب تھا آبیل مجھے مار! اور پھر یہ بات بھی تو تھی کہ ان ہی سرکاری افسروں اور بڑے آدمیوں کو بار بار اس سے کام لینا تھا۔

لیکن اس قسم کی شکایتوں کے مواقع شاذ ہی آتے تھے۔ ایسی عورتیں دو چار ہی ہوتیں۔ ورنہ اکثریت ان عورتوں کی تھی جو بخوشی اس کی ہوس کی بھینٹ چڑھتیں اور اس پر فخر کرتی تھیں۔ وہ اس کے خصوصی زنانہ حلقے "حلقہ پاک بازاں" میں شمولیت کی زبردست خواہش رکھتیں اور جس دن ان کی یہ خواہش پوری ہوجاتی وہ ان کی زندگی کا مبارک ترین دن ہوتا۔ راسپوٹین کو حلقے میں کسی کی شمولیت پر اعتراض نہ تھا۔ لیکن حلقے کی پرانی اراکین نئے رکن کو بآسانی شامل نہیں ہونے دیتی تھیں۔ کیونکہ تعداد بڑھنے سے ان کی قدر و قیمت اور اجارہ داری کم ہونے کا خدشہ رہتا تھا۔ اکثر یوں ہوتا کہ راسپوٹین کی تمام تر توجہ کسی نئی رکن کی طرف مبذول ہو جاتی اور دوسری عورتیں جوش رقابت میں جلتی بھنتی رہ جاتیں۔ اس لیے حلقے میں شمولیت کی خواہش مند کو کسی پرانی اور بارسوخ رکن کا سہارا ڈھونڈنا پڑتا۔ اکثر ادھیڑ عمر اور ازکار رفتہ اراکین راسپوٹین پر اپنا اثر قائم رکھنے کے لیے نوخیز لڑکیوں کو گھیر گھار کر لاتیں اور انہیں اپنی مٹھی میں رکھنے کی ہر دم کوشش کرتیں۔ ساتھ ہی وہ انہیں راسپوٹین کی خواہشات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر آمادہ کرتی رہتیں۔ اگر کوئی دوشیزہ ہچکچاتی تو شادی شدہ عورت اس سے کہتی: "تم کیوں اس کا بننا نہیں چاہتیں۔ ایک ولی کی بات ماننے سے کون انکار کر سکتا ہے؟"

اگر لڑکی کہتی: "اگر کوئی ولی گناہ کرے تو وہ ولی کیسے رہ سکتا ہے؟"

"یہ سوچنا بھی غلط ہے۔" اسے جواب ملتا۔ "اس کے جسم سے جو چیز بھی چھوتی ہے پاک اور مقدس ہو جاتی ہے۔ کیا تم خود بھی اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنا پسند کرو گی؟" لڑکی اپنی دانست میں گویا وار کرتی اور یہ جواب سن کر

وہ حیرت زدہ رہ جاتی" میں تو کب کی خود کو اس کے حوالے کر چکی ہوں ۔ اور مجھے یہ فخر ہے کہ مجھے کئی بار اس کی خواہش پوری کرنے کا اعزاز ملا ہے۔" لیکن تم تو شادی شدہ ہو ۔ تمہارے شوہر کو یہ معلوم ہے" ؟ لڑکی کی حیرت میں اضافہ ہو جاتا "معلوم ہے !" عورت کی ہنسی چھوٹ جاتی " وہ خود اسے بہت بڑا اعزاز سمجھتا ہے ۔ اگر راسپوٹین کی مقدس نظریں کسی عورت کا انتخاب کر لیں تو ہمارے اور ہمارے شوہروں کے نزدیک اس سے بڑھ کر خوش نصیب کوئی انسان نہیں"

عورتیں لاکھ ضعیف الاعتقاد سہی ۔ لیکن محض ایک فلسفہ اسے نسوانیت کی قربانی پر آمادہ نہیں کر سکتا ۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو اس میں کوئی مافوق طاقت ضرور مضمر تھی جو سوسائٹی کی متمول اور حسین عورتوں کو اس کے بدبودار جسم سے لپٹنے پر مجبور کرتی تھی ۔ محض ذاتی اغراض و مقاصد اور نفسانی خواہشات کی تکمیل مقصود ہوتی تو دولت اور حسن کی فراوانی کافی تھی ۔

راسپوٹین کے گھر پہلی مرتبہ جانے والی عورت کے لیے ایک ہی نظر میں بھانپ لینا مشکل نہ تھا کہ ان میں سے راسپوٹین کا قرب خاص کن کن کو حاصل ہے ۔ اور نو گرفتار کون ہے ؟ روزمرہ کی آنے والی اور اس سے قرب کا اعزاز حاصل کرنے والی عورتیں مکان میں داخل ہوتے ہی اپنے کوٹ اتار دیتیں اور ان میں کھونٹیوں پر لٹکا دیتیں جو ان کے لیے مخصوص تھیں ۔ یہ عورتیں بلا تکلف کھانے کے کمرے اور خوابگاہ میں چلی جاتیں ۔ وہ راسپوٹین کو اپنی آمد کی اطلاع دینا بھی ضروری نہ سمجھتیں نہ ہی ملاقات کا وقت پہلے سے مقرر ہوتا ۔ اس کے برعکس

نو وارد یا حلقے کی باہر کی عورتوں کو یا تو ڈرائنگ روم میں اپنی باری کا انتظار کرنا پڑتا یا وہ اپنے کوٹ اس وقت تک نہ اتارتیں تاوقتیکہ انہیں کہا نہ جاتا۔ وہ پرانی ملاقاتیوں کو رشک کی نظروں سے دیکھتی رہتیں جو گھر میں میزبانوں کی طرح آزادی سے گھومتی پھرتی تھیں۔

حلقے کی ایک نمایاں شخصیت نن اکولینا تھی۔ یہ وہی نن تھی جس کے جسم سے بدروح کو بھگانے پر راسپوٹین کو ہمہ گیر شہرت ملی تھی اور جس کی بنا پر سب سے پہلے اسے سائبیریا میں "پہنچا ہوا بزرگ" تسلیم کیا گیا تھا۔ اکولینا گدازبدن، خوبصورت چہرے اور تیکھے نقوش کی ایک جوان دیہاتن تھی جو دنیا کو تج کر یورال کے جنگل کے قریب اوکھتوریے کے سینٹ نیکولس راہب کدے میں سکون قلب اور راہ نجات کی تلاش میں آئی تھی۔ ابھی اسے تا عمر کنواری رہنے اور مسیح کی خدمت کا حلف اٹھائے چند دن ہی ہوئے تھے کہ ایک حادثہ رونما ہوا۔ اس پر ہسٹیریا کے دورے پڑنے لگے۔ اس کی ساتھی ننیں پریشان ہو گئیں۔ انہیں یقین تھا کہ اس کے جسم میں بدروح داخل ہو گئی ہے۔ لیکن اس کا علاج ان کے بس میں نہ تھا۔ پھر یکایک ایک دن راسپوٹین نے راہب کدے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ یہ اس کی سیلانی زندگی کے ابتدائی دن تھے۔ اس نے رات گزارنے کی اجازت طلب کی۔ ننوں سے گفتگو کے دوران اسے اکولینا کی افتاد کا علم ہوا وہ اس کے کمرے میں گیا اور رات بھر وہیں رہا۔

اگلی صبح جب راسپوٹین کمرے سے باہر نکلا تو اس کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد تھا اور پاؤں کپکپا رہے تھے۔ لیکن اکولینا کا نفس کشی، عبادت اور مسلسل روزہ

کی وجہ سے کستا ہوا چہرہ گلاب کے پھول کی طرح کھلا ہوا تھا۔ اس کی چال میں لوچ پیدا ہو گئی تھی اور آنکھوں سے جوانی کے خم چھلک رہے تھے۔ جب راسپوٹین جانے لگا تو احسان مندی کے جذبے تلے دبی ہوئی اکولینا نے تاحیات اس کی خدمت کرنے کی ٹھان لی۔ وہ راہب کدے کو چھوڑ کر اس کے پاس چلی آئی۔ اس وقت سے وہ راسپوٹین کی سب سے زیادہ خدمت گزار اور عقیدت مند بنی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے دن رات اپنے "فرائض منصبی" بجالانے میں دل و جان سے مصروف تھی اس کی زبان سے راسپوٹین کے تقدس، کرامات اور تعریف و توصیف کے سوا کوئی دوسرا جملہ نہ نکلتا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی عورتوں کے سامنے راسپوٹین کے فلسفے کی تشریح اور توضیح کرتی اور نئی آنے والی یا حلقے سے باہر کی عورتوں کو "سمجھانے بجھانے" کا کام انجام دیتی عورتیں اس کی بڑی تعظیم کرتیں۔ کیونکہ مذہبی امور پر تبادلہ خیالات کے علاوہ وہ ان کی نجی اور ذاتی باتیں بھی بغور سنتی اور بڑی شفقت اور ہمدردی سے انہیں مشورے دیتی۔ آپس میں ایک دوسری سے رشک و حسد کرنے والی عورتوں کو اکولینا سے کوئی شکایت نہ تھی۔ نہ ہی اس کے متعلق کسی نے کوئی ایسی ویسی بات کی تھی البتہ صرف ایک مرتبہ ایک نووارد خاتون نے جذبے سے یہ کہہ دیا تھا کہ جب وہ اکولینا راہب کدے سے آنے لگی تو وہاں کے انچارج بشپ نے اسے لعن طعن کی تھی اور اس پر الزام لگایا تھا کہ اسے ملنے والی رپورٹ کے مطابق ہسٹیریا دورہ پڑنے سے چند روز پہلے جب وہ پور اس کے جنگل میں تنہائی کی عبادت کرنے گئی تھی تو وہاں اسے ایک سیلانی کے ہمراہ جھاڑیوں میں دیکھا گیا تھا۔ بشپ

نے یہ بات نووارد خاتون کو خود بتائی تھی۔ اتنا سننا تھا کہ عورتیں نووارد خاتون کے پیچھے بُری طرح پڑ گئیں۔ وہ اپنی آمد کا مقصد بھول گئی اور اسے وہاں سے جان بچا کر بھاگتے ہی بن پڑی۔

حلقے کی دوسری نمایاں شخصیت اولگا ولاڈمیرونا لوختنیا تھی جو حکومت کے مشیر لوختین کی بیوی تھی۔ اس کے ساتھ بھی ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ زاریتسن کی درگاہ میں گئی تو اس پر سیناسی پادری ایلیوڈور نے جبراً نہ حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن جب وہ اپنے ارادے میں ناکام رہا تو اس نے مشہور کر دیا کہ اولگا کے جسم میں بد روح سرایت کر گئی ہے جس نے درگاہ کو ناپاک کر دیا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ اس کے مرید اولگا پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے اس کے کپڑے تار تار کر دیئے۔ اور اس کے دونوں پیر ایک گاڑی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سے باندھ کر گھوڑے کو دوڑا دیا۔ اگر چند دیہاتی بروقت اسے بچا نہ لیتے تو اس کی ہڈیاں ٹوٹ جاتیں۔ اس کی جان تو بچ گئی لیکن دماغ پر ایسی چوٹ لگی کہ وہ ذہنی توازن کھو بیٹھی اسے راسپوٹین سے متعارف کرانے والی مادام گولوونیا تھی۔ راسپوٹین نے معلوم نہیں کیا جادو کیا کہ وہ ٹھیک ہو گئی۔ اولگا نے اس کی پرستش شروع کر دی۔ اسے دیکھتے ہی وہ زمین پر سر بسجود ہو جاتی اور بلند آواز سے اسے "میرا مسیح میرا نجات دہندہ" کہنے لگتی۔ وہ ہر کسی کو قائل کرنے کی کوشش کرتی کہ راسپوٹین کا لمس ہی روح کو آلائشوں سے پاک کرنے کے لیے کافی ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے مقدس ہے جس چیز کو چھوتا ہے پاک ہو جاتی ہے۔ جس پر نگاہِ التفات ڈالتا ہے وہ جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔ یقین جانو میری بہنو! جو اپنا جسم اس کے حوالے کر دے گا وہ خدا

سے قربت حاصل کر لے گا۔" اس کی موجودگی میں اگر کوئی عورت بلند آواز سے بات
کرتی تو وہ اسے فوراً ٹوک دیتی۔" خاور راسپوٹین کے گھر میں بیٹھی ہو تو سمجھو گویا گرجا
میں بیٹھی ہے جگہ شور بالکل نہیں ہونا چاہیئے۔" وہ خود کو راسپوٹین کے "حواریوں"
میں شمار کرتی تھی۔ وہ بستر کی بجائے لکڑی کے سخت تختے پر سوتی تھی اور سرہانے
تکیے کی جگہ لکڑی کا ٹکڑا رکھتی تھی۔

الہ لکا کو راسپوٹین سے متعارف کرانے والی مادام کو ودینا بھی اسی کی طرح
...ادر کے سابق مشیر گولودن کی بیوہ تھی۔ اس کے ہمراہ اس کی خوب صورت بالوں
والی سادہ کپڑوں میں ملبوس نوجوان بیٹی مونیا بھی ہوتی تھی جو ماں کی طرح راسپوٹین
کی زبردست عقیدت مند تھی۔ یہ لوگ اینا ویروبودا کے قریبی عزیز تھے۔ مونیا ایک
نوجوان رئیس زادے سے محبت کرتی تھی۔ وہ مرگیا اور اس کی دنیا تاریک ہو گئی۔
راسپوٹین سے ملتے ہی اسے ایسا لگا جیسے خدا نے زخم خوردہ دل پر مرہم
رکھنے کے لیے فرشتہ بھیج دیا ہے۔ اس وقت سے وہ راسپوٹین کے حلقہ دام
میں اسیر ہو گئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی مونیا کے سارے بدن میں کپکپی طاری ہو جاتی
...ل تمتما اٹھتے اور آنکھیں چھلکنے لگتیں۔ اس کی ماں اس کیفیت سے آگاہ تھی چنانچہ
...سے لے کر ہر دوسرے تیسرے دن راسپوٹین کے ہاں آتی تھی۔

راسپوٹین کی ایک اور خاص مداح تھیٹر کی ایک گلوکارہ تھی جس کا شوہر فوج
...ں کرنل تھا۔ اس کی آواز اتنی سریلی اور میٹھی تھی کہ وہ ٹیلیفون پر راسپوٹین کو گانے
...اتی۔ اس وقت وہ گھر میں موجود تمام عورتوں کو قریب بلا لیتا اور وہ باری باری
...ا سنتیں۔ اکثر اس سے خانہ بدوشوں کے گیت گانے کو کہتیں اور اس کی دھن

پر ناچنے لگتیں۔

ان کے علاوہ بیسیوں عورتیں تھیں جو حلقے میں شامل نہیں تھیں۔ البتہ راسپوٹین کے ہاں باقاعدہ آتیں اور اپنے جسم اور روح کو آلائشوں سے پاک کر جاتیں۔ انہیں اس سے چنداں عقیدت نہ تھی۔ وہ محض "کاروباری" نقطۂ نظر سے آتی تھیں اور حلقے کی عورتوں سے بات کیے بغیر سیدھی اس کی خواب گاہ میں چلی جاتی تھیں۔ اگر راسپوٹین نہ ملتا تو کسی سے نہ پوچھتیں ان میں نمایاں نام زار کے لڑکے الیکسی کی انا میریا وشنا کا تھا۔ جو سینٹ پیٹرسبرگ میں راسپوٹین کا پہلا شکار تھی اور جس نے زارینہ سے راسپوٹین کی دست درازی کی شکایت بھی کی تھی لیکن اس سے "پہلی ملاقات" میں برافروختہ ہونے کے باوجود وہ اس سے ہفتے میں کم از کم ایک مرتبہ ملے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔ ماشا بھی میریا کی طرح راسپوٹین کے ہاتھوں کلی سے پھول بنی تھی وہ ہائی سکول میں پڑھتی تھی اور اپنی ایک عزیز کے ساتھ پہلی مرتبہ راسپوٹین کے گھر آئی تھی۔ پرنسس ڈولگوروکیا اور پرنسس شاخودسکیا نے راسپوٹین کی خاطر اپنے بچوں تک کو چھوڑ دیا۔ وہ ایک کرائے کے مکان میں رہنے لگیں۔ کبھی وہ راسپوٹین کے ہاں چلی آتیں کبھی اسے بلا بھیجتیں۔ وہ راسپوٹین کی ذات میں اتنی محو ہو گئیں کہ اپنے شوہروں اور بچوں تک کو بھول گئیں۔ شوہروں کی دھمکی کام آئی نہ بچوں کی التجا۔ ان کے لیے سب کچھ راسپوٹین تھا۔

جب راسپوٹین گھر نہ ہوتا تو اس کی پیروکار ڈرائنگ روم میں بیٹھی پل گن کر کاٹتیں۔ جونہی وہ آتا وہ لپک کر اسے گھیر لیتیں۔ اس سے لپٹ جاتیں کوئی متاع گم شدہ باز یافت ہوئی ہو۔ وہ انہیں باری باری چومتا اور وہ مطمئن

اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاتیں۔ وہ بھی مخصوص نشست پر بیٹھ جاتا اور میز پر پڑی کھانے پینے کی اشیاء کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے باتیں شروع کر دیتا۔ اسے ایک ہی نشست میں کئی کئی موضوع بدلنے کی عادت تھی۔ وہ انہیں زارسکو سیلو محل میں پیش آنے والے تازہ ترین واقعات سے لے کر دربار کے معاشقوں تک کی داستانیں سناتا۔ اور پھر اچانک خدا مسیح اور نجات کے موضوع پر آجاتا اور پھر کسی پادری یا راہب کا مذاق اڑاتا۔ اس اثناء میں اس کی تیز نظریں نئے چہروں کو ڈھونڈ نکالتیں۔ وہ ان سے آنے کا مقصد پوچھتا۔ اس کے بعد انہیں یا کسی پرانی آشنا کو لیے خواب گاہ میں چلا جاتا۔

اس بات چیت کے دوران کبھی کبھار ایک لڑکے کا بے وقوفوں کی طرح ہنستا ہوا چہرہ کسی ایک دروازے سے جھانکتا اور غائب ہو جاتا۔ اگر کوئی وارد عورت اس کے متعلق پوچھتی تو وہ زندہ دلی سے کہتا "میرا لڑکا میٹیا ہے اسے ہر بات عجیب اور مضحکہ خیز لگتی ہے اور ہمیشہ ہنستا رہتا ہے۔" صرف چند پرانی واقف عورتیں ہی جانتی تھیں کہ راسپوٹین کے واحد لڑکے میٹیا کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں تھا اور وہ جانوروں جیسی حرکات و سکنات کرتا تھا۔ راسپوٹین کو اس سے بے حد محبت تھی۔ وہ اس کے ذہنی توازن کے متعلق کسی کو نہ بتاتا۔ جو لوگ جانتے تھے وہ بھی یہ پوچھنا ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ دنیا بھر کے جسمانی، ذہنی اور روحانی امراض کا علاج کرنے والا، جس کی زبان میں "معجزانہ تاثیر" اور وجود میں "ربانیت کا پرتو" جھلکتا تھا، اپنے واحد لڑکے کو کیوں ٹھیک نہ کر سکتا تھا؟ دوسروں کے چاک گریباں سینے والا اپنے پیراہن

کے چاک سے کیوں غافل تھا؟ جن لوگوں کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا وہ خود ہی اس کا جواب بھی سوچ لیتے تھے۔ وہ اسے اس کی بے لوثی اور بے غرضی بلکہ راہ خدا میں خود فراموشی پر محمول کرتے۔

باتوں کے دوران اچانک وہ کسی عورت کو اپنے قریب بلاتا۔ اس کا سر اپنی گود میں رکھتا، بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرتا۔ اس کے ہونٹوں اور کبھی گالوں کو چومتا۔ شراب کے گھونٹ غٹا غٹ چڑھاتا جاتا۔ یہ عجیب بات تھی کہ وہ ایک موضوع پر جم کر بات نہ کرتا تھا۔ آنکھوں کی پتلیوں کی گردش کے ساتھ اس کے موضوع بھی تیزی سے بدلتے تھے۔ وہ سیاست مذہب معاشیات، اقتصادیات، فوجی اور ملکی پالیسیاں، سب خلط ملط کر دیتا حتےٰ کہ اس کی زبان پر خدا رسول کی باتیں ہوتیں اور آنکھیں اور ہاتھ کسی قبیح فعل میں مصروف ہوتے۔ عورتیں پوری توجہ اور انہماک سے اس کی باتیں سنتی رہتیں۔ وہ میز کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ بھی بڑھاتیں۔ وہ کھاتا تو وہ بھی کھاتیں وہ منہ سے شراب کا گلاس لگاتا تو وہ بھی اپنے گلاس اٹھاتیں، جیسے ان کی تمام حرکات و سکنات اس کی مرضی اور عمل کے تابع ہوں۔

دوسرے کمرے میں بیٹھے ہوئے مرد اور عورتیں اس سعادت سے محروم تھیں۔ انھیں صرف راسپوٹین کی آواز اور برتن کھنکنے کا جل ترنگ سنائی دیتا۔ کبھی کبھار جو تونیا کسی کام سے کمرے میں آتی تو وہ بڑے اشتیاق سے اسے دیکھتے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ معمولی خادمہ ہے اسے اپنے پاس بلاتے اور پاس بٹھا لیتے۔ اس سے کرید کرید کر پوچھتے کہ راسپوٹین کا موڈ کیسا ہے۔ ا

کے پاس کون کون بیٹھی ہے۔ وہ کیا باتیں کر رہا ہے۔ ذونیا بھی اپنی قدر و قیمت
خوب جانتی تھی۔ اسے خوب معلوم تھا کہ ملازموں کو انسان تک نہ سمجھنے
والے یہ رعونت پسند لوگ اس سے اتنی مہربانی اور عنایت سے کیوں پیش
آتے ہیں۔ وہ اندر کے واقعات خوب نمک مرچ لگا کر سناتی۔ ساتھ ساتھ
وہ اپنا نام بھی پھبتیاں کرتی جاتی۔ اس کا مقصد یہ تاثر دینا ہوتا کہ راسپوٹین کی
زندگی میں اسے کتنا دخل تھا۔ تاہم اس کا شعور اپنے فرض سے ہمیشہ آگاہ
رہتا۔ اور وہ فرض تھا راسپوٹین کی مدح سرائی، اس کی عظمت کے گن گانا۔ اس کے
تقدس کے فانوس جلانا اور اس کی کرامات کے جھوٹے سچے افسانوں کا تذکرہ
مثلاً "وہ اس وقت مچھلی اور پنیر کھا رہا ہے۔ مچھلی اسے فلاں ڈیوک نے بھیجی
ہے اور پنیر فلاں ڈچس خود لائی ہے۔ اس نے ابھی ابھی وہ خط پڑھ کر سنایا
ہے جو اسے فلاں بشپ نے روم سے لکھا ہے۔ جس میں اس کی زیارت
کرنے کی زبردست خواہش ظاہر کی ہے۔ وہ عورتوں سے کہہ رہا ہے کہ یہ
مت سمجھو کہ میں تمہیں خراب کر رہا ہوں۔ بلکہ میں تمہیں پاک اور مقدس کر رہا
ہوں۔ ہمیں گناہ ضرور کرنا چاہیئے کہ ہمیں پچھتانے اور تائب ہونے کا موقعہ ملے
خدا ہماری آزمائش کے لیے ترغیب گناہ کا کوئی ذریعہ پیدا کرتا ہے تو ہمیں
اس کی رضا کا احترام کرتے ہوئے خود کو رضاکارانہ طور پر گناہ کے حوالے کر دینا
چاہیئے تاکہ اس کے بعد انتہائی ندامت سے توبہ کریں۔

ذونیا اس قسم کی باتیں کرتی رہتی۔ اس کے صلے میں اسے خوب "بخشش" ملتی
مرد اسے عجیب قسم کے انعام و اکرام دیتے۔ وہ بڑی عقیدت سے کہتے

کہ اس کے لب بڑی بڑی بیگمات اور اعلیٰ خاندانی عورتوں کے لبوں سے زیادہ مقدس ہیں۔ کیونکہ انہیں راسپوٹین کا لمس حاصل ہے۔ اس لمس کو حاصل کرنے کے لیے وہ ڈونیا سے بوسے کی فرمائش کرتے۔ اس کی اسے بڑی بڑی قیمت ادا کرتے۔ جو لوگ راسپوٹین کا زیادہ سے زیادہ تقدس اپنے وجود میں منتقل کرنا چاہتے انہیں گھر کے کسی کونے کھدرے میں "چند لمحات" مل جاتے جس کے عوض ڈونیا کے صندوق میں ایک آدھ طلائی زیور یا کرنسی نوٹ محفوظ ہو جاتا۔

کبھی کبھار راسپوٹین اپنے معمول کے خلاف سنجیدہ صورت بنائے خاموش سے بیٹھا رہتا۔ اس وقت اس کے ہاتھ، آنکھیں، زبان کچھ بھی حرکت نہ کرتی ا وہ مٹی کا ایک بے جان بت نظر آتا۔ اس کے عقیدت مند بھی دم بخود بیٹھے رہتے۔ پھر وہ اپنے "مراقبے" سے چونکتا اور اعلان کرتا کہ اس کی اس زندگی کے پانچ سال اور رہ گئے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر بار، بیوی، بچوں اور ان سب کو چھوڑ کر کہیں دور چلا جائے گا اور کسی کنج عزلت میں یاد الٰہی کرتے ہوئے زندگی گزار دے گا۔ یہ سن کر اس کے عقیدت مندوں کے چہرے پر زردی چھا جاتی۔ وہ اداس ہو جاتے بعض تو بے اختیار رو دیتے۔ عورتوں کی آنکھوں میں تو جھڑی ہی لگ جاتی۔ کچھ دیر یہ منظر رہتا۔ پھر راسپوٹین جیسے کہ دوسری دنیا سے اس دنیا میں لوٹ آتا۔ اس کے ہاتھ، آنکھیں اور زبان چلنے لگتی اور لوگ پھر خورد و نوش میں مصروف ہو جاتے۔

ایک ایسے ہی دن کا ذکر ہے کہ ملاقاتی باہر کے کمرے میں راسپوٹین

انتظار کر رہے تھے۔ وہ دوسرے کمرے میں کسی کو شرفِ باریابی بخش رہا تھا۔ ملاقاتی کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اور لوگ سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ راسپوٹین نمودار ہوا۔ ایک دم خموشی چھا گئی۔ لوگ تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا۔ جب وہ قریب آیا تو اس کی بھیگی ہوئی مونچھیں شراب نوشی کی چغلی کھا رہی تھیں۔ اور ہونٹوں پر کسی دوسرے کے ہونٹوں کی سرخی ثبت تھی۔ عورتوں نے جلدی سے اپنے ہیٹ اتار کر ہاتھوں سے بالوں کو سنوارنا شروع کیا۔ سرکاری افسران کھڑے کھڑے اپنے لمبے کوٹوں کی سلوٹیں دور کرنے لگے۔ دیہات سے آئے ہوئے وفود مرعوب ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی عورتیں ایک دوسرے کو دھکا دیتی آگے بڑھیں اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گئیں۔ راسپوٹین کی تیز نظریں یکے بعد دیگرے سب لوگوں کا جائزہ لینے لگیں۔ بنک کار مانوس کا ایجنٹ اپنے آقا کا پیغام دینے کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن راسپوٹین نے اس کی طرف پشت کر لی اور دو کمسن لڑکیوں کو دیکھنے لگا جو پہلی مرتبہ آئی تھیں۔ وہ جھینپ سی گئیں۔ راسپوٹین ان کی طرف بڑھا تو وہ لرزنے لگیں۔ پھر انہوں نے شرماتے اور ہچکچاتے ہوئے دھیمی آواز میں اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ راسپوٹین سر جھکائے سنتا رہا۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکیں تو وہ بلند آواز سے کہنے لگا ”اچھا اچھا تمہیں روپوں کی ضرورت ہے۔ تمہیں تعلیم دلانے والا کوئی نہیں ہے۔ تمہارے پاس کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے۔ گھبراؤ مت، ٹھہرو ۔۔۔!“ لڑکیاں اپنی عزت کے چیتھڑے بھرے کمرے میں اڑتے دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو گئیں۔ لیکن

وہ ضرورت مند تھیں۔ خاموشی سے کھڑی رہیں۔ راسپوٹین نے جیب سے چند روبل نکال کر انہیں دیئے اور ڈونیا سے کاغذ قلم لانے کو کہا۔ نیک کار مانوس کے ایجنٹ نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً اپنی رسید بک اور قلم آگے بڑھا دیا۔ راسپوٹین نے وہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ لیکن پھر اس کی جانب پشت کر لی۔ ایک رسید فارم پھاڑ کر اس نے اس کی پشت پر لکھا "ولادیمیر نکولائی وچ دیکوف، زارسکوسیلو"۔ اس کے نیچے اس نے صلیب بنائی۔ پھر کچھ دیر تک سوچ کر لکھا "میرے عزیز اور قابل احترام دوست۔ میری خاطر یہ کام کر دیجئے۔ گریگوری" اس نے فارم کو تہہ کیا اور اسے لڑکیوں کی طرف بڑھاتے ہوئے ان کے سروں کو باری باری چوما۔ پھر اپنا ہاتھ ان کے بوسوں کے لیے آگے بڑھا دیا۔ دونوں لڑکیوں نے فرطِ عقیدت سے اس پر اپنے ہونٹ رکھے اس کے بعد وہ ایک خستہ حال بوڑھے دیہاتی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

بوڑھے نے بتایا کہ اسے صوبہ سارا ٹوف سے ایک کسان سِنشکن نے بھیجا ہے جسے جعل سازی کے ایک مقدمے میں سزائے قید ہو گئی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ زار اس کی سزا معاف کر دے۔ اس نے کمر بند سے بندھا ہوا ایک چرمی بٹوہ نکالا اور اس میں ڈھائی سو روبل کے نوٹ نکال کر راسپوٹین کی طرف بڑھائے۔ راسپوٹین نے نوٹوں کی طرف انکھیوں سے دیکھا اور بوڑھے سے بولا۔ اطمینان سے گھر جاؤ سِنشکن سے کہہ دو کہ میں زار سے اس کی سفارش کر دوں گا"۔ اتنا کہنا ہی کافی تھا دوسرے ہی لمحے اس کا سیکرٹری لپک کر آگے بڑھا اور اس نے نوٹ بوڑھے کے ہاتھ سے لے لیے۔ اب راسپوٹین ایک فیشن ایبل عورت ٹیریخودا کی طرف

دیکھنے لگا جو مسکراتی ہوئی اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک درخواست تھی جو فوجی سپاہیوں کے زیر جامہ کے لیے ٹھیکہ حاصل کرنے کے متعلق تھی۔

"آپ میرا کام تو کر دیں گے۔ مادر گریگوری! ہے نا!" اس نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں ہاں۔ کیوں نہیں جان من!" راسپوٹین نے اس کے ہاتھ سے درخواست لیتے وقت اس کے سینے کو چھوا۔ یوجینی نے فوراً اس کے ہاتھ چوم لیے اور فاتحانہ مسکراہٹ سے مٹکتی ہوئی چلی گئی۔ اب ایک گنجا فوجی افسر آگے بڑھا۔ وہ کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ ایک بھدے سے لباس والا شخص اسے پیچھے ہٹا کر آگے آیا اور پھولی ہوئی سانس سے جلدی جلدی کچھ کہنے لگا۔ وہ ایک ہی بات کو بار بار دہراتا تھا جس کی وجہ سے سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ راسپوٹین بڑے تحمل سے اس کی بات سن رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں صرف اتنا آیا کہ وہ ایک سکول ٹیچر ہے جو اپنے ڈائریکٹر کے رویئے سے نالاں ہے اور اس کے نام سفارشی خط چاہتا ہے۔ راسپوٹین نے بھنویں سکیڑیں اور درشت لہجے میں بولا "مجھے تعلیمی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں .... اچھا ٹھہرو میں لکھے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ گنجے فوجی افسر کی طرف مخاطب ہوا۔ اس نے اپنا تعارف لفٹیننٹ ماکاخوف کرایا اور تنہائی میں کچھ کہنے کی اجازت طلب کی۔ راسپوٹین کی نظر لفٹیننٹ سے ہٹ کر دیوار سے لگی ایک نوجوان عورت پر پڑی جس کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو گئی تھیں۔ اس نے اس سے چند لمحے ٹھہرنے کو کہا اور عورت کی طرف بڑھا .... عورت کے

کانپتے ہوئے ہاتھوں میں ایک تعارفی خط تھا جو ماسکو سے راسپوٹین کے کسی دوست نے اس کے نام لکھا تھا۔ خط میں اس کا تعارف میریا الیگزنیوا کرایا گیا تھا۔ اور درخواست کی گئی تھی کہ اس کے شوہر کی جلاوطنی کی سزا منسوخ کرائی جائے۔ راسپوٹین نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس کے سر پر پدرانہ بوسہ دیا۔ تسلی تشفی کی۔ دو چار پُر شفقت باتیں کیں۔ ہر ممکن مدد کا وعدہ کیا اور اسے دوسرے کمرے میں انتظار کرنے کی ہدایت کی۔ پھر وہ فوجی افسر کو تنہائی میں لے جا کر باتیں کرنے لگا۔ اسی اثنار میں ایک آدمی گلاب کے پھولوں سے بھری ہوئی ایک خوب صورت ٹوکری اور مختلف رنگوں کے درجن بھر ریشمی قمیضیں لے آیا۔ ڈونیا نے دونوں چیزیں اس کے ہاتھ سے لے لیں۔ انہیں شہر کی ایک معروف رئیس زادی نے بھیجا تھا۔ اب ایک پرانے واقف ڈولینا نے ایک جرمنی باشندے کی سفارش کی کہ اسے روسی شہریت کا اعزاز دلایا جائے۔ وہ فوج میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ راسپوٹین نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور ایک بوڑھی عورت کی طرف دیکھنے لگا جس نے موٹی کھال کا کوٹ اور گول ہیٹ پہن رکھا تھا وہ بیوہ تھی اور بے یار و مددگار۔ راسپوٹین نے اپنے سیکرٹری کی طرف دیکھا۔ جب وہ قریب آیا تو اس سے وہ دو سو روبل نوٹ لیے جو سرشکن نے جعلی سازی کی سزا سے بچانے کے لیے اسے دیئے تھے۔ اس نے ساری کی ساری رقم بڑھیا کے ہاتھ میں تھما دی۔ اسے اپنے سامنے سجدہ ریز چھوڑ کر وہ ایک انجینئر بینومن کی طرف متوجہ ہوا جو کسی فوجی قانون توڑنے کے جرم میں مقدمے میں ماخوذ تھا۔ کچھ دیر تک راسپوٹین اور بینوم

دھیرے دھیرے باتیں کرتے رہے اور جب "معاوضہ" طے ہو گیا تو راسپوٹین نے زار سے اس سلسلے میں بات کرنے کا وعدہ کر لیا۔

دروازہ کھلا اور ایک سرو قد بڑی بڑی آنکھوں والی خوب صورت دوشیزہ داخل ہوئی۔ وہ ایک بہت بڑے ڈیوک کی بیٹی تھی۔ اسے دیکھتے ہی کمرے میں موجود عورتوں نے سرگوشیاں شروع کر دیں۔ لڑکی راسپوٹین کی طرف تیزی سے بڑھی اور اس کے ہاتھوں کو چومنے لگی۔ راسپوٹین نے بھی اسے اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔ لڑکی اس کے چوڑے چکلے سینے پر سر رکھے اپنے سفر کی داستان سنانے لگی۔ "میں نے اسی لیے تم سے کہا تھا کہ دنیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ جیسی تمہاری نیت ہو گی دنیا تمہیں ویسی ہی نظر آئے گی۔ میری باتوں پر یقین رکھو اور سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔"

ابھی وہ لڑکی سے باتیں کہہ ہی رہا تھا کہ ایک ادھیڑ عمر کا بدوضع شخص تقریباً دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ راسپوٹین کی اس پر نگاہ پڑتے ہی آگے بڑھا۔ دونوں جلدی سے ساتھ والے کمرے میں گھس گئے۔ یہ اس حمام کا ملازم تھا۔ جہاں راسپوٹین گاہے گاہے مالش کروانے اور نہانے جایا کرتا تھا۔ مالش اور نہانے کا تو محض بہانہ تھا۔ دراصل حمام عیاشی کا اڈہ تھا۔ جہاں طرح طرح سے آدمی لذت میں تنوع پیدا کرنے اور منہ کا مزہ بدلنے جایا کرتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے غسل خانوں میں داخل ہونے پر نوخیز لڑکیاں تقریباً برہنہ حالت میں گاہکوں کی چشم براہ ہوتیں۔ ان غسل خانوں کا مخصوص اور لگے بندھے گاہکوں اور حمام کے با اعتماد ملازموں کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔ کسی نہ کسی طرح وزیر داخلہ کے کانوں تک یہ

بات جا پہنچی تھی۔ ایک معزز تاجر کے ذریعے جال پھیلایا گیا اور حمام پر کامیاب چھاپہ مارا گیا۔ چونکہ انتظامیہ کی کارگزاری پر حرف آتا تھا، اس بات کو صیغۂ راز میں رکھا گیا۔ حمام کا مالک روپوش ہو گیا۔ اور اب اس نے اپنا آدمی راسپوٹین کے پاس بھیجا تھا کہ وہ اس افتاد سے نجات دلائے تو نہ صرف منہ مانگی رقم دی جائے گی بلکہ تاحیات وہ حمام کی عیاشیوں سے بلا معاوضہ مستفید بھی ہوتا رہے گا۔ جب معاملہ طے ہو گیا تو دونوں کمرے سے باہر نکلے۔ حمام کے ملازم کے چہرے پر خوف اور اضطراب کی جگہ طمانیت اور مسرت جھلک رہی تھی وہ شاداں و فرحاں چلا گیا۔

اکثر یوں ہوتا کہ راسپوٹین اتنے ملاقاتیوں سے تھک جاتا۔ وہ کھانے کے کمرے میں جا کر ایک کرسی پر گر جاتا اور آنکھیں موند لیتا۔ اس وقت اس کی مرید عورتیں دوڑی جاتیں۔ اپنے خوشبو میں بسے ہوئے قیمتی رومال سے اس کا ماتھا پونچھتیں، اس کے پے در پے بوسے لیتیں۔ اس سے اسے سکون ملتا اور تکان اترتی محسوس ہوتی۔ اگر اس وقت تک خوابگاہ میں کوئی صنفِ نازک پہنچ نہ چکی ہوتی تو وہ ان میں سے کسی کا ہاتھ تھام کر خوابگاہ میں چلا جاتا۔ یہ بات اس کا ساتھ دینے والی عورت کے لیے باعث صد افتخار اور دوسروں کے لیے وجۂ رقابت ہوتی۔ باہر ٹیلیفون کی گھنٹی بار بار بجتی اور ڈونیا یا اکلونیا یا راسپوٹین کی لڑکی پیغامات موصول کرتی رہتیں۔ اس کے علاوہ آنے والوں کا تانتا بھی بندھا رہتا۔

اس دن وہ حسبِ معمول تکان دور کرنے کے لیے کھانے کے کمرے کی

طرف بڑھنے لگا تو ڈونا نے اسے یاد دلایا کہ اس نے میریا ایگنیٹولاسے انتظار کرنے کو کہا ہے۔ راسپوٹین کا اضمحلال غائب ہو گیا اور وہ مسرت سے جھومتا ہوا خواب گاہ کی طرف بڑھا۔

اس کے جاتے ہی کمرے کا سکون درہم برہم ہو گیا۔ اشاروں کنایوں اور سرگوشیوں کی جگہ زور زور سے باتیں ہونے لگیں۔ کمرہ بھنبھناہٹ اور مختلف آوازوں سے گونجنے لگا۔ مرد تو خیر کاروباری باتوں اسیاست اور مذہبی بحث و تکرار میں محو ہو گئے۔ لیکن عورتوں کے خیالات کا مرکز خواب گاہ تھی۔ جس میں راسپوٹین ایک نئی لڑکی کے ساتھ بند تھا۔ ان کی باتوں سے رشک جلن اور رقابت صاف نمایاں تھی۔ اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر انہیں بخوبی علم تھا کہ بند کمرے میں کیا ہو رہا ہوگا۔ تاہم ان کا تمام تر غصہ بےچاری لڑکی پر اتر رہا تھا کہ وہ ان سے ان کی عقیدت کا مرکز چھین کر لے گئی۔ جب بھی وہ کسی نووارد کو دیکھتیں، ان کے غیظ و غضب کا یہی عالم ہوتا تھا۔

راسپوٹین کسی کے ہمراہ خواب گاہ میں ہوتا تو کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ ہوتی چاہے وہ کتنی ہی بڑی شخصیت اخاندان کا کوئی فرد یا اس کی کوئی منظورِ نظر حسینہ ہی کیوں نہ ہوتی۔ البتہ ڈونیا پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اسی فوقیت اور امتیاز کی وجہ سے وہ ایک منفرد مقام رکھتی تھی۔ راسپوٹین سے پہلے ہی ملاقات میں نووارد عورت مستقبل کے بارے میں فیصلہ کر لیتی تھی، آیا اسے اس کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونا ہے یا اپنی بدبختی پر آنسو بہاتے ہوئے اس کی دوبارہ شکل نہ دیکھنے کا عہد کر لینا ہے۔ اس کے فیصلے کا اندازہ کمرے سے برآمد ہوتے ہی لگایا جا سکتا

تھا۔ تارِ عنکبوت میں پھنس جانے والی عورت باہر نکل کر دوسروں کے ساتھ شامل ہو جاتی۔ بصورت دیگر سر جھکائے، آنسو بہاتی، لوگوں سے نظریں چراتی تیزی سے چلی جاتی۔ جو ذرا جرأت مند اور شجیلی ہوتیں وہ بے تحاشہ کوستیں اور آسمان سر پر اٹھا لیتیں یا چلا چلا کر رونے لگتیں۔ ایسی عورتوں کو دھکے دے کر گھر سے نکال دیا جاتا۔ گھر میں موجود لوگوں میں سے کوئی بھی ٹس سے مس نہ ہوتا اور گھر سے باہر متعین پولیس کے سپاہی اور خفیہ ایجنٹ لاتعلقی سے منہ پھیر لیتے۔ اگر کوئی عورت ان سے شکایت کرتی بھی تو وہ اسے ٹال دیتے۔ دن دہاڑے عصمت و ناموس کے لٹ جانے پر کوئی داد رسی نہ ہوتی ایسے کسی کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوتا۔ دارالحکومت میں، شاہی محل سے کچھ ہی فاصلے پر، ایک چار دیواری میں حیا سوزی کے اس گھناؤنے ڈراموں سے نہ تو "قوم کے باپ" کے کانوں پر جوں رینگتی تھی نہ "ماں" کے دل پر دستک ہوتی تھی۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور میریا الیگزینڈرا برآمد ہوئی۔ اس کا لباس شکن آلود تھا۔ فراک شانوں کے قریب سے پھٹا ہوا تھا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور بال بے ترتیب تھے۔ اس کے پیچھے راسپوٹین نمودار ہوا۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ سانس پھولی ہوئی تھی۔ گویا کوئی مہم سر کر کے آیا ہو۔ میریا لڑکھڑاتے قدموں سے ادھر ادھر متوحش نظروں سے دیکھتی ہوئی بیرونی دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ لوگوں کی نظریں اس کا تعاقب کر رہی تھیں حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ راسپوٹین کمرے میں آ کر پھر "خدمتِ خلق" اور "کارِ خیر" میں مشغول ہو گیا۔ کمرے کی گہما گہمی معمول پر آ گئی۔ سب سے پہلے اس نے تین کسانوں کی معروضات سنیں جو ان کے زمینداروں

سکے خلاف تھیں۔ دو عورتیں اس کے دست شفقت کی منتظر تھیں۔ ادھیڑ عمر ہونے کی وجہ سے راسپوٹین نے ان پہ زیادہ توجہ نہ دی۔ ایک مقامی بنکار نے اس سے تنہائی میں بات کرنے کے لیے وقت مانگا۔ راسپوٹین نے اسے اگلے روز بلایا۔ بیرن گنسبرگ کے نوکر نے اپنے مالک کی طرف سے پیش کردہ عطیہ دیا۔ جسے اس نے شکریہ ادا کیے بغیر قبول کر لیا اور اسی طرح تمام کام حسب معمول ہونے لگے۔

اچانک فضا میں ارتعاش پیدا ہوا اور شور سا مچ گیا۔ عورتیں کلبلانے لگیں۔ راسپوٹین نے سر اٹھا کر دیکھا۔ دروازے سے لینوچکا اور لیلا داخل ہو رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر راسپوٹین کا چہرہ کھل گیا۔ اور اس کی آنکھوں سے ہوس کی چنگاریاں نکلنے لگیں۔ دونوں عورتیں ماسکو کی رہنے والی تھیں اور ایک ہی ہفتہ ہوا راسپوٹین کے ہاں آنے لگی تھیں۔ پہلے لینوچکا تنہا آئی تھی۔ وہ اتنی حسین و جمیل تھی کہ اس کے سامنے اس وقت بیٹھی ہوئی تمام عورتوں کا حسن دجمال ماند پڑ گیا تھا۔ حسین ہونے کے علاوہ اس میں غضب کی کشش تھی۔ جوانی اس کے بدن سے چھلکی پڑتی تھی۔ اس کے دیکھتے ہی راسپوٹین ریشہ خطمی ہو گیا تھا۔ لیکن جب اس نے اسے خواب گاہ میں چلنے کو کہا تو وہ صاف ٹال گئی۔ غالباً وہ راسپوٹین کی حرکتوں سے پہلے ہی آگاہ ہو چکی تھی۔ وہ پھر آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی عورتوں نے محسوس کیا جیسے راسپوٹین کھوسا گیا۔ اس نے شراب کے غٹاغٹ تین چار گلاس چڑھائے اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ آج تک کسی عورت نے اس کے ہوش و حواس پر اس طرح بجلی نہیں گرائی تھی۔

عورتوں نے اسے رجھانے کی بڑی کوشش کی لیکن بے سود۔ اس رات وہ گھر سے غائب رہا۔ اگلے دن وہ بار بار اس کے متعلق پوچھتا رہا۔ اس سے اس کی مرید عورتوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ خصوصاً ان الکونا تو بیحد سیخ پا تھی۔ ایک سے ایک بڑھ کر عورت موجود تھی۔ پھر راسپوٹین اس حسینہ سے اتنا متاثر کیوں ہوا تھا؟ مانا کہ وہ حسن و شباب کا دل کش پیکر تھی لیکن تھی تو عورت ہی۔ کوئی حور تو نہ تھی۔ دوسری مرتبہ جب لینوچکا آئی تو الکونا نے اس سے بے ساختہ پوچھ لیا کہ جس رات راسپوٹین گھر سے غائب رہا وہ اس کے ساتھ تو نہ تھا اور لینوچکا کا جواب سن کر اس کا جی چاہا کہ اس کا منہ نوچ لے۔ اس نے بڑی حقارت اور بدتمیزی سے کہا تھا کہ اگر وہ اس سے ملنے آتا تب بھی وہ اپنی دیگر مصروفیتوں کی وجہ سے اسے وقت نہ دیتی۔ اس سے پہلے کسی عورت نے حتیٰ کہ زارینہ اور بڑی بڑی بیگمات تک نے راسپوٹین کے متعلق ایسے الفاظ نہیں کہے تھے۔ الکونا، لینوچکا کو دھکے دے کر گھر سے نکالنے ہی والی تھی کہ راسپوٹین آگیا۔ وہ بے تابی سے لینوچکا کی طرف لپکا اور اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر دستانوں ہی پر پے در پے بوسے دیئے۔ یہ منظر الکونا اور دوسری عورتوں کے لیے ناقابل برداشت تھا تاہم وہ دم نہ مار سکتی تھیں۔ راسپوٹین نے پھر لینوچکا کو خواب گاہ میں چلنے کہا۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے اس کی آنکھوں کا تمام سحر لینوچکا کی مغرور آنکھوں کے سامنے دم توڑ چکا ہے۔ اس نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ راسپوٹین شکست خوردہ انسان کی طرح کرسی پر گر گیا اور گلاس میں شراب

اندیشے ملنے لگا۔ ینوچکا اس کی آڑی ہوئی رنگت اور کانپتے ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں شرارت اور ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ صاف ہویدا تھی۔ کچھ دیر بعد وہ چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی الگزنا اور ڈونیا نے نوکروں سے کہہ دیا کہ اگر اب وہ دوبارہ آئے تو اسے اندر گھسنے نہ دیا جائے۔ لیکن اسپوٹین کی حالت غیر تھی۔ شکست۔ گریگوری ایفمووچ راسپوٹین۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی شکست۔ جس کے سامنے بڑی سے بڑی عصمت مآب پاکباز اور خود دار عورت موم کی طرح پگھل جاتی تھی، ایک ایسی عورت کے ہاتھوں شکست کھا گیا تھا جس کے انگ انگ سے بے حیائی کی شراب چھلکی پڑتی تھی اور جس کی عیش پرستی کی قسم تک کھائی جا سکتی تھی۔

نہ جانے ینوچکا راسپوٹین سے کیا کام لینا چاہتی تھی ۔۔۔ اور اسے اپنے دام فریب میں پوری طرح گرفتار کر چکی تھی۔ یہ خیال ہر مرد و عورت کو پریشان کر رہا تھا۔ راسپوٹین خود ایک پر اسرار آدمی تھا لیکن یہ معاملہ تو اس سے بھی دو ہاتھ آگے نکلا۔ فوراً خفیہ ایجنٹوں اور پولیس والوں کو مطلع کیا گیا۔ ان لوگوں کی نظروں میں راسپوٹین زبردست خطرے میں گھرا ہوا تھا۔

اگلے دن ینوچکا پھر آئی۔ لیکن نہ تو اسے کسی نے دروازے پر روکا نہ اس کے کمرے میں داخل ہونے کی کسی کو خبر ہوئی۔ خفیہ ایجنٹوں، پولیس کے آدمیوں اور راسپوٹین کے خادموں نے باوقار اور قیمتی پوشاک میں ایک نقاب پوش عورت کو والی شان سیڑھی سے اترتے دیکھا۔ انہوں نے

تعظیم و احترام سے اسے گزرنے کے لیے راستہ دیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی سب لوگوں پہ اس کا رعب چھا گیا۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئے۔ عورت نے چہرے سے نقاب اٹھائی۔ انہیں جیسے سانپ سونگھ گیا۔ وہ لینوچکا تھی۔ اس کے آنے کی خبر ملتے ہی راسپوٹین لپکا آیا۔ لیکن اس کے ہمراہ ایک مرد دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا۔ یہ معلوم کئے بغیر کہ وہ کون ہے اور اس کی شخصیت سے مرعوب ہوئے بغیر وہ گرجا "تم اپنے ذلیل غلام کو ساتھ لائی ہو! تم اس کی جدائی برداشت نہ کر سکیں! تم میرے پاس بھیک مانگنے آئی ہو اور ایک مرد کو ساتھ لے کر! جاؤ میں تمہارا کام نہیں کروں گا۔ تم کس بات پہ اتراتی ہو؟ سینٹ پیٹرسبرگ میں میرے ہر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرنے کے لیے ایک سے ایک حسینہ موجود ہے۔ تم ان کی خاک پا کے برابر بھی نہ ہو — اچھا دفع ہو جاؤ، میں کہتا ہوں جاؤ —!" وہ گرج رہا تھا اور لینوچکا اپنی مخمور آنکھیں اور ان کی شعلے برساتی آنکھوں میں ڈالے متبسم کھڑی تھی۔ یہ منظر کمرے میں موجود ہر روح کو انگشت بدنداں کرنے کے لیے کافی تھا۔ جوں ہی راسپوٹین کے منہ سے آخری کلمہ نکلا، کئی عورتیں آگے بڑھیں تاکہ لینوچکا کو دھکے دے کر باہر نکال دیں لیکن ابھی انہیں ایک اور حیرت کن اور انہونی بات دیکھنی تھی اس سے پہلے کہ وہ لینوچکا کے قریب پہنچتیں، راسپوٹین نڈھال ہو کر بولا "لیکن نہیں — ٹھہرو، تم مت جاؤ۔ مت جاؤ —" وہ کرسی پہ گر گیا۔ عورتوں کے قدم رک گئے۔ لینوچکا کی طرف بڑھنے کی بجائے انہوں نے راسپوٹین کو حلقے میں لے لیا۔ وہ اس کے ماتھے سے پسینہ پونچھنے لگیں۔ لینوچکا

اسی جگہ کھڑی طنزیہ مسکراتی رہی۔ کچھ دیر بعد راسپوٹین سنبھلا اور اس نے اشارے سے شراب مانگی۔ چشم زدن میں کئی گلاس اس کے ہونٹوں کے قریب پہنچ گئے۔ وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے تین چار گلاس چڑھا گیا۔ پھر اس نے اشارے سے عورتوں کو پرے ہٹنے کو کہا اور اس جگہ دیکھا جہاں وہ رہزنِ تمکین ہوش کھڑی تھی —— لینو چکا جا چکی تھی ——! عورتوں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور اسے خوابگاہ میں لے چلیں۔ اسے بستر پر لٹا کر وہ اس کے قریب منتظر کھڑی رہیں کہ وہ ان میں سے کسے شرف بخشتا ہے۔ لیکن نہ جانے وہ کس دنیا میں تھا۔ کچھ دیر یہی کیفیت رہی۔ پھر اس نے ان سب کو چلے جانے کو کہا۔ یکے بعد دیگرے وہ کمرے سے نکل گئیں صرف الکونا دیوار سے لگی کھڑی رہی۔ کمرہ عورتوں سے خالی ہو گیا تو اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگائی اور دھیرے دھیرے راسپوٹین کے قریب گئی۔ وہ چھت کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ الکونا کو اس روز لینو چکا کے جادو کی طاقت کا پہلی بار احساس ہوا۔

اگلی صبح راسپوٹین عبادت گاہ سے سیدھا گھر آنے کی بجائے اپنے سیکرٹری کے ساتھ کسی سمت چلا گیا۔ دس بجے کے قریب وہ گھر میں داخل ہوا۔ بغیر پوچھے ہی ڈونیا نے اسے بتایا کہ شاہی محل سے ابھی تک کوئی فون نہیں آیا۔ وہ اپنے روزمرہ کے کام میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد عورتوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ لینو چکا سے ملنے اس کے ہوٹل میں گیا تھا یہ بات خفیہ ایجنٹوں نے جو سائے کی طرح اس کے ساتھ رہتے تھے۔

نوکروں کو بتائی تھی۔ نوکروں نے اپنے خاص مہربانوں کو یہ اطلاع پہنچائی تھی جو سارے گھر میں پھیل گئی۔ سہ پہر کے قریب لینوچکا پھر اسی کمرے میں موجود تھی۔ اب کے وہ دو دھاری تلوار بن کر آئی تھی۔ اس کے ساتھ ییلا بھی تھی جو اس سے بھی کہیں زیادہ ہوش ربا تھی۔ راسپوٹین ان سے بڑے تپاک اور گرم جوشی سے پیش آیا۔ لیکن اس بار اس نے انہیں خواب گاہ میں چلنے کو نہیں کہا۔ یوں لگتا تھا جیسے راسپوٹین اور لینوچکا میں کوئی خفیہ سمجھوتہ ہو چکا ہے کچھ دیر تینوں ایک کونے میں بیٹھے سرگوشیاں کرتے رہے۔ پھر دونوں عورتیں چلی گئیں۔

اور آج پھر دونوں آئی تھیں۔ عورتیں اپنی جگہ پیچ وتاب کھا رہی تھیں۔ مرد انہیں مبہوت دیکھ رہے تھے۔ الکونا ایک کونے میں حیران بیٹھی تھی۔ اس نے ان گنت بار اپنی نسائیت راسپوٹین کے قدموں میں نچھاور کرنے کے علاوہ اس کے بعض ایسے احکام کی تعمیل بھی کی تھی۔ جن کے تصور سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ راسپوٹین کی ولایت، کرامات تقدس اور خدا پرستی کی وہ پہلے بھی قائل نہ تھی بلکہ وہ اسے ایک عام انسان بھی سمجھنے سے گریزاں تھی۔ لیکن اس واقعہ کے بعد وہ اسے جانور سے بھی بدتر سمجھنے لگی تھی۔ اسے سب سے زیادہ صدمہ اس بات سے تھا کہ جس مقصد کے لیے اس نے عظیم ترین قربانی دی تھی اخلاقی گراوٹ کی آخری تہوں کو چھو دیا تھا۔ تصور تک میں نہ آسکنے والا مکروہ ترین فعل انجام دیا تھا، وہ پورا نہ ہوا۔ اسے پہلی مرتبہ راسپوٹین سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ اس کا جی چاہا کہ راسپوٹین

کا گلا گھونٹ دے۔ اسے اپنے رگ و پے میں خون کی جگہ آگ گردش کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی ــــــ!

راسپوٹین دونوں عورتوں کو خواب گاہ کی بجائے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ کرسیوں پر تینوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ راسپوٹین کچھ دیر محویت سے بیٹھا رہا۔ پھر سر اٹھا کر کہنے لگا۔ "تم نے جو کچھ کہا ہے میں اس سے بھی زیادہ کر گزرنے پر آمادہ ہوں لیکن دولت، ہیرے، جواہرات، سونا مجھے کچھ متاثر نہیں کر سکتا۔ میں خود کو ایک مشن کے لیے وقف کر چکا ہوں اور وہ مشن ہے خدا اور مسیح سے برگشتہ اور صراطِ مستقیم سے بھٹکی ہوئی روحوں کو راستہ دکھانا۔ وہ راستہ جس پر مسیح چلتے رہے اور جس پر چل کر ہی نجات ممکن ہے اور جنت اسی دنیا حاصل ہو سکتی ہے۔ میں تم پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر تم نے میری باتوں پر غور اور عمل نہ کیا تو تمہارا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ میں تم سے جو کچھ طلب کر رہا ہوں وہ اپنے لیے نہیں، تمہارے اپنے بھلے کے لیے ہے۔ میرے لیے حسین و جمیل اور دل کش عورتوں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن میں تمہارے جسم کو آلودگی اور آلائش سے پاک کرنا چاہتا ہوں۔" وہ کچھ توقف کر کے بولا۔ "یاد رکھو جسے تم گناہ سمجھتی ہو گناہ نہیں ہے۔ گناہ تو وہ ہے جو پہلے تمہاری روح اور جسم میں موجود ہے۔ تمہاری روح اور جسم کو اس گناہ سے پاک کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تم پے در پے حملوں سے اسے اتنا کمزور کر دو کہ وہ سپر ڈال دے اور پھر اسے تمہاری روح اور جسم میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہو سکے۔"

دونوں عورتیں سر جھکائے سنتی رہیں۔ پھر لینوچکا کہنے لگی "ہم نہ تو روحانیت کا فلسفہ سمجھنے آئی ہیں نہ نجات کا راستہ دریافت کرنے۔ سیدھی سی بات ہے آپ ہمارا کام کر دیں ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل بجا لائیں گی۔ اسی لیے میں اپنے ہمراہ ماسکو کی اس حسین ترین عورت کو لائی ہوں۔ ہم میں سے آپ جسے پسند کریں حاضر ہے لیکن کام ہونے کے بعد، اس سے پہلے نہیں یا آپ ہمارے ساتھ ماسکو چلیں، جتنی عورتیں آپ چاہیں گے حاضر کر دی جائیں گی۔"

راسپوٹین افسردہ سا ہو گیا۔ وہ لینوچکا کی طرف حسرت سے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے سحر کی جگہ جیسی بھوک جھلک رہی تھی۔ لیکن وہ اس کی اس کیفیت سے بے نیاز بیٹھی ضیا پاشی کر رہی تھی۔ اسی اثنا میں دروازہ کھلا اور ڈونیا اندر آئی۔ "محل سے فون آیا ہے، ملکہ سلامت نے آپ کو یاد کیا ہے" اس نے جان بوجھ کر ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا تاکہ مہمان مرعوب ہوں راسپوٹین اٹھا اور ہلکے ہلکے قدموں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی لینوچکا اور بیلا ایک دوسری کو دیکھ کر مسکرائیں۔ ڈونیا یہ برداشت نہ کر سکی اور پیر پٹکتی ہوئی چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی نور خلینا کمرے میں آئی۔ وہ بوٹے سے قد، سڈول جسم اور تیکھے نقوش والی ایک عقیدت مند تھی۔ جو راسپوٹین کے الفاظ کو وحی اور اس کے حکم کو فرمودۂ ایزدی سمجھتی تھی۔ وہ گاؤں میں شوہر کے پاس ڈیڑھ سالہ بچہ چھوڑ کر ایک عزیزہ کے ہمراہ راسپوٹین کے پاس حصول برکت اور کشادگی رزق کے لیے آئی تھی۔ اس کا شوہر ایک زمیندار کا مقروض تھا اور

قرض کی ادائیگی کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس کی دردناک داستان سنتے ہی راسپوٹین نے اسے فوراً تین سو روبل دے دیئے۔ جب وہ جانے لگی تو ڈونیا کو اس کا گٹھا ہوا، محنتی، دیہاتی جسم بھا گیا۔ گھر کی خادماؤں میں کوئی بھی ایسی نہ تھی وہ کام چور بھی تھیں اور کمزور بھی۔ ذرا سی محنت سے تھک جاتیں۔ اس نے نورخینیا کو راسپوٹین کی مالی مدد کے عوض چند دن اس کی خدمت کرنے پر آمادہ کر لیا۔ نورخینیا نے اپنی عزیزہ کو رقم دے کر رخصت کر دیا۔ وہ بھی اتنے سارے روپے لے کر دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی اور نورخینیا کو بخوشی "مرد کامل" کی خدمت سے فیض حاصل کرنے اور اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے چھوڑ گئی۔ نورخینیا بڑے چاؤ سے بھاگ بھاگ کر سارا دن کام کرتی اور مسرت سے جھومتی رہتی۔ ایک رات راسپوٹین نشے میں جھومتا ہوا گھر میں داخل ہوا تو اسے خوابگاہ میں پہنچا کر ڈونیا نے نورخینیا کو اس کے پاس بھیج دیا اس رات پہلی مرتبہ نورخینیا کو راسپوٹین سے "تبرک" حاصل ہوا۔ عقیدت کے نشے میں سرشار بیچاری دیہاتن نے اسے اپنی خوش بختی پر محمول کیا اس کے بعد خوش بختی کے مواقع اسے بار بار میسر آئے اور وہیں کی ہو رہی۔ اس کا شوہر اسے لینے بھی آیا لیکن وہ تو "دنیاداری" سے منہ موڑ کر بیراگن بن چکی تھی۔

نورخینیا نے یہ دکھ سادے دیہاتی الفاظ میں بیان کیا اور ایسے بڑی دردبھری آواز میں کہا کہ وہ کیوں راسپوٹین کے دل اور جسم کو جلا رہی ہیں۔ اگر اس کے دشمنوں کو خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو ایک عالم "مسیح زماں" سے محروم

ہی نہیں ہوگا۔ خود ان کی عاقبت بھی خراب ہوگی۔ لہذا اگر وہ اسے دل و نگاہ سے پسند نہیں کرتیں تب بھی ایک مقدس فریضہ سمجھ کر خود کو اس کے سپرد کر دیں۔ دونوں عورتیں اس جاہل دیہاتن کی بات سن کر مسکرا دیں پھر نہ جانے نیلا کو کیا سوجھی، وہ اس سے "خود سپردگی" کے طریقے پوچھنے لگی۔ بیوقوف نوغلینا نے نہ صرف آپ بیتی کہہ ڈالی بلکہ کئی دوسرے دیدہ و شنیدہ واقعات بھی سنا دیئے۔ نہ جانے وہ اس گھر کے بھیدی سے لنکا ڈھانے کے کتنے واقعات سنتیں کہ راسپوٹین کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ نوغلینا خاموشی سے چلی گئی۔ راسپوٹین کے آتے ہی وہ دونوں بھی اٹھیں اور پھر آنے کا وعدہ کر کے چل دیں۔

ان کے جاتے ہی راسپوٹین بھی باہر نکلا۔ اسے دیکھتے ہی لوگ باتیں کرتے ہوئے خاموش ہو گئے۔ اس نے ڈونیا کو بلایا اور اس سے کپڑے نکالنے کو کہا پھر اس نے حاضرین سے کہا کہ وہ زار سے ملنے جا رہا ہے۔ لہذا سب لوگ جا سکتے ہیں۔ لوگ نیم دلی سے اٹھے۔ ان میں سے اکثر بعض ضروری کاموں سے آئے تھے لیکن ان کی مراد پوری نہیں ہوئی تھی۔ تاہم وہ مجبور محض تھے۔ راسپوٹین خوابگاہ میں داخل ہوا تو ڈونیا اس کے کپڑے پلنگ پر رکھ رہی تھی۔

"اگر کوئی پوچھے تو کہنا میں محل سے کوئی دو تین گھنٹے بعد لوٹوں گا۔" اس نے کہا "لیکن میں دراصل محل نہیں جا رہا ہوں۔" ڈونیا نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "ہاں میں محل نہیں جا رہا ہوں۔ مجھے سکون چاہیئے۔ آسودگی اور

مسرت چاہیئے۔ میں خانہ بدوشوں کے ڈیرے پر جا کر ان سے گانا سنوں گا۔ عورتیں سائبیریا کے میدانوں کے گیت گائیں گی اور لڑکیاں کھلے کھیتوں کے رقص کریں گی۔ سب کچھ حقیقی ہوگا۔ تصنع کہیں کسی چیز میں نہ ہوگا۔ مادرِ وطن کے بچے ماں کی ممتا، کشادہ دلی اور خلوص کے نغمے الاپیں گے۔ ان میں سینٹ پیٹرسبرگ کے مصنوعی ہنگامے نہیں ہوں گے نہ ہی ماسکو۔۔۔" وہ دفعتاً رک گیا
"ماسکو" اس نے زیرِ لب دہرایا۔ یکایک اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا آنکھوں کی پتلیاں پھیلنے لگیں۔ چہرہ چٹان کی طرح سخت ہوگیا۔ سانس تیزی سے چلنے لگی۔ اس کی نظریں خلا میں گڑی ہوئی تھیں۔ گویا وہ کسی کو گھور رہا ہو۔ فیوتیا اس کے قریب کھڑی یہ کیفیت دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے اس کے شانے کو چھوا۔ راسپوٹین کے بدن میں جیسے بجلی دوڑ گئی۔ وہ چونک پڑا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے سے نکل رہے تھے۔ وہ بجلی کی سی سرعت سے اٹھا اور دوسرے ہی لمحے وہ دنیا میں کھو گیا۔

(١٥)

راسپوٹین کے مذہبی دائرہ اختیار اور روحانی بہروپ سے قطع نظر اس کے سیاسی داؤ پیچ کی تکمیل میں نمایاں کردار مناسی وچ مینویلوف نے ادا کیا۔ ج لوگوں نے ان دونوں کو تنہائی میں باہم بیٹھے دیکھا ہے ان کے بیان کے مطابق مینویلوف کے سامنے راسپوٹین وہ راسپوٹین نہ رہتا۔ اس کا لب و لہ چہرے کا اتار چڑھاؤ بات چیت، حرکات و سکنات سب ہی مختلف ہوتا ان میں روحانیت اور تقدس کا رنگ جھلکتا نہ کوئی غیر معمولی انفرادیت کا ش نظر آتا۔ وہ بالکل عام سا آدمی ہوتا۔ گویا تھیٹر کا کوئی اداکار اپنی پیشہ ورا مصروفیت سے فارغ ہو کر اپنے اصلی روپ میں نجی مجلس میں بیٹھا ہو۔ مینویلوف

ـکے آنے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ وہ دن رات کے جس حصے میں چاہتا بلاتکلف
آتا اور گھر کے جس حصے میں چاہتا بے دھڑک چلا جاتا۔ اسے دیکھتے ہی راسپوٹین
سارے کام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتا۔ دونوں کسی کمرے میں چلے جاتے
ن کی نشستیں مختصر ہوتیں، مانوئیلوف جس عجلت سے آتا اسی طرح چلا جاتا۔ نووارد
کے لیے یہ بات انوکھی نہ ہوتی کیونکہ اسے معلوم ہی نہ ہوتا کہ راسپوٹین کے کس
شخص سے کیسے تعلقات ہیں لیکن اس کے عقیدت مندوں اور روزمرہ آنے والوں
کے دلوں میں شکوک و شبہات کا سمندر موجزن تھا۔ ان میں سے اکثر مانوئیلوف کے
ضی اور حال کو بخوبی جانتے تھے۔ کچھ "سادہ لوح" راسپوٹین کو اس "پیر تسمہ پا"
کے چنگل سے رہا کرانا چاہتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو راسپوٹین کے سحر طراز [illegible]
ام میں اسیر تھے۔ لیکن وہ لوگ جن کے راسپوٹین سے محض کاروباری تعلقات تھے
وہ ہمیشہ کسی خطرے سے متوحش اور خائف تھے، اور یہی وہ لوگ تھے جن کے دلوں
ں شکوک و شبہات جنم لے رہے تھے۔ انھوں نے ان دونوں "خفیہ دوستوں" کے
لقات کی بنیاد تلاش کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ راسپوٹین کے سیکرٹری اور ڈونیا
طرح طرح کی رشوتیں دیں لیکن انھیں بھی کچھ معلوم ہوتا تو بتا سکتے! انھوں نے
ہضم کر کے ڈکار تک نہ لی، اور [illegible] دیا۔

مانوئیلوف لباس اور وضع قطع کے اعتبار سے بہت اونچا آدمی تھا۔ وہ بڑھیا
سے بڑھیا سوٹ پہنتا جو سینٹ پیٹرسبرگ کے بہترین درزیوں کے ہاں سلے
ہوتے۔ کسی دن شیو کیے بغیر نظر نہ آتا۔ بالوں کو خاص ترتیب سے سنوارے رکھتا
چال ڈھال، بات چیت، حرکات و سکنات ہر بات سے نفاست و شائستگی

اور بلند اخلاق کا مظاہرہ کرتا تاہم اس کے ماضی سے واقف لوگ ان باتوں کو تصنع اور دکھاوے پر محمول کرتے، اسے اس ردعمل کا علم تھا یا نہیں لیکن وہ اپنے وطیرے میں کوئی فرق نہ آنے دیتا تھا۔ راسپوٹین کے ملازموں تک سے ہنس کر بات کرتا یہی وجہ تھی کہ اس سے پہلی مرتبہ ملنے والے فوراً اس کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔

مینویلوف وزارت داخلہ سے منسلک تھا۔ اس کی ساری زندگی سیاسی جوڑ توڑ، ریشہ دوانیوں، نت نئی سازشوں اور بلیک میل کرنے میں گذری تھی وہ یہودی النسل تھا لیکن لڑکپن ہی سے پرنس میشکر کے سایۂ عاطفیت میں آ چکا تھا۔ اس کی نظر التفات کی وجہ سے اس کی عادات، مزاج اور لباس میں سلیقہ آ گیا تھا اور وہ اعلیٰ سوسائٹی سے متعارف ہوا تھا۔ اس نے ملک کی بعض بڑی اہم اور قابل قدر خدمات انجام دی تھیں جن کے صلے میں اسے متعدد خطابات اور انعامات سے نوازا گیا۔ اس نے پیرس جا کر زار کی مخالف انقلابی تحریک کے سرغنوں کا سراغ لگایا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے روم، لندن اور ہیگ میں اس تحریک کی پشت پناہی کرنے والوں کے منصوبوں کو ناکام بنایا یہی نہیں بلکہ اس نے ان ملکوں اور دہلی، آنا، اشاکہ ہام وغیرہ میں روسی جاسوسوں کی تنظیم بھی کی۔ وہاں جاپان اور جرمنی کے سفارت خانوں سے کئی اہم راز معلوم وطن واپس آ کر مینویلوف نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز داخلی سیاست کو بنا اس کے ساتھ ہی وہ دوسرے بیسیوں داؤ پیچ کرنے لگا۔ اس نے متحارب سیاسی گروہوں کے لیے بیک وقت کام کرنا شروع کیا۔ اس کے ہاتھ کا ڈنڈ

ے خفیہ کاغذات کا خزانہ لگا تو اس نے اسے حزب اختلاف کے ہاتھ فروخت
دیا۔ نتیجتہً اس عظیم پیرا سنے سیاستدان کو ہمیشہ کے لیے سیاست سے کنارہ کش ہونا
ا پھر اس نے سرکاری دستاویزات اور راز حاصل کئے اور انہیں مشہور انقلابی
نیعف کے ہاتھ بیچ دیا۔ جس نے امریکہ میں زار کے خلاف انقلاب پسندوں کو
ظم کیا تھا۔ اسی نے پادری گیپن کو حکومت کے خلاف تشدد پہ ابھارا جس
وجہ سے تاریخ کے صفحات پر روس کا خونی اتوار" والا واقعہ رقم ہوا اس
ن شاہی محل کے سامنے اتنا خون بہا تھا کہ زمین لالہ زار ہو گئی تھی۔ اور
ہ نے بعد میں پادری گیپن کو قتل کروا دیا۔ کبھی کسی جلاوطن یہودی کو حقوق
ریت دلانے کے بہانے خاصی رقم بٹور لی یا کسی سے جبری فوجی ملازمت
ہ چھٹکارا دلانے کے وعدے پر کچھ اینٹھ لیا۔ کسی رئیس کا کوئی کمزور پہلو
، لگا تو اسے بلیک میل کیا۔ شروع شروع میں تو اس نے راسپوٹین کی
مخالفت کی اس کے جانی دشمن جنرل بوگدانیووچ کا دست راست بنا رہا۔
، جب اسے معلوم ہوا کہ وزیر داخلہ میکلا کوف راسپوٹین کا طرفدار
، تو وہ راتوں رات پینترہ بدل کر اس کی طرف آ گیا۔ اسے اپنے اعتماد
میں لینے کے لیے مینولوف نے اسے جنرل کے تمام عزائم اور منصوبوں
آگاہ کر دیا جس سے راسپوٹین بروقت محتاط ہو گیا۔ ان ہی خدمات کے
بدلے اسے زارینہ کی نگاہ کرم حاصل ہو گئی اور وہ وزیر اعظم کا سیکرٹری بنا
ہ اس کے ذریعے راسپوٹین نے وزارت عظمیٰ کے مضبوط قلعے میں نقب لگا،
تھی۔ زار اور ملکہ اس کی مٹھی میں تھے ہی، وزیر داخلہ بھی اپنا خاص آدمی

تھا، اب سلطنت کا کوئی خارجی یا داخلی راز اس کے لیے راز نہ رہا تھا تاہم
وہ پینو یلوف کی وفاداری سے مطمئن نہ تھا۔ نجانے کس وقت وہ ہوا کا رخ دیکھ
کر پینترا بدل لے۔ لہٰذا وہ وزیر اعظم بھی اپنا چاہتا تھا۔ اس کی نگاہِ انتخاب
بورس اسٹرمر پر پڑی۔ اس کام کے لیے پینو یلوف بہترین آدمی تھا۔ اسی کی
داشتہ، اداکارہ لیرا اور لودا کے گھر راسپوٹین اور اسٹرمر کی ملاقات کا ذفتہ
ہوا۔ اس ملاقات میں راسپوٹین کو فیصلہ کرنا تھا کہ آیا وہ وزارت عظمیٰ کے عہدے
کا اہل ہے بھی کہ نہیں۔ اس ملاقات پر پینو یلوف کے مستقبل کا بھی انحصار تھا کیونکہ
اسٹرمر نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ کامیابی کی صورت میں وہ اسے اس کے
حسب منشا عہدہ دے گا۔

یہ ملاقات کامیاب رہی اور پینو یلوف کے لیے اہم بھی اسے اپنے
خوابوں کے سنہری محل مکمل ہوتے نظر آگئے اور ساتھ ہی اس پر لیرا کی بے وفائی
بھی آشکار ہو گئی۔ وہ یوں کہ اس نے اس دن شاہی اصطبل کے داروغہ بیانکی
کو اس کی خواب گاہ میں پکڑ لیا۔ وہ اسے بخشنے والا کب تھا۔ پولیس کے سربراہ
بیلکی سے کہہ کر اس نے داروغہ کو گھوڑوں کی چوری کے الزام میں دھر دبایا
اسے سزائے قید ہو گئی بیلکی نے اس خدمت کے عوض اس سے راسپوٹین
کے خلاف جاسوسی کرنے کا مطالبہ کیا جسے اس موقع پرست طالع آزما
نے بخوشی منظور کر لیا تاہم اس نے راسپوٹین کو بھی اس سے آگاہ کر دیا کیونکہ
خدشہ تھا کہ راسپوٹین جیسے ماہر فن عیار سے یہ بات چھپی نہ رہ سکے گی۔
حفظ ما تقدم سے مطمئن ہو کر اس نے دو دھاری تلوار چلانی شروع کر دی

سے پولیس والوں کے عزائم پہلے ہی ڈھکے چھپے نہ تھے لیکن اس کے بہت سے کرتوت جلد ہی بر عیاں ہو گئے۔

راسپوٹین اگر اپنی جگہ شاطر تھا۔ مینویلوف بھی اس سے کم نہ تھا۔ کئی ماہ کی مسلسل سوچ بچار کے بعد وہ دور کی کوڑی لایا۔ چند دنوں بعد راسپوٹین کے پڑوس کے فلیٹ میں اسنارسکی نامی ایک شخص آ ٹھہرا۔ اس نے راسپوٹین سے جلد ہی تعلقات استوار کر لیے۔ جو اتنے پختہ ہو گئے کہ راسپوٹین کے ہمراہ قمار خانوں اور تفریح کے دیگر مقامات پر آنے جانے لگا۔ اس کے فلیٹ میں راسپوٹین کو غیر ملکی عمدہ شراب، سگریٹ اور غیر ملکی لڑکیاں بھی ملنے لگیں۔ یہ چیزیں راسپوٹین کے لیے نئی تھیں۔ روس میں ان پر پابندی تھی۔ اگر وہ چاہتا تو غیر ملکی سفارت خانوں کے ذریعے ان کا حصول ناممکن نہ تھا۔ لیکن اس سے اس کی "وطن پرستی" پر حرف آتا تھا۔ اب راتوں کی تاریکی میں وہ اس نعمت غیر مترقبہ سے دل کھول کر لطف اندوز ہو سکتا تھا۔ اسنارسکی نے اسے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا کہ وہ بین الاقوامی تاجر ہے۔ بات اس کے برعکس تھی۔ وہ خفیہ پولیس کا ایک افسر تھا جسے بلیٹسکی نے اس کار خاص پر لگایا تھا اسی نے اپنا اثر استعمال کر کے راسپوٹین کے پڑوس میں ایک فلیٹ اس کے مکین سے خالی کروا کر اسے دلوایا تھا۔ یہ سازش مینویلوف کے ذہن کی اختراع تھی اسنارسکی ایک ہی کائیاں نکلا وہ جان چکا تھا کہ طاقت کا اصل مرکز کون ہے اور کس کا ساتھ دینے میں فائدہ ہے۔ وہ بلیٹسکی اور مینویلوف دونوں کو راسپوٹین کے سامنے طفل مکتب سمجھتا تھا اس نے راسپوٹین کے سامنے ساری بات اگل دی اور ساتھ ہی اسے مینویلوف سے ہوشیار

رہنے کو کہا بلیٹسکی بزعم خویش خوش تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر ملیوکوف اس سے تین پانچ کرتا ہے تو کرے، صحیح رپورٹیں تو اسنارسکی سے مل ہی جاتی ہیں۔ لیکن اس بے وقوف کو علم نہ تھا کہ ملیوکوف کانٹ چھانٹ کر کچھ نہ کچھ اس کے حوالے کرتا بھی تھا، اسنارسکی تو اسے بالکل غلط سمت میں دوڑاتا تھا۔ ایک مرتبہ بلیٹسکی اور خووستوف نے راسپوٹین کو جال میں پھانسنے کا پروگرام بنایا طے یہ ہوا کہ اسنارسکی رات کو اسے خوب شراب پلائے اور جب وہ نشے میں وحشت اپنے گھر جانے لگے تو کرائے کے غنڈے اس کی خوب پٹائی کر دیں۔ جب اسے مار مار کر آدھ موا کر دیا جائیگا تو بلیٹسکی اس کی مدد کو آ پہنچے گا۔ غنڈے بھاگ جائیں گے اور راسپوٹین اس کا احسان مند ہو جائے گا اس موقعہ کے لیے خاص اٹلی کی شراب اور ارینہ کی حسین ڈیل دوشیزائیں مہیا کی گئیں لیکن غنڈے طے شدہ پیشگی رقم لے کر انتظار ہی کرتے رہ گئے۔ بادہ نوشیں بھی خم پہ خم لنڈھائے گئے۔ راسپوٹین مرد پرستی سے مست بھی ہوا اور نشہ میں وحشت بھی لیکن اپنے گھر میں بلیٹسکی جال بچھا کر رہ گیا۔

ان ہی دنوں وزارتوں میں تبدیلی ہوئی، گوریمکن کی جگہ اسٹرمر وزیر اعظم بنا اور پرنس شیکر بیٹوف کی جگہ خووستوف وزیر داخلہ بظاہر اس تبدیلی کی کوئی وجہ نہیں تھی روس میں زار نکولائی کے عہد میں وزارت کا قلمدان ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہونا معمولی بات تھی۔ لیکن اس میں حسب معمول راسپوٹین کا ہاتھ تھا۔ اسے گوریمکن کو ہٹانے کی کوئی معقول وجہ نظر نہ آتی تھی کیونکہ وہ مرنجان مرنج قسم کا آدمی تھا جس نے راسپوٹین کی بظاہر کبھی مخالفت نہیں کی تھی۔ اسے اپنا دشمن ثابت کئے بغیر راسپوٹین نے سیدھا زار کو اسے ہٹانے کی سفارش کرنا

ہمان نہ تھا۔ ادھر ملینویلوف تھا کہ جلد از جلد اسٹمر کو اس عہدے پر دیکھنے کا متمنی تھا
وں جوں وقت گذرتا جاتا، اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ بالآخر ایک ایسا واقعہ
ش آیا۔ جس نے راسپوٹین کو مجبور کیا کہ وہ اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنائے۔ یہ ۹ اگست
۱۹ کا واقعہ ہے۔ راسپوٹین دریا کے راستے پوکروو سکو جا رہا تھا۔ اسی جہاز سے
ند فوجی چھٹیوں پر اپنے گھر توبولسک جا رہے تھے۔ وہ اپنے ہم وطنوں سے جلد
ہا بے تکلف ہو گیا۔ انہیں اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور خوب شراب پلائی۔ ساتھ
ں انہیں گانے کا حکم دیا۔ گانے کے دوران وہ انہیں مٹھی بھر بھر کر نوٹ دیتا رہا۔ یہ
ں فوجی قواعد کے صریحاً خلاف تھیں۔ راسپوٹین کے مخالفوں کو اس سے خاطر
اہ فائدہ اٹھانے کا خداداد موقعہ ہاتھ آیا۔ اسے سیاسی رنگ دینے کے لیے اتنا
ں تھا کہ وہ فوجی سب کے سب راسپوٹین کے اپنے علاقے کے تھے۔ لمبی
ی رپورٹیں تیار کی گئیں جن میں حقیقت کم افسانہ زیادہ تھا۔ وزیر داخلہ نے راسپوٹین
دوستی کا دم بھرنے کے باوجود رپورٹوں کو وزیر انصاف کے حوالے کر دیا، جس نے
کر اپنا دامن بچا لیا کہ فرد جرم عائد کرنے کے بعد ہی وزارت انصاف کا کام شروع
ہے۔ اس سے پہلے نہیں۔ تفتیش وزارت داخلہ کا کام ہے، یہ وزیر انصاف خود
ف کا بھائی تھا۔ وزیر داخلہ اب بھی چاہتا تو معاملہ رفع دفع ہو سکتا تھا۔ لیکن
ندیشی سے اس نے اسے وزیر اعظم گورمیکن تک پہنچا دیا۔ اسی وقت بلیکی چیتے
ں پھرتی سے کمین گاہ سے نکلا۔ تاہم اس نے بے مثل فہم و تدبر سے کام لیا۔ راسپوٹین
ں راست مطلع کرنے کی بجائے اس نے اپنا پردیودا کو اس اندر ہی اندر پکتے
ے لاوے سے آگاہ کیا۔ اینا۔ نے زارینہ کو بتایا۔ اس نے راسپوٹین سے

اس واقعہ کی تصدیق چاہی۔ راسپوٹین نے یہ تو تسلیم کیا کہ اس نے فوجیوں کو انعام
بھی دیا اور انہیں مدعو بھی کیا۔ لیکن اس نے اس واقعہ کو اہمیت دینے سے انکار کر دیا
اس کے برعکس اس نے یہ توضیح کی کہ اس نے سائبیریا کے فوجیوں کو زار کا زیادہ
وفادار بنانے کے لیے انہیں انعام و اکرام دیا اور انہیں اس لیے مدعو کیا کہ وہ زار
کے شاہی محلات کے قائل ہوں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فوج میں بھرتی
ہونے کی ترغیب دیں۔ زارینہ نے جب اس کے اس جذبے کی زار سے
تعریف کی تو وہ بے حد خوش ہوا۔ اس نے فوراً راسپوٹین کو بلا بھیجا۔ جب
محل سے لوٹا تو گورمیکن اور پرنس شیکباتوف کی برطرفی اور اسٹرمر اور اس کے ساتھیوں
سٹاف کے تقرر کے احکامات جاری ہو چکے تھے۔ راسپوٹین کو نئی وزارت سے بڑی
دلچسپی تھی۔ اسے پیٹنیکی کی خدمات کا علم بھی حاصل ہو چکا تھا۔ وہ راسپوٹین کا بااعتماد
دوست بن گیا۔ اس کی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی۔

کہا جاتا ہے کہ پیٹنیکی نے بڑی عرق ریزی سے یہ جال پھیلایا تھا۔ اس کے
تیر سے تین شکار کرنے تھے۔ گورمیکن سے اسے اس لیے نفرت تھی کہ وہ ضعیف
شخص تھا۔ اس میں قوت ارادی کا بھی فقدان تھا۔ اور وہ بزدل بھی تھا۔ وہ زار
کے خلاف کوئی قدم اٹھانا نہ چاہتا تھا۔ لہٰذا پیٹنیکی کو راستے سے ہٹا سکے
چارہ نظر نہ آیا۔ اس کا دوسرا مقصد خود سٹرمر کو برسر اقتدار لانا تھا اور سب
بڑا مقصد راسپوٹین کا دل جیتنا۔ تینوں مقاصد میں اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی
پیٹنیکی کے مشورے سے راسپوٹین نے مکان تبدیل کر لیا اور گورنمنٹ کو
اسٹرمر کے حکم سے اس کی حفاظتی تدابیر تیز کر دی گئیں۔ اس نے خفیہ پولیس کے

ڈاکٹر بیشیف کو ذاتی طور پر بلا کر کہا کہ زار اور ملکہ کی یہ خواہش ہے کہ راسپوٹین کی ہر وقت نگرانی کی جاتی رہے۔ اس کے بعد سے ۲۴ [illegible] کر دیا۔ گویا خفیہ پولیس کا ایک ہی ایجنڈا یہ ہو گیا کہ کسی ان جانے دشمن کے خلاف راسپوٹین کی حفاظت کے لیے لیکن درحقیقت اسی جگہ محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی لمحہ لمحہ کی حرکات و سکنات کی نگرانی کی جائے۔ یہ سچ ہے کہ زار اور ملکہ کے ایما سے ایسا ہوا تھا۔ لیکن انہیں اسٹرمر نے سمجھا دیا تھا کہ راسپوٹین کی جان ہر وقت خطرے میں رہتی ہے۔ اور اسٹرمر کو ایسا کرنے کا یہ وسیلہ [illegible] تھا۔ جسے ہر وقت دھڑکا رہتا تھا کہ کہیں راسپوٹین [illegible] اسٹرمر کو [illegible] کی طرح نکال نہ پھینکے۔ خفیہ پولیس کا جال بچھانے سے اسٹرمر راسپوٹین کی نقل و حرکت پر آنکھ رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ [illegible] کی نگرانی کرنا تھی جو اس سے ملتے جلتے تھے۔ ایسے تمام لوگوں کے نام خفیہ پولیس رجسٹر میں درج تھے۔

راسپوٹین کے مکان میں داخل ہوتے ہی گوشت سبزیوں کے شوربے یا [illegible] کی خوشبو [illegible] کے درمیان ڈھیلے ڈھالے سوٹوں اور [illegible] والے بعض آدمی ادھر ادھر پھرتے دکھائی دیتے انہیں دور ہی دیکھنے سے پتہ چل جاتا تھا کہ ان کا پیشہ کیا ہے۔ گھر کے [illegible] لیکن [illegible] جانے والے ان میں سے ہر ایک کو پہچانتے تھے بلکہ کچھ لوگوں [illegible] [illegible] بھی تھی۔ انہوں نے بھی خود کو [illegible] [illegible] [illegible] راسپوٹین [illegible] زندگی [illegible] ہو جاتا۔

دربان کے کوارٹر میں، اس کی بیوی یوراولیوا کے پاس ورتن کینٹیا اور دھوبن یوٹیلیہ
فرصت کے اوقات میں آکر بیٹھتی تھیں۔ خفیہ پولیس والوں نے ان سے دوستی گانٹھ رکھ
تھی اور انہیں باہم بیٹھے دیکھ کر ایک آدھ آدمی پہنچ جاتا۔ وہاں راسپوٹین کے متعلق ا
باتیں معلوم ہو جاتیں کہ پولیس کی ڈائری کے تین چار اوراق بخوبی پُر ہو جاتے۔ ان عورتو
کی زبان کھولنے کے لیے چند نقرئی سکے یا ایک آدھ تحفہ کافی تھا۔ بلکہ کینٹیا اور یور
تو ان کے بغیر بھی سب کچھ اگل دیتی تھیں۔ ان کی زبان یوں بھی قینچی کی طرح چلتی تھی ا
جب کوئی پولیس والا ان کی ذرا سی تعریف کر دیتا تو وہ اپنے آپے میں نہ رہتیں۔
بڑے فخر سے بتاتیں کہ اعلیٰ طبقے کی خواتین کا چہیتا راسپوٹین جب بیگمات اور
اداکاراؤں سے اکتا جاتا تو کینٹیا کا دروازہ کھٹکھٹاتا یا یوٹیلیا کو رات بسر کرنے کے
بلا بھیجتا۔ اس میں کہاں تک صداقت تھی یہ تو وہی جانیں لیکن اس کا اتنا اثر ضرور
خفیہ پولیس والے بھی انہیں کسی لائق التفات سمجھنے لگے۔ یوراولیوا سے جاری ا
معلومات سے جاری تھی۔ لیکن ایک دن اس نے ہنسی جھجکتے ہوئے بتا ہی دیا کہ
رات راسپوٹین نشے میں چور لوٹا۔ اس نے دروازہ کھولا تو اس نے اسے بھینچ
اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ نوکروں نے دوڑ کر اسے راسپوٹین کی گ
سے چھڑایا۔ اس پر کینٹیا نے ہنستے ہوئے کہا کہ ایسا ہی ایک واقعہ سابق دربان
بیوی کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ اس رات بھی راسپوٹین نشے میں بہکتا ہوا آ
اس نے کینٹیا کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ لیکن دروازہ نہیں کھلا۔ یوٹیلیا بھی کہیں گئی
تھی۔ راسپوٹین نے دربان کے کوارٹر کا رخ کیا۔ اس کی بیوی اکیلی تھی لہٰذا سیدھے
سے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ صبح ہونے سے پہلے دونوں میاں بیوی دربار

چلے گئے۔ کیٹیا اور یوٹیلیا ایسی باتیں اس سیلے بھی کرتی تھیں کہ اس طرح ان کا نام سپوٹین جیسی شہرۂ آفاق شخصیت سے وابستہ ہو کر شاہی محل تک پہنچ جاتا تھا۔ اس بر معمولی اہمیت پر وہ نازاں تھیں۔

جو رپورٹیں ہیڈ کوارٹر میں پہنچتی تھیں۔ ان میں کام کی چیزوں کے علاوہ بیسیوں ہ سر و پا باتیں بھی ہوتیں۔ لیکن انہیں من و عن افسر اعلیٰ گلوبیشیف تک پہنچا دیا جاتا ، میں سے مطلب کی بات چھانٹ کر انہیں اسٹرمر کو پیش کرنا اس کا کام تھا۔

"۱۰ر جنوری۔ ایکسلینسی کی بیوی اناسیٹیا شیو ویلینکو وانے راسپوٹین کو ایک ن دیا۔"

"۲۲ر جنوری۔ کونسلر وان بوک شراب کی بوتلیں لایا۔"

"۱۲ر فروری۔ نکولائی گلازوف آج ملنے آیا۔ وہ شراب کی کئی بوتلیں و لایا۔"

"۱۴ر مارچ راسپوٹین کا سیکرٹری سائمینو دیکھا باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک تھا جس میں شراب کی کچھ بوتلیں اور پنیر تھا۔"

"۱۴ر جون زار سکوسیلو کے نیشنل اسکول کا انسپکٹر شراب کی بوتلوں کی ایک ی لایا۔"

بعض اوقات تو گلوبیشیف ان رپورٹوں کو جھنجلا کر پھینک دیتا اور ان کے والوں کو خوب پھٹکارتا۔ جس کا اثر یہ ہوتا کہ پولیس والے اپنی سرگرمی تیز کر ، اور کارگزاری دکھانے کے لیے جھوٹی سچی رپورٹیں گڑھتے۔ جہاں انہیں ر اُدھی باتیں کرتے نظر آتے، وہ کان لگا کر کھڑے ہو جاتے۔ وہ گھر کے

ذرائع، خصوصاً دنیا پر کڑی نظر رکھتے۔ وہ جس انداز سے آنے والے کا استقبال کرتی اس سے وہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کرتے کہ کسی شخصیت سے ماگریڈونا کس حد تک سردمہری دکھاتی تو یہ جان لینا مشکل نہ تھا کہ مہمان ناپسندیدہ ہے۔ کبھی کبھار کوئی خود ان والوں کے قابو میں آجاتا۔ وہ انہیں بھی اپنا سا سائل سمجھ کر اپنے آنے کا مقصد بتاتے۔ پولیس والوں کی رپورٹ میں کسی وزیر، سرکاری افسر یا کسی اہم شخصیت کا نام درج ہوتا تو راسپوٹین کے خلاف ردعمل کا پتہ چل جاتا اور اس کے کردار کے بہت سے پہلو بھی نمایاں ہو جاتے۔ مثلاً۔

۳۰ر نومبر۔ ایک لفٹیننٹ کی بیوی سینٹ پیٹرسبرگ سے اپنے شوہر کے تبادلے کے احکامات منسوخ کروانے کے لیے آئی۔ اس نے باہر نکل کر بتایا کہ جب وہ اسے ایک کمرے میں چھوڑ گیا تو راسپوٹین آیا جسے اس نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس نے اسے ساتھ والے کمرے میں چلنے کو کہا۔ وہاں راسپوٹین نے زبان سے ایک لفظ نکالے بغیر اسے تمام کپڑے اتار دینے کو کہا۔ عورت نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ چند باتوں کی تسکین کے بعد اس نے عورت سے کہا کہ چونکہ وہ اسے پسند نہیں آئی اس لئے اس کا کام نہیں ہو سکے گا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ عورت نے کپڑے پہنے اور بے نیل و مرام باہر نکل آئی۔

۳۰ر دسمبر۔ مادام لیکارٹ اپنے شوہر کے لئے سفارش کروانے آئی۔ راسپوٹین اسے تعمیل پر آمادہ کرنا چاہا۔ اس کے انکار پر اسے گھر سے نکال دیا گیا۔ مادام خلاف پولیس میں رپورٹ درج کروانے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن اس کے شوہر کی پوزیشن کے مدنظر ہم نے اسے منع کر دیا۔ آج سینیٹر مینشوف کی بیگم بھی آئی۔ راسپو

نے اسے رات ایک بجے آنے کو کہا"

"۱۹/ جنوری۔ کرنل ناماریوف کی بیوی آئی تھی لیکن فوراً غصے سے پیچ و تاب کھاتی ہوئی باہر نکلی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ راسپوٹین اس کے سامنے ہی ایک کمسن لڑکی سے ناشائستہ حرکتیں کرنے لگا جس سے اسے سخت صدمہ ہوا۔ وہ کہتی تھی کہ کرنل سے اسے گولی مروا دے گی۔ لیکن ہم نے اسے کرنل تک بات پہنچانے سے منع کر دیا۔ اسی طرح ونان کی ماں نے ہنگامہ کرا دیا جو اپنی لڑکی کے ہمراہ آئی تھی اور یہ کہتے ہوئے باہر نکلی کہ روس بھر میں کوئی غیرت مند مرد نہیں ہے جو اس شیطان صفت شخص کو موت کے گھاٹ اتار دے"

"۳/ دسمبر۔ نوبیا نگا کے گرجا کا پادری ایک شخص کے ساتھ آیا واپسی پر وہ راسپوٹین کا مذاق اڑا رہا تھا۔ کہتا تھا کہ اسے قلم پکڑنے کی تمیز ہے نہ بات کرنے کی۔ یہ سن کر راسپوٹین کا ایک غیرت مند اس پر ٹوٹ پڑا۔ قریب تھا کہ بات بڑھ جاتی۔ لیکن ہم نے بیچ بچاؤ کر کے معاملہ رفع دفع کرا دیا۔ ورنہ ایک آدھ قتل تو ہو ہی جاتا۔"

"۵/ فروری۔ بنک کار روبنسٹن نے راسپوٹین کو پچاس ہزار روبل دیئے وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے"

"۶/ فروری۔ تاجر پوپوین باہر نکل کر نوکروں سے پوچھنے لگا کہ راسپوٹین کو کیا ہو گیا ہے۔ سامنے والے فلیٹ کے نوکرانی نے بتایا کہ کل رات اسے اسٹیشن پر ایک فوجی افسر نے بہت مارا تھا۔ فوجی افسر کا نام پتہ معلوم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے"

جب اس قسم کی رپورٹیں گلوبیشیف کو ملتیں تو سرکاری مشینری فوراً حرکت میں آ جاتی اور راسپوٹین کو جان سے مارنے یا مروانے کی دھمکی دینے والے کے خلاف کارروائی شروع ہو جاتی، اسے طرح طرح سے پریشان کیا جاتا جس فوجی افسر نے اسے پیٹا تھا۔

اس کی جلد ہی توہ لگائی گئی۔ بہانہ تراش کر اس کا کورٹ مارشل کیا گیا پھر اسے ایک دور دراز علاقے میں بھیج دیا گیا۔ یہ سب زار اور ملکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ اسٹر مر اور بلیتسکی اس طرح راسپوٹین کی نظروں میں چڑھتے گئے۔ البتہ بے چارہ مینو یلوف جس کا یہ سب کیا کرایا تھا۔ وزیر اعظم کا سیکرٹری ہی رہا۔ اس نے بارہا اسٹرمر کو اس کا وعدہ یاد دلایا۔ لیکن وہ ٹالتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر راسپوٹین۔ مینو یلوف کو وزیر بنانا چاہتا تو وہ کب کا اسے کہہ چکا ہوتا۔ شاہی محل یا بڑے بڑے لوگوں کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغامات راسپوٹین تک پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں اڑا لیے جاتے۔ انہیں پڑھا جاتا اگر اہم ہوتے تو انہیں حرف بہ حرف رجسٹر میں درج کر لیا جاتا۔ پھر پیغام رساں کو اندر جانے کی اجازت دی جاتی۔ جب ملتا تو اسے حرف بہ حرف نقل کر لیا جاتا۔ پیغام رسانوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کے لیے چھنگے کا فی تھے۔ تعاون نہ کرنے والوں کو طرح طرح سے پریشان کیا جاتا۔ ڈاکیوں کو تو باقاعدہ احکامات تھے کہ ساری ڈاک پہلے خفیہ پولیس کے حوالے کر دی جائے۔ حتےٰ کہ راسپوٹین کے ملازم بھی آتے جاتے چند لمحوں کے لیے ان کے پاس رک جاتے اور کوئی شوشہ چھوڑ جاتے۔ ڈاک سے آنے اور جانے والے خطوط اور ٹیلیگرام کے لیے الگ رجسٹر تھا، جس میں تاریخ وار مندرجات تھے۔

راسپوٹین کے زہد و تقدس کا بھانڈا پھوڑنے والوں میں سب سے نمایاں نام ڈونیا کا ہے۔ اسے راسپوٹین کی سیاسی سرگرمیوں کے متعلق تو کچھ علم نہ تھا البتہ وہ اس کے سفلی جذبات اور رشتوں کا سارا کچا چٹھا بلا جھجک بیان کرتی رہتی۔ بعض اوقات تو پولیس والوں کے قلم ان واقعات کو درج کرتے ہوئے رک

جاتے، ان کی انگلیاں کانپنے لگتیں اور ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوتے لیکن ڈوونیا عورت ذات ہونے کے باوجود تمام شرمناک واقعات الف سے یے تک سنا جاتی۔ یوں لگتا جیسے عورت کی فطری شرم و حیا میں سے اسے کوئی حصہ نہیں ملا یا پھر انسانیت کی شب و روز بے حرمتی سے وہ بے حس ہو چکی تھی۔

راسپوٹین عموماً ڈھیلے ڈھالے بھدے لیکن بیش قیمت کپڑوں میں ملبوس رہتا۔ لیکن بعض اوقات تو وہ اتنے سلیقے سے لباس پہنتا کہ اس پر کسی بڑے رئیس یا شاہی خاندان کے فرد کا گمان ہوتا۔ اس کے چہرے پر وقار جھلکتا اور چال ڈھال میں تمکنت ہوتی۔ جب وہ گھر سے باہر نکلتا تو وہاں کھڑے ہوئے لوگ اس کا پرجوش استقبال کرتے، اسے دیکھتے ہی سر سے ٹوپیاں اتار کر تعظیماً جھک جاتے۔ ان میں خفیہ پولیس والے بھی ہوتے تاہم وہ ان میں سے ہر ایک کو بخوبی پہچانتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ہیئت کے کارخاص کے آدمی کون ہیں، کرنل کومیسرف کی پولیس کے لوگ کون ہیں، اور جنرل اسپریڈووچ جتنے کہ وزیر داخلہ اور وزیر اعظم کے اپنے خاص آدمی کون کون ہیں۔ ان کے علاوہ بنک کاروں، دلالوں اور غیر ملکی سفیروں کے جاسوسوں کی بھی ایک فوج تھی۔ یہ سب ایک دوسرے سے خائف تھے اور کسی پر اعتماد نہ کرتے تھے۔ انہوں نے اپنا اپنا عملہ رکھا تھا۔ راسپوٹین یہ دیکھ کر بڑا خوش ہوتا تھا۔ اس سے اس کی انا کی تسکین ہوتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ جتنی اہمیت اسے دی جا رہی ہے۔ اتنی زار کو بھی نہیں دی جاتی۔ اسے نہ صرف ملک بھر میں مرکزی حیثیت حاصل بلکہ غیر ملکوں میں بھی اس کی ذات پر غیر معمولی توجہ دی جاتی تھی۔ یہ اعزاز غالباً اس دور کی کسی شخصیت کو حاصل نہ تھا۔ اس سے بلاشبہ اسے اپنے وقت کا سب سے

طاقت ور شخص تسلیم کرتا پڑتا ہے۔ وہ اصفہان بن کر ملک کی تمام مقتدر شخصیتوں کو الو بنا رہا تھا۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ پولیس، خفیہ پولیس اور ایجنٹوں کی یہ فوج اس کی حفاظت کے لیے کم، اور اسے مقید رکھنے کے لیے زیادہ سرگرم عمل ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا ہر قدم صفحہ قرطاس پر نقش ہو جاتا ہے، اس کی ہر حرکت اگلے دن ہی ملک کی مختلف شخصیتوں کے کانوں تک پہنچ جاتی ہے۔ تاہم وہ اپنی چار دیواری میں خود کو محفوظ اور پولیس والوں کی دسترس سے دور سمجھتا تھا۔ اسے اپنے تمام ملازموں پر اعتماد تو نہ تھا لیکن ڈونیا اور سیکریٹری کے متعلق اسے قطعاً شبہ نہ تھا اگر اسے کسی عورت کے ساتھ اپنی غیر شائستہ حرکت کے الم نشرح ہونے کا علم ہوتا تو بھی وہ یہ سمجھتا کہ یہ اسی عورت کی کارستانی ہے۔ اسے گمان میں بھی نہ تھا کہ ڈونیا خبر ایجنسی ہے۔

یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ کسی سے خائف نہ تھا اور اپنے رویے میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ اسے نہ کسی کی خفگی، نہ کسی کی دل شکنی یا امرا وزرا، بیگمات، افسروں، دوستوں، مریدوں، بیوی بچوں کے ردعمل، کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ وہ دنیاوی لذائذ اور لذتوں سے جی بھر کر سیر ہو چکا تھا۔ اکثر اوقات وزیر داخلہ خووستوف یا بلیٹسکی اپنا خلوص جتانے کے لیے اسے پولیس کی رپورٹ دکھاتے اور اسے محتاط رہنے کو کہتے لیکن اس پر مطلق اثر نہ ہوتا۔ البتہ جب کوئی غلط رپورٹ دیکھتا تو سیخ پا ہو جاتا۔ پولیس والوں کو بے نقط سناتا اور پھر خود واقعہ کی تصحیح کرتا۔ لیکن الزام سے منکر نہ ہوتا۔ مثلاً ایک رپورٹ میں لکھا تھا کہ وہ کو اداکارہ وارووارا اس کے ساتھ رات بھر رہی۔ راسپوٹین کہنے لگا یہ غلط ہے،

نصف شب ہی کو چلی گئی تھی ۲۴ اپریل کی ایک رپورٹ پڑھ کر اسے اس لیے غصہ آیا کہ اس میں اس عورت کو غیر معروف بتایا گیا تھا جس نے اس کے ساتھ شب بسر کی تھی۔ راسپوٹین مصر تھا کہ اس کا نام بھی ظاہر کیا جائے۔ پولیس والے اس لیے ایسا نہ کر سکتے تھے کہ وہ ایک وزیر کی بیوی تھی۔ اس نے ۱۱ مئی کی اس رپورٹ کو بھی غلط بتایا کہ ایک مشہور کرنل کی بہن اس کے پاس کچھ وقت بیٹھ کر چلی گئی۔ بلکہ اس کے مطابق وہ اس کی خواب گاہ میں کئی گھنٹے رہی۔ وہ کہا کرتا کہ اس طرح نامکمل اور غلط رپورٹیں لکھ کر پولیس والے اپنا فرض منصبی ایمانداری سے نہیں بجا لاتے تھے۔ اس کے معترضین کے کہنے کے مطابق اس کا مقصد ان تمام شخصیتوں کو ملوث کرنا اور ان کے کرتوت کو بے نقاب کرنا تھا جن سے وہ مطلقاً اغماز برتا جاتا تھا۔ اس سے اس کی انانیت ظاہر ہوتی تھی لیکن وہ پولیس والوں سے براہ راست کچھ نہ کہتا تھا ان سے مسکرا کر ملتا۔ تاہم وہ صرف گلوبشیف کے آدمیوں کو نہایت قابل اور مستعد کارکن سمجھتا تھا۔ دوسروں کے متعلق اس کی رائے اچھی نہ تھی۔ انہیں وہ کبھی کبھار جل بھی دے جاتا۔ گلوبشیف کے آدمیوں سے وہ ترجیحی سلوک کرتا کبھی کبھار انہیں چائے پر مدعو کرتا۔ ان سے گپیں لڑاتا اور ان کی ہمت افزائی کرتا۔ بسا اوقات انہیں ایک آدھ کام کی بات بھی بتا دیتا۔ وہ اس کے حسن سلوک سے اتنے متاثر ہو گئے تھے کہ اس کے خلاف بادلِ ناخواستہ ناخوشگوار فرائض انجام دیتے تھے یہی وجہ تھی کہ ایک مرتبہ نصف شب کے قریب دو آدمی ریوالور تانے آ گئے۔ انہوں نے شور مچانا شروع کیا کہ ان کی بیویاں راسپوٹین کی خواب گاہ میں ہیں اور وہ اسے زندہ نہ چھوڑیں گے گلوبشیف کے آدمیوں نے عقبی راستے سے عورتوں کو نکال دیا اور خود ان کے

شوہروں کی معیت میں خواب گاہ میں گئے۔ انہوں نے گھر کا کونا کونا چھان ملا لیکن وہ وہاں ہوتیں تو ملتیں۔ بالنتیجہ دونوں آدمیوں کو راسپوٹین پر بہتان تراشی اور قاتلانہ حملے کی نیت کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن جب انہیں پھانسی کے لیے جایا جانے لگا تو راسپوٹین نے باہر آ کر انہیں رہا کرنے کی سفارش کی۔ دونوں اس کے سامنے سربسجدہ ہو گئے۔

کبھی کبھار پولیس والوں کی رپورٹیں اتنی اہم بن جاتیں کہ ان کی بنیاد پر حکومت کی پالیسیاں بنائی جاتیں۔ بیسیوں مرتبہ راسپوٹین نشے کے عالم میں واہی تباہی بکتے ہوئے اپنے عزائم اور منصوبوں کا اظہار کر جاتا جنہیں انتباہ یا دھمکیاں سمجھا جاتا۔ یہ کوئی حیرت کی بات تھی کہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے بجائے اسے مزید اہمیت دی جاتی تھی۔ ایسا ہی واقعہ ایک مرتبہ پیش آیا۔ راسپوٹین بدمستی کے عالم میں پیوبت نامی خفیہ پولیس کے ایک آدمی سے کہنے لگا "ایوان مقننہ کے افتتاح کا مسئلہ میرے لیے پریشان کن ہو رہا ہے۔ مجھے زار سے کہنا پڑے گا کہ وہ خود جا کر اس کا افتتاح کرے۔ تاکہ وزراء بے سروپا تقریریں نہ کرنے پائیں جن کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔" کچھ دن بعد وزیر اعظم کے ہاتھوں ایوان کا افتتاح ہونے لگا تو زار خلاف توقع آدھمکا۔ اس نے خود افتتاح کیا۔ گویا راسپوٹین کی نشے کی حالت میں بکواس نے ایک نہایت اہم سیاسی کام انجام دیا۔

پولیس کی یہ رپورٹیں اتنی اہم ثابت ہوئیں کہ انہیں ایک نظر دیکھنے کے لیے ملک کی مقتدر ہستیاں اور غیر ملکی سفیر وزیر اعظم کی خوشامدیں کرتے تھے۔ بالآخر زار نے انہیں اپنے پاس محفوظ رکھ لیا۔ جلاوطنی کے وقت زارینہ نے انہیں اپنے

ساتھ لے جانا چاہا۔ لیکن وقت نے اسے مہلت نہ دی۔ وہ اس خزانے کی بلاشرکت غیرے مالک بننا چاہتی تھی لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ راسپوٹین کے بعد ملک کی سب سے زیادہ شاطر شخصیت ، ہلیوڈیور نے پہلے ہی ان کی نقول کر رکھی تھیں ، جنہیں اس نے گاہکوں کے ہاتھ منہ مانگے دام فروخت کیا۔ ان ہی نقول کی مدد سے موزخین راسپوٹین کے حاشیہ برداروں اور مخالفوں نے اپنے اپنے رنگ میں اس کی سوانح حیات لکھی۔ جس سے اس کا نام روس کی تاریخ میں رہتی دنیا تک ثبت ہو گیا۔

(۱۱)

راسپوٹین کی پیروکار عورتوں کے "مقدس حلقے" تک ہر خاص و عام کی رسائی ممکن نہ تھی۔ صرف وہی عورتیں اس سے مستفیض ہو سکتی تھیں جنہوں نے اس کے فلسفے "گناہ کے ذریعہ نجات" کو دل و جان سے اپنا لیا ہو۔ اور ایسا کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔ کہنے کو تو یہ روحانی مجالس تھیں لیکن اس میں بے حیائی کے وہ مظاہرے روا رکھے جاتے تھے جنہیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ ان میں حصہ لینے والیاں نہ صرف آبرو باختہ اداکارائیں اور سوسائٹی کے ناپسندیدہ طبقے سے تعلق رکھنے والی تھیں بلکہ اکابر سلطنت، امراء و زعماء، شاہی خاندان کے افراد و شرفاء کی معزز بیگمات اور لڑکیاں بھی تھیں۔ اس بات کا فیصلہ کرنا ناممکن ہے کہ

مختلف طبقات کی مختلف الخیال خواتین کسی روحانی جذبے سے سرشار ہو کر راسپوٹین پر پروانہ وار نثار ہوتیں۔ کوئی اور لذت تھی جو صرف یہیں اس گھر سے ملے، ملک کے طول و عرض میں کہیں دستیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ تاہم کسی روشن ضمیر اور نیک اصل خاتون کو ایک مرتبہ اس حلقے کے اندر جھانک کر دیکھنے کے بعد دوبارہ اس طرف کا رخ کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ سچ ہے کہ کسی آبرو باختہ عورت کو اگر اس میں تھوڑی سی بھی عزت نفس ہوتی تو وہاں پیش آنے والے واقعات راسپوٹین سے متنفر کر دیتے۔

ایک ایسا ہی تجربہ مشہور فرانسیسی نشریاتی ادارے کی ایک مدیرہ نے بیان کیا ہے جو ماسکو سے راسپوٹین کی شہرت سن کر اس سے ملنے آئی تھی۔ اسے شیطانی حلقے کے متعلق بہت علم پہلے سے تھا اور وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھی۔ اسی خاطر اس نے ہر قربانی دینے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ اس نے ماسکو واپس جا کر فرانسیسی سفیر سے جو حالات بیان کیے وہ یہ تھے: "ہفتے کی شام کو میں راسپوٹین کے گھر پہنچی۔ میں نے اپنی آمد کی اطلاع اسے پہلے ہی دے رکھی تھی۔ چنانچہ متوقع طور پر اس کی ملازمہ دنیا نے خندہ پیشانی سے میرا استقبال کیا۔ تاہم اس نے بتایا کہ راسپوٹین گھر نہیں ہے۔ یہ سن کر مجھے بڑا غصہ آیا۔ مانا کہ وہ مصروف آدمی تھا لیکن میرے خط کے جواب میں اس نے خود مجھے اسی دن اور اسی وقت بلایا تھا۔ مصلحتاً میں نے غصہ پی لیا اور اس کے پیچھے پیچھے ایک کمرے میں چلی گئی۔ یہ دیکھ کر مجھے قدرے اطمینان ہوا کہ میری طرح بیسیوں عورتیں اس کا انتظار کر رہی ہیں۔ ساتھ ہی میں دل میں شرمندہ بھی ہوئی کہ حق خود کو اتنی اہمیت دی۔ لیکن یہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ دوسری منتظر عورتیں

کے ساتھ مجھے بٹھانے کی بجائے ڈونیا مجھے ایک خالی کمرے میں چھوڑ گئی۔ میں ابھی اس کی وجہ سوچ ہی رہی تھی۔ اور جاننا چاہتی تھی کہ دوسری عورتیں کہاں ہیں کہ وہ ایک چھوٹا سا سماوار لیے آئی اسے دیکھ کر میرے ذہن میں دیہاتیوں اور کسانوں کے گھر کا منظر پھر گیا جہاں قہوے کے ایسے ہی سماوار ہوتے ہیں۔ میں اس سے بہت محظوظ ہوئی۔ کمرہ بھی تقریباً دیہاتی وضع کا تھا۔ میں نے خوشبودار قہوے کی گرم گرم پیالی ہونٹوں سے لگائی تو میری تکان بھی دور ہوگئی اور بے چینی بھی مجھے فرحت محسوس ہوئی۔ پیالی خالی بھی کر نہ پائی تھی کہ دروازہ کھلا اور رسپوٹین داخل ہوا میں اسے دیکھ کر تعظیماً اٹھ کھڑی ہوئی۔ لیکن اس نے آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے میرے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگا "عزیزم بیٹھ جاؤ۔ مجھے تکلفات پسند نہیں" جب میں بیٹھنے لگی تو اس نے جھک کر میرا بوسہ لینا چاہا۔ لیکن میں نے جلدی سے پیالی منہ سے لگا لی۔ اس نے بڑھیا ریشم کی نیلے رنگ کی قمیض اور مخملیں پاجامہ پہن رکھا تھا پیروں میں خوب صورت جوتے چمک رہے تھے۔ اس نے میری خالی کی ہوئی پیالی ہی میں اپنے لیے قہوہ انڈیلا اور پیالی کے عین اس کنارے پر اپنے ہونٹ پیوست کر دیئے جہاں میرے ہونٹوں کی ہلکی سی سرخی اتر کر جم گئی تھی۔ اس دوران میں اس نے مجھ سے بہت سے سوال پوچھ ڈالے میں طے شدہ پروگرام کے تحت ناپ تول کر جواب دیتی رہی۔

"آج ہمارے "حلقے" کا ہفت روزہ اجلاس ہے۔ اسی لیے میں نے تمہیں آج مدعو کیا ہے۔ چلو وہاں چلتے ہیں" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ میں اب بھی کہ انتظار کرنے والی عورتوں کا لشکر کہاں براجمان ہے۔ جب ہم چلنے لگے تو وہ ٹھٹکا اور میں

طرف بغور دیکھ کر کہنے لگا ''لیکن بہتر ہے کہ تم یہیں ٹھہرو۔ کیونکہ انہیں دیکھ کر تم مجھے چھوڑ جاؤ گی۔'' میں ڈری کہ جس مقصد کے لیے اتنی دور سے آئی تھی۔ وہ کہیں فوت نہ ہو جائے۔ اس لیے جلدی سے بولی ''اگر جانا ہوتا آتی ہی کیوں!''
یہ جملہ میں نے اپنی پیشہ ورانہ ادا سے اس طرح کہا کہ راسپوٹین جھوم اٹھا۔ اس نے مجھے اپنے سینے کے قریب کرنا چاہا لیکن میں طرح دے گئی اور فوراً دروازے کی طرف لپکی وہ ہنستا ہوا میرے پیچھے پیچھے آیا۔ اسے گمان تھا کہ اب مچھلی کانٹے میں پھنس ہی گئی ہے۔ کب تک نہیں تھکے گی۔

تنگ دالان کو عبور کر کے ہم ایک کمرے میں داخل ہوئے جس میں شور و غل بپا تھا اور دبے دبے قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ لیکن ہمارے اندر داخل ہوتے ہی یک لخت سکوت چھا گیا۔ کمرے میں ایک بڑی سی کھانے کی میز کے گرد بیس بائیس عورتیں بیٹھی تھیں۔ ''دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں۔ یہ مجھے بے حد چاہتی ہے۔'' راسپوٹین نے کہا۔ مجھے اس کا دوسرا جملہ برا لگا تاہم میں نے اسے نظرانداز کر کے عورتوں کو آداب کہا۔ انہوں نے بھی محبت سے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا۔ میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتی تھی۔ لیکن کچھ دیر بعد ان ہی کی زبانی مجھے ان کے نام معلوم ہو گئے۔ اور ساتھ ہی میں نے اندازہ لیا کہ کون کس طبقے سے تعلق رکھتی ہے، کس کی بیوی اور کس کی بیٹی ہے۔ راسپوٹین میرے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آج کی مجلس میں میں ہی اردلی یا غالباً مہمانِ خصوصی۔ میں نے کنکھیوں سے عورتوں کا جائزہ لینا شروع کیا بعض کے چہروں سے خاندانی شرافت اور نجابت مترشح تھی اور بعض زبان

حال سے کہہ رہی تھیں کہ وہ کس قماش کی ہیں۔ ہر عمر اور مختلف جسمانی وضع قطع کی
عورتیں موجود تھیں۔ لیکن اکثریت درمیانہ عمر کی عورتوں کی تھی جنہوں نے بناؤ
سنگھار میں نوجوان لڑکیوں کو مات کر رکھا تھا۔ تھیں سب کی سب خوش پوشر
ایک بات ان میں مشترک تھی اور وہ تھا راسپوٹین کا احترام اور اس سے عقید
اس وقت گرانڈ ڈچس ملٹسا، مادام اینا یروبودا اور مادام گولودنیا اور اس کی لڑ
بھی موجود تھیں۔ یوں تو وہاں اور بھی کئی نمایاں اور مشہور ہستیاں تھیں لیکن اا
تینوں عورتوں کے متعلق میں نے کافی کچھ سن رکھا تھا اور انہیں دیکھنے کی متمنی تھ
تھی۔ ڈچس ملٹسا کے چہرے سے آنکھیں ہٹانا ممکن نظر نہ آتا تھا۔ بڑی بڑی س
مخمور آنکھیں، سرخ تر و تازہ ہونٹ، کتابی چہرہ دل کو کھینچے لیتا تھا۔ لیکن نہ ج
وہ کیوں افسردہ سی نظر آرہی تھی۔ اس وقت حسن سوگوار کا سماں تھا جس
اس کی جاذبیت اور دلکشی میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ لاتعلقی سے بیٹھی تھی۔۔
یوں لگا جیسے میرا آنا اسے کھل رہا ہو۔ خیر کچھ بھی ہو۔ مادام اینا یروبودا کا چہرہ ا
تعیش پسندی کا اعلان کر رہا تھا۔ وہ خوب صورت نہیں تھی تاہم اس کے بھر
گداز جسم، نیم باز آنکھوں اور نیم وا ہونٹوں سے جنسی کشش آوازیں دے رہ
وہ ان عورتوں میں سے نظر آتی تھی جو ہر وقت، بلا تکلف سپردگی کے لیے تیار
رہتی ہیں۔ مادام گولودنیا ادھیڑ عمر کی گول مٹول سی عورت تھی۔ اس کے چ
سے شگفتگی، زندہ دلی اور قدرے معصومیت ٹپکتی تھی۔ اس کے رکھ رکھاؤ س
اور خود اعتمادی نظر آتی تھی۔ میزبان کے فرائض وہی انجام دے رہی تھی۔ اُس
لڑکی منو نیا شرمیلی اور نفاست پسند تھی۔ وہ میری طرف بار بار دیکھ کر پلک جھپک

بڑی پیاری لگتی۔ لیکن اس کی آنکھوں سے ایسا لگتا تھا جیسے ابھی ابھی رو کر ہٹی ہو ساس کے نازک اندام چھریرے بدن اور سرو قد پر ہلکے سبز رنگ کا لباس بہت بھلا لگ رہا تھا۔ وہ جھکی جھکی پر عقیدت نظروں سے بار بار راسپوٹین کی طرف بھی دیکھتی یوں لگتا تھا کہ آج اس کی دلچسپی کی دو ہی ہستیاں ہیں۔ راسپوٹین اور میں۔ اسے اس کی طرف اس انداز سے دیکھتے ہوئے۔ حیرانی ہوتی تھی کہ اس گڑیا جیسی نازک اور پیاری لڑکی کو راسپوٹین نے کیا کر دیا ہے!

راسپوٹین میری طرف مختلف کھانوں کی پلیٹیں بڑھا رہا تھا۔ اور میں چکھتی جا رہی تھی۔ میز کئی قسم کے کھانوں، پھلوں، مٹھائیوں اور مشروبات سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن وہ صرف مچھلی ابلے ہوئے انڈوں اور شراب پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے تلی ہوئی مچھلی کی کئی پلیٹیں اور درجنوں انڈے حلق سے نیچے اتار لیے اور شراب کی ایک پوری بوتل چڑھا گیا لیکن ملازم مچھلی اور انڈے متواتر اندر سے لا رہے تھے۔ چھری کانٹا ہونے کے باوجود وہ دونوں ہاتھوں سے کھا رہا تھا۔ وہ بھی بڑی بدتمیزی سے جب انڈوں سے سیر ہو گیا تو اس نے انہیں ایک طرف ہٹا دیا۔ یکایک کئی ہاتھ پھیلے اور کئی آوازیں آئیں، "فادر ازراہ کرم انڈہ!" راسپوٹین نے پھیلے ہوئے ہاتھوں پر ایک ایک انڈہ رکھ دیا۔ "تم بھی انڈہ کھانا!" اس نے میری طرف بھی ایک انڈہ بڑھایا۔ لیکن میں نے شکریئے کے ساتھ معذرت چاہی۔ عورتیں چھٹی چھٹی نظروں سے مجھے دیکھنے لگیں۔ کئی ہاتھ بڑھے اور انہوں نے وہ انڈہ اس کے ہاتھ سے چھیننا چاہا۔ چھینا جھپٹی میں انڈہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ لیکن جو کچھ جس کے ہاتھ لگا۔ اس نے چٹ کر ڈالا انگلیوں سے چمٹی

ہوئی زردی اور سفیدی کو چاٹنے لگیں۔
راسپوٹین کھاتے کھاتے بار بار اپنے لتھڑی ہوئی انگلیاں میز پوش سے پونچھتا پھر اپنے ہاتھ دائیں طرف بیٹھی ہوئی مادام سیپٹو لکور کے ہاتھوں یا شانوں پر رکھتا اس کے قیمتی لباس پر تیل کے دھبے پڑ گئے۔ مجھے یہ دیکھ کر گھن آ رہی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے میری طرف بھی ہاتھ بڑھایا۔ لیکن میں دبک گئی۔ اس نے غالباً خیال نہیں کیا اور مجھ سے کہنے لگا "تم گرجا جاتی ہو؟ نہیں، کیوں سہے نا بڑی اچھی بات ہے۔ تم میرے پاس آیا کرو اور میرے ساتھ عبادت کیا کرو۔ میں تمہیں عبادت کا ایک نیا مفہوم بتاؤں گا اور نجات کا راستہ تمہیں نظروں کے سامنے نظر آئے گا"
اسی وقت مادام گولو دینا نے لقمہ دیا۔ ہاں ہاں تم ضرور آیا کرو۔ یہ تمہیں بہت کچھ بتائیں گے۔ جو تم نے پہلے دیکھا نہ سنا ہوگا۔ صرف ہفتے میں ایک مرتبہ آؤ اور تم پر رحمت کے دروازے کھل جائیں گے" راسپوٹین نے فوراً قطع کلامی کی اور کہنے لگا "اتنی جلد نہیں تمہیں کافی ریاضت کرنا ہوگی منزل اتنی آسانی سے نہیں ملتی" یہ کہہ کر اس نے بے ساختہ میرے شانے دبائے مجھے سنبھلنے کا موقعہ بھی نہ ملا اور میرے کپڑے داغدار ہو گئے۔ بڑا غصہ آیا لیکن مجبوراً ضبط کرنا پڑا۔
اسی وقت راسپوٹین کی لڑکی میٹر یونا کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے دیکھتے سب عورتیں بیک زبان چلانے لگیں "آؤ آؤ ماریا، خوش آمدید، یہاں آؤ۔ پاس بیٹھو" میں نے دیکھا کہ اس پرجوش استقبال میں صرف وہ جس ملنسار اور گولو دینا نے حصہ نہیں لیا۔ خاموشی سے بیٹھی اسے دیکھتی رہیں۔ وہ مادام گو

کے پاس بیٹھ گئی۔ میری نظر کھڑکی سے باہر ڈوبتے ہوئے آفتاب پر پڑی اور میں اس خوب صورت منظر میں کھو گئی۔ راسپوٹین میری محویت تاڑ گیا میرے کان کے پاس منہ لاکر آہستہ سے بولا "آفتاب تمہارے لیے بادلوں سے نکل آیا ہے۔ یہ ان ہی لوگوں کے لیے نکلتا ہے، جن کا عقیدہ پختہ ہوتا ہے اور اس کی کرنیں ان ہی گھروں کو منور کرتی ہیں جن میں عقیدے پر قائم رہنے والے لوگ رہتے ہیں۔ اور یہ عقیدہ ہے مسیح وقت کی پہچان، اس کی تعلیمات پر عمل، گناہ کے ذریعے نجات" اس کی گمبھیر آواز کہیں دور گہرائیوں سے آرہی تھی۔ اس میں ایک انجانی سی عجیب تھی۔ مجھے محسوس ہوا۔ جیسے اس کا جسم مقناطیس کی طرح میرے جسم کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ کچھ لمحوں کے لیے میں بھول گئی کہ کہاں بیٹھی ہوں۔ یکایک ایک چھناکا ہوا اور میں ہوش کی دنیا میں واپس آگئی۔ کسی کے ہاتھ سے شیشے کا گلاس چھوٹ گیا تھا۔ طلسم ٹوٹ گیا۔ میں نے دیکھا کہ سب عورتوں کی نظریں میرے چہرے پر گڑی تھیں۔ میں شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ راسپوٹین نے شراب کا گلاس خالی کیا اور کہنے لگا" جو کچھ میں کہوں گا۔ اس میں تمہاری بہتری ہوگی۔ میں تمہیں پاگل اولگا کے متعلق بتاتا ہوں۔ وہ آتی ہی ہوگی۔ اسے خدا سے بہت محبت تھی، اور باقاعدہ گرجا جاتی تھی۔ لیکن خدا تک پہنچنے کا راستہ تنگ تھا، وہ گذر نہ سکی، اس نے ایلیوڈور کا سہارا لینا چاہا لیکن اس نے اسے کھائی میں گرا دیا سمجھیں! تم اس کی حالت خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگی، پاگل کتیا بن گئی ہے بالکل! کتیا! میرا دوسرا جام ختم ہونے سے پہلے وہ یہاں موجود ہوگی۔!" اور حیرت انگیز طور پر یہ بات سچ نکلی۔ ایک موٹی تازی سرخ و سپید چہرے والی درمیانہ عمر کی عورت

چیختی چلاتی، آسمان سر پہ اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی "میرے مسیح! میرے مسیح!!" وہ راسپوٹین کی کرسی کے قریب فرش پہ دھڑام سے گر پڑی اللہ بدستور چلاتی رہی۔ یہ دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ اس نے راسپوٹین کے جوتوں کو چاٹنا شروع کر دیا۔ بالکل کتیا کی طرح سب عورتیں اس عبرتناک منظر کو خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔ یکایک وہ اٹھی اور اپنے کپڑوں میں سے ایک چاکلیٹ کیک نکال کر کہنے لگی: "خداوند یسوع، دیکھو میں تمہارے لیے کیا لائی ہوں۔ اوپر سے سفید۔ اندر سے سیاہ!" راسپوٹین نے کیک اسکے ہاتھ سے لے کر میز پہ رکھ دیا اور کہنے لگا "بس بہت ہو چکا۔ ابلیس عورت!" اولگا یہ سنتے ہی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کرسی کی پشت سے راسپوٹین کا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ اور اسے دیوانہ وار چومنے لگی۔ ساتھ ہی وہ چلاتی جاتی تھی "میری جان میری روح ہائے یہ تمہاری پیاری پیاری داڑھی! یہ خوب صورت بال! میری زندگی، میرا ایمان، میرے معبود، میرے خداوند۔" راسپوٹین نے جھٹکا دے کر سر اس کے ہاتھوں سے چھڑا لیا اور غرا کر بولا "دور ہٹ، وحشی! ابلیس کہیں کی دفع ہو یہاں سے۔" پھر اس نے اولگا کو ایک نہایت ناگوار گالی دی اور اسے زور سے دھکا دیا۔ وہ کونے میں جا گری۔ پھر بمشکل اٹھی اور ایک طاقچے پہ بیٹھ گئی اور وہیں سے ہاتھ نچا نچا کر چلانے لگی "پھر بھی تم میرے ہو، میرے رہو گے۔ میرا جسم تمہارا ہو چکا ہے۔ میری زندگی بھی تمہارے لیے ہے۔ تم میرے ہو! میں تمہاری بن چکی ہوں۔ چاہے ہمارے درمیان کوئی بھی آئے تم میرے اور میں تمہاری ہوں۔ تم جسے چاہو اپنے پاس رکھو۔ لیکن میں تمہیں نہیں چھوڑ

"میں تجھ سے نفرت کرتا ہوں!" راسپوٹین غصے سے کانپنے لگا۔ "سنا مجھے
تجھ سے سخت نفرت ہے۔ اگر تو نے بکواس کی تو میں تیرا جبڑا توڑ دوں گا تجھے
جان سے مار ڈالوں گا۔" اس وقت وہ ایک ادنیٰ درجے کا غنڈہ لگ رہا تھا۔
ہی تو میں چاہتی ہوں۔ تم مجھے مارو خوب مارو جان سے مار ڈالو۔ لیکن میں تمہارے
ساتھ ضرور شب بسر کروں گی۔" یہ کہتے ہی وہ اس کی طرف جھپٹی اور اس نے اس
کا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر اس پر بوسوں کی بارش کر دی۔ راسپوٹین نے
سے پھر دھکا دیا اور وہ دور جا پڑی۔ لیکن وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور نازیبا
حرکتیں کرنے لگی۔ اس کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے الفاظ کم از کم میرے
لیے ناقابل برداشت تھے۔ دوسری عورتیں بھی بے چینی سے پہلو بدل رہی تھیں۔
وہ نڈھال ہو کر صوفے پر گر پڑی۔ کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ صرف راسپوٹین
کے شراب کی چسکیوں کی آواز آتی رہی۔

یکایک آولگا کی چیخ اس سکوت کو توڑتی ہوئی فضا میں گونجی "میرے معبود!
ماری طاقت لازوال ہے!" راسپوٹین پھر اسے مغلظات سنانے لگا۔ مجھ سے رہا
گیا۔ میں نے اس سے کہا۔ "تم اس کی اتنی بے عزتی کیوں کر رہے ہو؟" سب
عورتیں مجھے گھورنے لگیں۔ میں شرمندہ ہو گئی۔ راسپوٹین میرے شانوں کو تھپتھپا
بولا۔ "صرف اپنی فکر کرو عزیزمن! میں اسے گالی کیوں نہ دوں۔ وہ گمراہ ہو چکی
ہے اور اب مونیا کو بھی گمراہ کرنا چاہتی ہے۔" "لیکن تم ہی تو کہا کرتے ہو کہ
عقلوں کو معاف کر دینا چاہیئے۔" میں نے فوراً کہا۔ "یہ کس کی آواز ہے؟ یہ کون
ی دانش مندی کی باتیں کر رہا ہے۔" آولگا میری طرف بغور دیکھ کر کہنے لگی "یہ

کون ہے؟ کیا کوئی نئی آئی ہے؟ یہاں آؤ میرے پاس گھٹنوں کے بل آؤ اور میرے ہاتھوں کو بوسہ دو۔" اس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ پھیلائے۔

"میں گھٹنوں کے بل جھکنے کی عادی نہیں ہوں، ہاں میں تمہارے ہاتھوں کو بوسہ ضرور دوں گی۔"

"بے وقوف!" اولگا نے کہا۔ لیکن راسپوٹین نے اسے بولنے نہ دیا۔ "اب چپ بھی رہ، ابلیس۔ مجھے آگے بڑھنے پر مجبور مت کر۔ تو خود سب بے وقوف ہے۔"

"چلو جانے دو اس کی زیادہ بے عزتی نہ کرو۔" میں نے اسے۔ وہ عورتیں خاموشی سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ لیکن جب میں نے راسپوٹین کو خاموش کرایا وہ مضطرب سی ہو گئیں۔ ان کی سانس جلد جلد چلنے لگی اور سب بے تاب سی ہو گئیں۔

"تم بار بار اس کی طرف داری کیوں کرتی ہو؟" راسپوٹین بھی جھلا کر بولا۔ "مجھے اس کی حالت دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔" اولگا چلائی۔ "میرا کوئی نہیں ہے۔ میرا صرف ایک ہی ہے۔" یکایک مادام گولووینا اس سے مخاطب ہوئی۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ تم آخر فادر راسپوٹین کو غصہ کیوں دلاتی ہو؟ تمہیں نظر نہیں آتا انہیں اس سے کتنی تکلیف ہوتی ہے؟" اس کے ساتھ ہی اینا پوروبووا اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس نے اولگا کے سامنے دو زانو ہو کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور انہیں چومنے لگی۔

"آخر تمہاری سمجھ میں آگیا نا!" آدلگا نے اینا سے کہا۔ یکایک اس نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے "خبردار انہیں چھونا مت، صرف بوسہ دو" اس کے بعد دفعتاً وہ خاموش ہو گئی۔ کچھ دیر میز پر بیٹھی عورتوں کو گھورتی رہی پھر کہنے لگی "میری خادمہ نظر نہیں آ رہی۔ وہ کہاں ہے۔ کیوں میرے پاس نہیں آتی، چلو جلدی سے آؤ۔ گھٹنوں کے بل چلو اور میرے ہاتھوں کو بوسہ دو۔"

یہ سنتے ہی مونیا اپنی جگہ سے اٹھی اور گھٹنوں کے بل چلتی ہوئی آدلگا کے پاس گئی۔ پھر اس نے بڑے احترام سے اس کے دونوں ہاتھوں پر بوسہ دیا۔ راسپوٹین دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اچھل پڑا اور ادلگا کے ساتھ مونیا کو بھی بے نقط کی سنانے لگا۔ مونیا آنسو پونچھتی اپنی جگہ پر واپس آگئی۔ اس کی ماں کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہوئے اور اس نے جھجکتے ہوئے کہا "گریگوار ی، تم میری بچی کو کیوں گالیاں دے رہے ہو؟" اس نے جواب دیا "وہ میری بات کیوں نہیں مانتی، اس نے کیوں گناہ کا ارتکاب کیا؟ کیوں ادلگا کے ہاتھ چومے، وہ اس کتیا کی خاطر میری پرواہ نہیں کرتی!"

یکایک آدلگا رونے لگی "میں بھوکی ہوں۔ میں نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا۔ میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے، میں اپنا سب کچھ تمہیں دے چکی ہوں۔ مال دولت، جائیداد سب کچھ تم پر نچھاور کر دیا ہے۔ تم نے میری یہ قدر کی مجھے کھانے تک کو نہ پوچھا! اس بھری ہوئی میز پر میرے حصے کا کچھ بھی نہیں۔" اس کی درد بھری آواز سن کر میرا کلیجہ منہ کو آ گیا۔ مونیا نے اٹھ کر ایک پلیٹ میں چند چیزیں رکھیں اور اسے ادلگا کے پاس لے گئی۔

مونیا تم میرا حکم مانو گی یا نہیں؟ اسے کچھ دینے کی جرأت نہ کرو" راسپوٹین نے گرج کر کہا۔ لیکن مونیا نے سنی ان سنی کر کے پلیٹ آدلگا کے قریب صوفے پر رکھ دی "اف یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کتیا مونیا کو مجھ سے چھین کر رہے گی۔ کاش کوئی اسے شہر سے نکال دے"۔ راسپوٹین نے جھلا کر کہا۔ مادام گولودنیا نے مونیا کو جھڑک دیا "مونیا تم فادر کو کیوں ناراض کر رہی ہو؟" مونیا نے ہولے سے جواب دیا "ماما تم خاموش رہو۔ میں جو کر رہی ہوں کرنے دو"

آدلگا نے کھانا ختم کیا اور کھڑی ہو کر کہنے لگی "وہ دن بھول گئے جب تم مجھے اپنے ساتھ رکھنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے کرتے تھے؟ کیا اس لیے کہ میرے پاس ہیرے جواہرات اور روبل تھے؟ اب میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں اٹھو۔ ا"۔ "اگر تو میرے قریب بھی آئی تو میں تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا قطامہ!" راسپوٹین قدرے سراسیمہ ہو کر بولا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اولگا وہیں کھڑی بے حد ناچنے لگی۔ راسپوٹین پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور بولا "اچھا جو جی میں آئے کر میرا کیا جاتا ہے"۔ اس نے پھر کھانا شروع کیا۔ اسے کھاتا دیکھ کر عورتوں نے بھی پلیٹیں سنبھال لیں کتنی پیٹو ہیں میں نے دل میں کہا۔ راسپوٹین نے مجھے بھی کھانے کو کہا لیکن میں نے انکار کر دیا۔ ناچنے کے ساتھ آدلگا گانے بھی لگی۔ راسپوٹین کو تاؤ آگیا۔ وہ اٹھنے لیکن کئی عورتوں نے اسے پکڑ لیا۔

یکایک آدلگا خواب گاہ کی طرف بڑھی۔ راسپوٹین نے آنکھ کے اشارے سے مونیا کو اس کے پیچھے جانے کو کہا۔ وہ بلی کی طرح دبے پاؤں اس کا پیچھا کرنے لگی۔ اولگا خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ کر اچانک رک گئی اور پلٹ کر

سے کہنے لگی "تم میری جاسوسی کر رہی ہو؟" یہ اس نے اس پُر وقار لہجے میں کہا کہ مونیا
بک کر رہ گئی۔ راسپوٹین بھی ایک لمحہ چکرا گیا اور قدرے ملائمت سے بولا "وہ
عار اپیچھا تو نہیں کر رہی ہے۔ میرے کپڑے ٹھیک کرنے جا رہی ہے۔" ادلگا چلانے
لی "مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ وہ کیا کرنے جا رہی ہے، لیکن میں ضرور اندر
اؤں گی۔"

آدلگا، اور اس کے پیچھے پیچھے مونیا خواب گاہ میں گھس گئی۔ راسپوٹین بھی بھاگ
پہنچ گیا اور اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ آدلگا کی دل خراش چیخوں سے دل
ہیبت طاری ہونے لگی۔ لیکن باہر کمرے میں بیٹھی ہوئی عورتیں ٹس سے مس
ہوتی تھیں۔ آخر کچھ دیر بعد خواب گاہ کا دروازہ کھلا اور آدلگا دوڑتی ہوئی آئی۔
ں کا سانس پھولا ہوا تھا چہرے پر خراشوں کے نشان تھے اور لباس جا بجا
ٹا ہُوا تھا۔ اس کے پیچھے ہی راسپوٹین بھی نکل آیا۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ مونیا
ا بید مجنوں کی طرح لرزاں، زرد رو، سہمی سہمی آئی۔

راسپوٹین دھم سے کرسی پر گر پڑا۔ عورتوں نے اسے پروانوں کی طرح گھیر
کوئی رومال سے اس کا پسینہ پونچھنے لگی۔ کوئی پنکھا جھلنے لگی۔ کسی نے شانے دبانے
روع کئے تو کوئی قدموں میں بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے لگی۔ آدلگا صوفے پر
ہ پڑی تھی۔ کسی نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، البتہ مونیا سب سے
ے ڈھلکس میز کا سہارا لیے کھڑی تھی اور گاہے گاہے اولگا کی طرف دیکھ
ہتی۔

اسی وقت ڈونیا آئی، اس نے راسپوٹین کے کان میں کچھ کہا اور وہ اٹھ

کر پھر خواب گاہ میں چلا گیا۔ کمرے میں سکوت چھا گیا۔ سب خواب گاہ کی طرف کان لگائے بیٹھی تھیں۔ میں بھی غور سے سننے لگی۔ اندر سے کسی عورت کے ہلکے ہلکے قہقہے لگانے اور راسپوٹین کی بھاری بھرکم آواز آرہی تھی۔ یہ معمہ میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ میں مونیا سے پوچھنا چاہتی ہی تھی کہ اولگا اٹھ بیٹھی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی میز کے قریب آئی۔ اس نے راسپوٹین کے گلاس میں شراب انڈیلی اور غٹاغٹ چڑھا گئی۔ اب وہ بدلی ہوئی عورت نظر آتی تھی۔ یکایک وہ مونیا کی طرف مڑی اور کہنے لگی: "تم جانتی تھیں کہ اس نے اندر ایک عورت کو چھپا رکھا ہے۔ اسی لیے تم نے میرا پیچھا کیا تھا کہ میں اسے دیکھ نہ لوں۔ میرا کیا ہے میں تو اپنا سب کچھ لٹا بیٹھی ہوں۔ لیکن تم ابھی کنواری ہو۔ تمہیں اس شرمناک کھیل میں حصہ نہیں لینا چاہیے تمہارے سامنے وہ بے ہودگیاں کرتا رہا اور تم کھڑی دیکھتی رہیں۔ لیکن اس میں تمہارا کیا قصور۔ تمہاری ماں ہی تمہیں بے غیرتی کی تعلیم دے رہی ہے۔ کسی دن تم کر روؤ گی۔" اولگا کی باتیں سن کر یقین نہ آتا تھا کہ یہ وہی عورت ہے جو کچھ دیر پہلے دیوانگی اور وحشت کا عبرت ناک مظاہرہ کر چکی ہے۔ اس کی باتوں سے مادام گولوونیا بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔ پھر وہ اٹھی اور مونیا کے قریب آکر بو "اب یہاں سے چلنا چاہیے۔" اسی لمحے راسپوٹین آگیا۔ اس کے چہرے سے بشاشت ٹپک رہی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور مونیا سے کہنے لگا "مونیا! ڈونیا سے کھا کے لیے کچھ بھجوا دیجئے۔" مونیا ماں کو قطعاً نظر انداز کرکے باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ مادام گولوونیا ہونٹ چباتی ہوئی کرسی پر گر پڑی۔ راسپوٹین نے کنکھیوں سے اسے دیکھا، لیکن خاموش رہا۔

کچھ دیر بعد پھر کھانے کا دور شروع ہو گیا۔ راسپوٹین گلاسوں میں شراب انڈیل کر انہیں دینے لگا اور وہ سب کچھ بھول کر ناؤ نوش میں مشغول ہو گئیں حسب عادت راسپوٹین مچھلی اڑانے لگا۔ میں اس کی غور اک دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔

اب شور و شوغا بڑھ گیا تھا۔ حلق سے شراب نیچے اتارتے ہی راسپوٹین بکنے لگا تھا۔ اس کی پرستار عورتیں تو مستیوں پر اتر آئیں۔ صرف مونیا بار بار باورچی خانے کے چکر کاٹ رہی تھی جس کی وجہ سے مادام گولووینا کے چہرے پر ناگواری کے رنگ ہویدا تھے۔ اور لگا بڑی متانت سے میز کے ایک سرے پر بیٹھی دوسری عورتوں کا ساتھ دے رہی تھی۔ راسپوٹین نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا مگر وہ اس کی بے التفاتی سے متاثر نظر نہ آتی تھی۔

ایسی بیہودہ عورتیں اور ایسا بدتہذیب مرد میں نے کبھی نہ دیکھے تھے وہ انگور کا گچھا یا سنگترہ اٹھاتا اور اسے مٹھی میں بھینچ لیتا۔ عورتیں زبان نکال کر اس سے ٹپکتا ہوا رس چاٹنے لگتیں۔ وہ باری باری ان کی زبانوں پر رس کے قطرے ٹپکاتا اور بچا کھچا پھل کسی کے منہ میں ٹھونس دیتا۔ جیسے وہ مزے لے لے کر چباتی۔ مچھلی کا بڑا سا ٹکڑا منہ میں سالم ٹھونس لیتا اور شراب کے گھونٹ بھرتا جاتا۔ لیکن ادھر وہ گلاس میز پر رکھتا کوئی نہ کوئی اسے اٹھا کر اس کا آخری قطرہ تک پی جاتی۔ اس کا گلاس پھر بھر دیا جاتا۔ عورتیں اپنے گلاسوں کو چھوتی تک نہ تھیں۔ یہ منظر میرے دل میں کراہت پیدا کرتا رہا اور میں ابکائیاں روکنے کی کوشش کرتی رہی۔ آخر یہ ڈراما اپنے نقطۂ عروج تک پہنچا۔ راسپوٹین نے مچھلی کی خالبا چھٹی یا ساتویں

پلیٹ صاف کی اور کرسی پہ نیم دراز ہو گیا۔ عورتیں بلیوں کی طرح جھپٹیں اور اس کی لتھڑی ہوئی انگلیاں چاٹنے لگیں۔ اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں جلد سے اٹھی اور دروازے کی طرف لپکی۔ راسپوٹین کی نظر مجھ پر پڑ گئی اور وہ بھی ا کر میرے پیچھے لپکا۔ دروازے تک پہنچنے سے پہلے اس نے مجھے آ لیا اور مید راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں جا رہی ہو ؟" اس نے پوچھا۔ مجھ سے جواب بن نہ پڑا۔ وہ خو ہی کہنے لگا۔ "میں نہ کہتا تھا تم یہاں نہ آؤ۔ تم نہ مانیں۔ اب گھبا گئ کیوں ہو ؟"

"مجھے ضروری کام ہے۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"اچھا تو ایک بات سنتی جاؤ۔" وہ میرا ہاتھ پکڑ کر خواب گاہ کی طرف د لگا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ کسی غیر مرئی طاقت میری قوت گویائی سلب کر لی تھی اور ایک نہ معلوم جذبے کے تحت میں کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔

خواب گاہ میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کر لینا چاہا لیکن اسی و اینا پربودا وہاں آ گئی۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور آنکھوں میں لال ڈو تھے۔ میں یہ کیفیت خوب سمجھتی تھی اور جان گئی تھی کہ کیا چیز اسے خواب گاہ لے آئی تھی۔ اس نے راسپوٹین کو بازوؤں سے پکڑ لیا۔ وہ اس کی مضبوط میں لکڑی کے بت کی طرح لرز رہا تھا۔ اینا نے اسے پلنگ پر گرا دیا اور دھکیل کر خود دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

چند لمحوں بعد میں اس ناپاک ماحول اور شیطانی گھر سے نکل کر باہر کھلی فضا میں سڑک پر کھڑی تھی۔ میں نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور اپنے ہوٹل میں جا کر دم لیا۔ اس کے بعد میں نے راسپوٹین کی مکروہ شکل پھر کبھی نہ دیکھی!"

(۱۲)

رقص سے زیادہ کوئی چیز راسپوٹین کو مرغوب نہ تھی۔ اس کے لیے رقص
اندرونی کیفیات کا مکمل ترین ترجمان تھا اور اتنا ہی اہم تھا۔ جتنا سانس ل
کھانا پینا، سونا اور دوسری ضروریات زندگی۔ رقص روسی دیہاتیوں اور کاشت
کی ثقافت کا ایک حصہ ہے۔ شہری تہذیب میں بھی سے ایک دل پسند ش
کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن اس دور میں شرفاء، امراء اور مغربی تہذیب
دلدادہ لوگ اس میں بذات خود حصہ نہیں لیتے تھے۔ اس سے محض لطف
ہوتے تھے۔

راسپوٹین جب کبھی اضطراب یا بے سکونی محسوس کرتا تو عبادت کر

یا رقص میں کھو جاتا۔ ان دونوں باتوں کے لیے کوئی وقت مقرر تھا نہ کوئی تحریک ضروری تھی۔ جب جی چاہتا وہ سر بسجود ہو جاتا یا رقص دیکھتے اور خود اس میں شامل ہونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا۔ اسے ناچتے دیکھ کر عقیدت مند جذبۂ عبودیت سے سرشار ہو جاتے۔ اس کے رقص میں فن ہوتا نہ حسن بے ہنگم اچھل کود، بے ربط تھاپ اور بے سروپا حرکات ہوتیں۔ اسے حال و قال بھی نہیں کہا اسکتا تھا کیونکہ اس میں روحانیت نام کو نہ ہوتی۔ اس کے برعکس نازیبا حرکات ہوتیں جو سنجیدہ لوگوں کے معیار پوری نہ اترتیں لیکن یہ بات بھی تو تھی کہ راسپوٹین سے سنجیدہ طور پر تعلق خاطر کس کافر کو تھا۔

وقت بے وقت کے ناچ راسپوٹین کے خمیر میں رچے ہوئے تھے۔ سائبیریا ے دیہاتوں میں وہ بچپن ہی سے دیکھتا آیا تھا کہ لوگ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ ھا خاصا سنجیدہ ماحول ہے۔ یکایک جیسے انہیں دورہ پڑتا۔ وہ اٹھ کر دیوانہ وار چنے لگتے۔ پھر تھک ہار کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے۔ موضوع سخن پھر اٹھا لیا جاتا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ شہر میں بھی وہ یہی کچھ لیے آیا تھا۔ پہلے پہل تو سینٹ پیٹرسبرگ ے معززین شہر کو اس کی یہ حرکت نازیبا محسوس ہوئی۔ لیکن جوں جوں اس کا دائرہ اقتدار ھتا گیا وہ طوعاً کرہاً اسے قبول کرتے گئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے بدتہذیبی اور ان کے اس بیہودہ مظاہرے پر ناک بھوں چڑھانا بھی چھوڑ دیا۔ عقیدتمند ن سے بھی زیادہ اس میں دلچسپی لینے لگے۔ اکثر یہ ہوتا کہ لوگ اسے جھرمٹ میں ، بیٹھے ہیں باتیں ہو رہی ہیں۔ وہ گنگنانے لگتا۔ اس کے پاؤں تھرکنے لگتے دیکھتے ہی دیکھتے اعلیٰ طبقے کے نمائندے تہذیب و تمدن کے پتلے اپنی جگہ ے اٹھتے اور رقص شروع ہو جاتا۔ جیسے وہ اس کے اشارے کے منتظر ہی

تھے انہیں اپنے رتبے، مقام، خاندان کسی بات کی پرواہ نہ ہوتی۔ ساتھ ہی د
بھی اٹھ کر ان کے درمیان بیٹھ جانے لگتا۔ دیہاتوں کے لوگ ناچ اور اس رقص
میں فرق ہوتا تو یہ کہ راسپوٹین اس وقت اخلاق کی تمام حدود سے تجاوز کر ج
وہ اپنے "خلائستی" ہونے کا پورا ثبوت دیتا۔ عورت کی موجودگی میں اس پر رقص
کا دورہ پڑتا تو وہ منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا۔ راسپوٹین ناچتے ناچتے اس
قریب جاتا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیتا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ بھی اس
ساتھ ناچنے لگتی۔ اس کی حرکات و سکنات راسپوٹین کی خواہش اور مرضی
تابع ہو جاتیں۔

رقص و موسیقی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ راسپوٹین اس لحاظ سے مستث
تھا۔ اسے بھی موسیقی بھاتی تھی۔ لیکن صرف خانہ بدوشوں کی "جپسی" جس کا
آہنگ تمام تر الغوزہ ہی تھا۔ اس میں وارفتگی اور والہانہ پن کوٹ کوٹ
بھرا ہوتا۔ جپسی "رقص و موسیقی کو جنسی ترغیب و تحریص کا نشان قرار دیا
ہے۔ روس کے زیادہ تر تھیٹروں اور رقص گاہوں میں خانہ بدوش لڑکیاں
کے جنسی جذبات بھڑکانے کا فریضہ انجام دینے کے لیے مامور تھیں۔ یہاں
شریف آدمی جانا پسند نہ کرتا تھا۔ تعیش پرست امراء اور کم درجے کے لوگ
داد و دہش کے لیے جوق در جوق جاتے تھے۔ راسپوٹین ان مقامات پر
بندوں جاتا اور سیر ہو کر لطف اندوز ہوتا۔ اس کے دوستوں میں بھی ناچ
گانے والوں کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ جو لوگ ان "فنون" سے ناآشنا تھے
کرانے کے لیے "فن کار" لے آتے۔ ظاہر ہے کہ فن کار کا صنف نازک سے

دکھنا گویا کامیابی کی ضمانت تھی۔ لے این خود سٹوف کا وزارت داخلہ کے عہدے پہ تقرر اس کا بین ثبوت تھا۔ "ولا رود" کی رقص گاہ میں اس نے راسپوٹین کو برسر عام اپنے رقص سے محظوظ کیا تھا۔ اس نے "زار اعظم" کے دل میں جگہ پیدا کر لی جس کا اسے بڑا ہی میٹھا پھل ملا۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ وزیر بننے کے لیے قابلیت اور اہلیت کی نہیں۔ بے غیرتی سے ناچنے کی ضرورت ہے۔

"ولا رود" راسپوٹین کی دل پسند جگہ تھی۔ اس رقص گاہ کے مالک اس کے لیے ہمیشہ جگہ مخصوص رکھتے۔ نہ جانے وہ کب آ دھمکے۔ راسپوٹین کے آتے ہی اس کے پسندیدہ گیت اور رقص شروع کر دیئے جاتے۔ دوسرے لوگوں کی پسند ناپسند کو کوئی اہمیت نہ دی جاتی۔ جو لوگ اس امتیاز کو پسند نہ کرتے وہ خاموشی سے چلے جاتے۔ رقص گاہ کے مالکوں کو خسارے کا خدشہ ہی نہ تھا۔ راسپوٹین کے ہمراہی اور وہ خود بھی دل کھول کر انعام و اکرام دیتا۔ اگر اس کی آمد کی اطلاع پہلے سے مل جاتی تو خاص اہتمام کیا جاتا۔ اس کی میز دل کو پھولوں سے مزین کیا جاتا۔ جھاڑ و فانوس سے ساری جگہ سجائی جاتی۔ اس کی پسندیدہ شراب میز دل پہ پہلے ہی لگا دی جاتی۔ اگر وقت ملتا تو مچھلی کی کئی اقسام مختلف طریقوں سے پکوا کر مہیا کی جاتیں حتیٰ کہ رقص کرنے والی لڑکیاں بھی اس کے دل پسند ملبوس میں ہوتیں۔ ایسے موقعوں پہ اس کی مسرت کی انتہا نہ رہتی۔ اور "ولا رود" والوں کے بھی وارے نیارے ہو جاتے۔

"ولا رود" اور دوسری رقص گاہوں میں آئے دن پیش آنے والے واقعات عالی طبقہ کے امراء، وزراء، حکام حتیٰ کہ شاہی دربار اور ملک بھر میں زبان زد خاص و

عام ہو چکے تھے۔ راسپوٹین کے مخالفین ان سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی سر توڑ کوشش کرتے لیکن ایسا لگتا تھا جیسے کوئی بہت بڑی طاقت اس خبیث کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ وہ مخالفت، مخاصمت، الزامات، دھمکیوں کے تند و تیز جھگڑوں کے سامنے ایک مضبوط چٹان کی طرح جما ہوا تھا۔ کبھی تو اس کے مخالفین ناامیدی سے سوچنے لگتے کہ دنیا کی کوئی طاقت راسپوٹین کو تباہ و برباد نہیں کر سکتی ورنہ اس کی تباہی و بربادی کے لیے گھٹیا درجے کے رقص گاہوں کی شرمناک داستانیں کیا کم تھیں ۔۔۔؟

یہ بات نہ تھی کہ زار اور ملکہ نے بالکل ہی کانوں میں روئی ٹھونس رکھی تھی لیکن دونوں کا ردعمل ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ زار کی حالت اس سانپ جیسی تھی۔ جس کے حلق میں چھچھوندر پھنس گئی ہو۔ نہ نگلے بنے نہ اگلے۔ وہ بہرحال شاہ ابن شاہ تھا۔ لیکن مصلحت بیچ میں آڑے آتی تھی۔ راسپوٹین کے متعلق جو بھی بات نکلتی وہ براہ راست نہ سہی بالواسطہ زار کی ذات پر حملے کے مترادف ضرور تھی۔ اسے خود بھی احساس تھا کہ اگر اس کا ہاتھ راسپوٹین کی پشت پر نہ ہوتا تو لوگ کب کی اس کی تکا بوٹی کر ڈالتے۔ جوں جوں دن گزرتے جاتے اس کی ذہنی الجھنوں اور تذبذب میں اضافہ ہوتا جاتا۔ اس کے برعکس زارینہ راسپوٹین کے خلاف کسی الزام کو تسلیم کرنے پر تیار ہی نہ تھی۔ وہ زار پر اس استدلال اور منطقیانہ پہلو سے اثر ڈالتی رہتی کہ قوت ارادی سے محروم زار راسپوٹین کے خلاف کوئی قدم اٹھا ہی نہ سکتا تھا۔ زارینہ نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس نے ایسے انتظامات کئے کہ راسپوٹین کے خلاف کم سے کم باتیں زار تک

کانوں تک پہنچتیں۔ بلیٹسکی کو تاکید کی گئی کہ ایک طرف تو زار تک ایسی خبروں کو حتی الوسع پہنچنے نہ دے اور دوسری طرف راسپوٹین کو برسرِعام ایسی باتیں کرنے سے منع کرے۔ بلیٹسکی صرف یہ کر سکا کہ اس نے زار سے رابطہ اور تعلق رکھنے والے ہر فرد سے ذاتی اپیل کی کہ زار کے تفکرات میں اضافہ نہ کیا جائے۔ جن لوگوں پر اس اپیل کا اثر ہوا انہوں نے اپنی زبانوں پر قفل لگا لیے جو ایسا نہ کر سکتے تھے ان کے لیے قدم قدم پر ریشہ دوانیوں کے جال بچھا دیئے گئے۔ ساتھ ہی بلیٹسکی نے راسپوٹین کے گرد خفیہ پولیس کی تعداد بڑھا دی۔ وہ جس جگہ جاتا عام لوگوں سے دگنی تگنی تعداد میں پولیس والے اسے گھیرے رہتے۔ ان کا حلقہ اتنا مضبوط اور تنگ ہوتا کہ اس کی حرکات و سکنات دوسروں کو بآسانی نظر نہ آتیں۔ مزید برآں باوردی پولیس والے ایسی جگہوں سے لوگوں کو بھگا دیتے دوسری طرف راسپوٹین دیدہ دانستہ خود کو نمایاں کرتا اور نت نئی حرکتیں کرتا۔ گویا اخلاقی اور ملکی قوانین کا منہ چڑانے میں فخر محسوس کر رہا ہو۔ وہ حرمستیاں کرتے ہوئے پولیس والوں کا حصار توڑ کر لوگوں کے سامنے آجاتا جس سے وہ جھنجھلا جاتے۔ ان کا بس چلتا تو راسپوٹین کو کسی ایسے اندھے کنوئیں میں بند کر دیتے جہاں وہ زندگی بھر روشنی کی ایک ایک کرن اور ہوا کے ایک ایک جھونکے کو ترستا رہتا۔ وہ اسے ایسی اذیت ناک موت دیتے کہ رہتی دنیا تک لوگ یاد رکھتے لیکن ان کے پیروں میں سبھی بسی کی زنجیریں پڑی تھیں۔

ان حفاظتی اقدامات کے باوجود کرنے والے کر ہی گزرتے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے منافقت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ وہ "لوہے کو لوہا کاٹتا ہے" کے

مصداق مکروریا کے ان ہی ہتھیاروں سے لیس تھے جو راسپوٹین کے ہاتھ میں تھے۔ وہ اس کے خاص دوستوں میں سے تھے اور خود ہی اسے ایسے مقامات پر لے جا کر اس کا تماشا بناتے۔ وہ زارینہ سے وفاداری کا دم بھرتے اور موقعہ پا کر زار کے کانوں تک راسپوٹین کا سارا کچا چٹھا بھی پہنچا دیتے۔ وہ راسپوٹین کو زار کے چند با اعتماد وزراء اور حکام سے ٹیلیفون پر خفیہ بات چیت کے لیے آمادہ کر لیتے اور یہ باتیں خفیہ پولیس کے ریکارڈ میں آجاتیں۔ موقعہ ملتے ہی یہ ریکارڈ زار کے سامنے کسی نہ کسی طرح پیش کر دیا جاتا۔ ایسے ہی ایک ریکارڈ میں راسپوٹین کا یہ فقرہ درج تھا "زارینہ دوسری کیتھرین ہے اور زار نہیں بلکہ وہ روس پر درحقیقت حکومت کر رہی ہے۔ یہ کیتھرین میری مٹھی میں کٹھ پتلی کی طرح ہے"۔ یہ پڑھ کر زار غصے سے جھلا یا "میری کیتھرین" سے یہ کہہ کر اسے ٹھنڈا کیا کہ راسپوٹین ایسا سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ یہ تو بدخواہوں کی اختراع ہے۔ زار اس سے مطمئن ہوا یا نہیں تاہم اس نے درگزر ضرور کر دیا۔ یہ اور ایسی ہی دوسری باتیں راسپوٹین سے رقص و سرود کی محفلوں میں اگلوا جن میں شاہد و شراب کی موجودگی اس کے اعصاب کو مجہول کر دیتی تھی۔ اس کے "دوستوں" کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

محب وطن نوجوان فوجی اور شہری افسروں کے لیے راسپوٹین کی یہ یادہ گوئیاں ناقابلِ برداشت بنتی جا رہی تھی۔ اسی کے نتیجے میں ولاروڈ میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے رقص گاہ کو کچھ عرصے کے لیے بند کرنا پڑا۔ راسپوٹین ترنگ میں آ کر اول فول بک رہا تھا۔ پولیس کے جوشیلے نوجوان

ادبرلیسوف سے برداشت نہ ہو سکا۔ پہلے تو اس میں اور راسپوٹین میں تو تکار ہوئی۔ پھر ادبرلیسوف نے دو چار گھونسے جما دیئے۔ زارینہ اور راسپوٹین کے دوستوں نے زار تک رپورٹ پہنچا دی۔ اس سے پہلے کہ کچھ اور حکم صادر ہوتا۔ بلیٹسکی نے کمال دانش مندی سے ادبرلیسوف کا تبادلہ ایک دور دراز مقام پر کر دیا۔ اتنے سنگین جرم پہ اس ہلکی سزا سے زارینہ نے بلیٹسکی کی خوب سرزنش کی۔ لیکن زار نے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔

ایک دوسرے موقعہ پر اس کے چند "دوستوں" نے اسے یار ریستوران میں مدعو کیا۔ اسے خوب پلایا گیا۔ پھر چند لڑکیاں لائی گئیں جن کے جھرمٹ میں وہ ناچنے لگا۔ پھر اس نے اپنے کوٹ کے بٹن کھولے اور وہ قمیض دکھائی جسے زارینہ نے اپنے ہاتھوں سے سیا اور اس پر گل بوٹے کاڑھے تھے۔ لڑکیوں نے اپنے بوسوں کے عوض اسے وہ قمیض پھاڑ دینے کو کہا۔ راسپوٹین نے آؤ دیکھا نہ تاؤ قمیض پھاڑ کر اسے قدموں تلے روند دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سارے کپڑے اتار دیئے اور سینکڑوں مرد عورتوں کے سامنے برہنہ ناچنے لگا۔ پھٹی اور روندی ہوئی قمیض کے چیتھڑے جب "بہی خواہوں" نے زارینہ کے سامنے پیش کئے تو اس نے صرف اتنا کہا "اللہ والے لوگ دنیاوی پابندیوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ وہ دنیاوی نعمتوں کی پرواہ نہیں کرتے" تاہم زار نے ملکہ کو آئندہ راسپوٹین کے لیے کپڑے سینے سے منع کر دیا۔

راسپوٹین کا ماسکو آنا جانا بھی خاصی گہری نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ کیونکہ ماسکو میں زار کے مخالفوں کی سب سے بڑی تعداد تھی اور وہ زار کی حکومت

کا تختہ الٹنے والوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا گڑھ تھا۔ ماسکو کے دوران قیام میں تمام تفریح گاہوں میں ایلینا ڈایانو مورا اس کے ساتھ رہتی تھی۔ البتہ وہ ٹھہرتا مادام ریشتنیکوف کے ہاں ہی تھا۔ اس عورت کو بڑی بڑی اور مقتدر شخصیتوں کو مہمان بنانے کا خبط تھا۔ چنانچہ راسپوٹین سے پہلے بشپ جان آف کرانسٹنٹ، ایلیو دور وغیرہ اس کے ہاں قیام کرتے رہتے تھے۔ ایلینا ڈایانو مورا بتاتی ہے کہ ایک دن صبح ہی صبح میرے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور دوسری طرف سے راسپوٹین کی آواز آئی "صبح بخیر فرانشک میری جان میں ماسکو پہنچ گیا ہوں اور ریلوے سٹیشن سے بول رہا ہوں۔ سیدھا ریشتنیکوف کے ہاں جاؤں گا۔ تم دوپہر کا کھانا وہیں کھانا۔ میں تم سے ملنے کے لیے سخت بے چین ہوں۔"

میں ٹھیک ایک بجے وہاں پہنچ گئی۔ میں نے دروازہ کھولنے والے خدمت گار سے راسپوٹین کو میری آمد کی اطلاع دینے کو کہا۔ اسی وقت راسپوٹین بھی آ گیا اور اس نے دہیں مجھے اپنی آغوش میں لے لیا اور لگاتار چومنے لگا۔ اس کے بعد وہ مجھے ایک کمرے میں لے گیا۔ ہم کچھ دیر وہاں بیٹھے رہے۔ ایک دوسرے کی خیریت پوچھی۔ کچھ ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ اس دوران وہ نازیبا حرکتیں کرتا رہا اور سچ تو یہ ہے میں بھی محظوظ ہوتی رہی۔ پھر ہم کھانے کے کمرے میں گئے۔ وہاں مادام ریشتنیکوف کے چند خصوصی مہمانوں کے علاوہ ایک نوجوان پولیس افسر بھی تھا جسے راسپوٹین کی نگرانی میں مامور کیا گیا تھا۔ میں نے دیکھا کھانے کے دوران راسپوٹین نے اس کی طرف ایک مرتبہ بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ دوسرے مہمانوں اور میرے ساتھ خوش گپیاں کرتا رہا۔ کھانے کے بعد ہم

نے اجازت چاہی تو راسپوٹین نے کہا کہ وہ شام کو میرے ہاں پہنچ رہا ہے۔
گھر پہنچ کر میں نے جلدی جلدی کھانے پینے کا انتظام کیا۔ ہوٹل سے تلی ہوئی مچھلی اور اس کی مرغوب شراب "میڈیرا" منگوائی اور اس کا انتظار کرنے لگی۔ اس اثناء میں میں نے جلدی جلدی دو چار واقف کاروں کو اطلاع دی کہ جو اس سے ملنا چاہتا ہے۔ میرے گھر شام کو آجائے۔ آنے والوں میں مسٹر "ای" اور ان کی بیوی بھی تھی۔ یہ حضرت کسی زمانے میں میرے منگیتر رہ چکے تھے۔ لیکن بعض وجوہ کی بنا پر ہماری شادی نہ ہوسکی تھی اور یہ راز صرف ہم دونوں تک محدود تھا۔ اب ہم اپنی اپنی ازدواجی زندگی سے بالکل مطمئن اور خوش تھے۔ ٹھیک سات بجے گھنٹی بجی اور راسپوٹین ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ اس نے کمرے میں موجود سب لوگوں پر باری باری تیز اور گہری نظر ڈالی سب سے ہاتھ ملایا اور صوفے پر میرے ساتھ بیٹھ گیا۔
اس نے بیٹھتے ہی مسٹر "ای" کو گھورنا شروع کیا جس سے نہ صرف مجھے بے چینی سی لگنے لگی بلکہ دونوں میاں بیوی بھی خاصے پریشان نظر آنے لگے۔ اس کے بعد اس نے جو کچھ کہا اس نے مجھے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ وہ کہنے لگا "اچھا ہوا جو تم لوگوں کی شادی نہیں ہوئی۔ ورنہ (مسٹر "ای" کو مخاطب کر کے) ان کو ایسی حسین بیوی ملتی نہ مجھے پیاری فرانسک۔ علاوہ ازیں تم لوگ کبھی خوش نہ رہتے"۔ بات قہقہوں میں ڈوب گئی۔ لیکن میں دیر تک سوچتی رہی کہ راسپوٹین کو سب معلوم کیسے ہوا۔ کھانے کے فوراً بعد اس نے خانہ بدوش گویوں کو بھیجنے کی فرمائش کی۔ میرے لیے یہ بڑی مشکل بات تھی لیکن مسٹر "ای" نے

میری جان چھڑائی اور تجویز پیش کی کہ انہیں بلوا بھیجنے کی بجائے کیوں نہ ان کی جگہ پر کھلی ہوا میں لطف اٹھایا جائے۔" خدا کا شکر ہے کہ راسپوٹین نے یہ تجویز مان لی اور ہم سب کے سب یار ریستوران پہنچے۔ ریستوران کا مالک ہمیں دیکھتے ہی خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے فوراً پولیس کو فون کیا اور چند لمحوں ہی میں پولیس کے دو افسر آ پہنچے۔ انہوں نے راسپوٹین کی حفاظت کے بہانے سے ہمارے کمرے میں ٹھہرنے کی اجازت طلب کی۔ راسپوٹین نے مسکرا کر انہیں اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی دیکھتے ہی دیکھتے کمرے میں باہر ہال میں اور ریستوران کے دوسرے حصوں میں سفید کپڑوں میں ملبوس درجنوں خفیہ پولیس کے آدمی منڈلانے لگے۔

خانہ بدوش گویوں اور رقاصوں کا طائفہ بمعہ سازوسامان نمودار ہوا اور ساتھ ہی بوتلوں کے کاک اڑنے لگے۔ بے سروتال "رجبسی" گانوں اور وحشیانہ رقص کے دوران راسپوٹین شراب کے جام پر جام لنڈھانے لگا۔ کچھ دیر تک تو وہ اپنی جگہ پر بیٹھا گانے اور رقص کی داد دہش دیتا رہا۔ پھر وہ لپک کر اٹھا اور ناچنے والوں میں شامل ہو گیا۔ اس کے بعد تو وہ دھما چوکڑی اور غل غپاڑہ مچا اور وہ طوفان بدتمیزی اٹھا کہ خدا کی پناہ۔ شراب فرش پر پانی کی طرح بہنے لگی اور تہذیب و اخلاقیات کے تمام پیراہن تار تار ہو گئے۔ اسی وقت کسی نے چپکے سے میرے کان میں کہا "یہی ہے وہ پیغمبر جس کے الفاظ کو کلام اللہ سے بڑھ کر درجہ دیا جاتا ہے؟ کیا یہ ذلیل اور کمینہ شخص انسان کہلانے کا بھی مستحق ہے۔ تف ہے تم لوگوں پر!" میں نے سر گھما کر دیکھا تو ایک سفید پوش پولیس افسر

تھا۔ مجھے اس پر بڑا تاؤ آیا لیکن اس سے پہلے کہ میں اسے اس گستاخی کا مزا چکھاتی
وہ اپنے ساتھی سمیت اٹھ کر ایک طرف چلا گیا۔ میں نے بھی مصلحتاً درگزر کر دیا
پو پھٹنے تک یہ ہنگامہ جاری رہا۔ آفتاب کی پہلی کرن کے ساتھ ہی ریستوران
خالی ہونے لگا اور ہم چلنے کی تیاری کرنے لگے۔ معلوم ہوا کہ پولیس والوں نے
بات کا بل چکا دیا ہے۔ ہم نے شہر سے باہر ایک دوسرے ہوٹل "اسرلینا"
کا رخ کیا اور اس کے خوب صورت باغ میں جا بیٹھے۔ راسپوٹین نے بیٹھتے ہی
چائے اور انڈوں کا آرڈر دیا۔ یکایک میری نظر ان دونوں پولیس
والوں پر پڑی جن میں سے ایک نے راسپوٹین کی شان میں گستاخی کی تھی۔ میں
نے ایک واقف افسر سے چپکے سے ساری بات کہہ دی۔ وہ اس کی طرف لپکا۔
جانے ان میں کیا باتیں ہوئیں یکایک فضا گولیوں کی آواز سے گونجنے لگی
باغ میں بھگدڑ مچ گئی۔ میں نے صرف دونو مشتبہ آدمیوں کو ہاتھوں میں
اور لیے بھاگتے دیکھا۔ کوئی مجھے دھکیلتا ہوا باغ کے پچھواڑے سے لے گیا۔
ں ایک پولیس کار میں راسپوٹین بیٹھا تھا۔ مجھے بھی کار میں دھکیل دیا گیا اور
ہاں سے نکل آئے۔ گولیاں چلنے کی آواز دور دور تک آتی رہی۔ ہم ہم
"کے فلیٹ" پر پہنچے جہاں ہمیں معلوم ہوا کہ ان دونوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے
انھوں نے اقرار کر لیا ہے کہ ان کا مقصد راسپوٹین کو ہلاک کرنا تھا۔ یہ
کر دہشت کی لہر میرے بدن میں دوڑ گئی۔ تاہم راسپوٹین پر اس کا
اثر دکھائی نہ دیا۔ کچھ دیر میں "ماری" بعد بیگم اور دوسرے لوگ بھی آ پہنچے
چائے کا دور شروع ہوا۔

چائے کے دوران فیکٹری کے مالک مسٹر "کے" کی بیوی نے ایک نہایت احمقانہ حرکت کی۔ وہ پوچھ بیٹھی کہ راسپوٹین یہودیوں کو روس سے باہر کیوں نہیں نکال دیتا۔ یہ سننا تھا کہ وہ آگ بگولا ہو گیا اور اس کے باوجود کہ بیگم "کے" نازک اندام دل کش حسینہ تھی۔ اس نے اسے بے نقطہ سنا ڈالیں وہ کافی دیر تک جھلا بڑبڑا اتار رہا اور وہ سر جھکائے سنتی رہی۔ پھر یہ کہہ کر کہ وہ بیگم "کے" سے تنہا میں بات کرے گا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ لوگوں کا اشارہ پا کر بیگم "کے" بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی گئی کوئی پندرہ منٹ تک دونوں وہاں رہے۔ جب وہ لوٹے تو بیگم "کے" جھلا رہی تھی ا راسپوٹین اطمینان سے آرہا تھا۔ غالباً میرے سوا کوئی بھی معاملے کی تہہ تک نہ پہنچ سکا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ بیگم "کے" بھی کتنی بیوقوف ہے نے آ بیل مجھے مار کہنے کے لیے کس نے کہا تھا۔ اب پچھتاتی کیوں ہے؟ لیکن ا کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو دیکھ کر میرا دل بھی بھر آیا۔ کچھ بھی ہو آخر عورت ذات تھی جسے زندگی میں پہلی مرتبہ راسپوٹین جیسے ہوس کار سے رابطہ ہوا ہوگا۔ وہ ایک لمحہ مزید رکے بغیر چلی گئی کچھ دیر بعد میں نے بھی اجازت طلب کی۔

میں ایک گھنٹہ بھی سوئی نہیں تھی کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ میں نے بیزار ریسیور اٹھایا تو معلوم ہوا کہ وہی نوجوان پولیس افسر تھا جسے راسپوٹین کی پر مامور کیا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ مسٹر "اک" کے فلیٹ سے نکل کر راسپو لاپتہ ہو گیا۔ پولیس نے شہر کا کونہ کونہ چھان ڈالا لیکن سب بے سود۔ مقامی

ں کھلبلی مچ گئی ہے۔ کہیں وہ مجھے بتاکر تو نہیں گیا؟" میں نے لاعلمی ظاہر کی تو پولیس
فسر ناامید ہو گیا۔ میں بھی سخت پریشان ہو گئی۔ لیکن کیا کر سکتی تھی۔ اب تو
رن پر فون آنے لگے۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ ماسکو میں میں اس کے ساتھ
ماسئے کی طرح رہتی ہوں۔ میں رسیور اٹھا اٹھا کر تنگ آ گئی۔ میری پریشانی
ور وحشت میں دم بدم اضافہ ہو رہا تھا۔ اسی عالم میں کوئی ایک بج گیا۔
ردازے کی گھنٹی بجی اور راسپوٹین کی آواز سنائی دی۔ میں دوڑی ہوئی
ئی۔ لیکن اس کے ہمراہ ایک کمسن خوبرو لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ وہ کہنے
ا: "اس سے ملو۔ اس سے میری آج ہی ملاقات ہوئی اور پہلی ہی نظر میں یہ
ری ہو گئی۔ ہم دونوں ایک جنت نشان تنہا گوشے میں زندگی کی چند ناقابل
موش گھڑیاں گزار کر آئے ہیں۔" یہ سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی
ں تو سارا شہر اتھل پتھل ہو رہا ہے اور کہاں یہ شخص گلچھرے اڑاتا پھر رہا ہے
لڑکی کو خوشی آمدید کہے بغیر وہاں سے ہٹ گئی۔ راسپوٹین غالباً میرے
ر بھانپ گیا۔ اس نے لڑکی کو چلتا کر دیا اور تنہا میرے کمرے میں چلا آیا۔
میں نے فوراً پولیس والوں کو فون پر بتایا کہ "گم شدہ بچہ" مل گیا ہے پھر
پروگرام کے مطابق جنرل "الف" کی بیگم کے ہاں جا پہنچے۔ وہاں درجن بھر
ریب بیگمات ہماری منتظر تھیں۔ بیگم "الف" ابھی سنگھار سے فارغ نہیں ہوئی
۔ دوسری عورتوں نے موقعہ پا کر راسپوٹین سے اس کی تصویر کا تقاضا کیا۔ وہ
سے بہت خوش ہوا اور مجھ سے کہنے لگا کہ فوٹو گرافر کا انتظام کیا جائے۔
رویش بر جان درویش۔ میں نے ایک واقف فوٹو گرافر کو فون کیا۔ اس اثنا

میں بیگم "الف" آرائشِ جمال سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی لیک جونہی اس کی نظر راسپوٹین پر پڑی اس نے ایک بھیانک چیخ ماری اور دھڑام سے فرش پہ گر پڑی۔ نوکر چاکر بھاگے آئے اور اسے اٹھا کر خوابگا میں پہنچا دیا گیا۔ اسے غیر متوقع سانحے سے ہم سب پریشان تھے۔ راسپوٹین بھی خ مضطرب نظر آتا تھا۔

فوٹوگرافر کے آنے کی اطلاع ملی اور سب عورتیں اپنا میک اپ درست کرنے لگیں۔ دو پوز کھچوانے کے بعد راسپوٹین میرے ساتھ ایک الگ پوز کھنچ پہ اصرار کرنے لگا۔ میں کسی مصیبت کو دعوت دینا نہ چاہتی تھی۔ فوٹوگرافر کو اشا سے منع کر کے میں راسپوٹین کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ تو کمر کے گرد حمائل کر دیا اور دوسرا میرے سینے پر رکھ دیا۔ بھلا اس سے زیادہ اختراعی پوز اور کیا ہو سکتا تھا۔ کیمرہ "کلک" ہوا لیکن تصویر نہ اتری۔ راسپوٹین سے چھولا نہ سماتا تھا۔ میں بھی اپنی کامیابی پہ سرشار تھی۔ اس سے فارغ ہو کر اپنی میزبان کا خیال آیا۔ ہم سب عیادت کی خاطر بیگم "الف" کی خواب گاہ کی جا بڑھے۔ معلوم ہوا کہ وہ ہوش میں آ چکی ہے اور اب لیٹی ہوئی ہے۔ آگے راسپوٹین تھا۔ جونہی اس نے خوابگاہ میں قدم رکھا اور بیگم "الف" کی نظ پر پڑی، اس نے پھر ایک دلدوز چیخ ماری۔ ہم سب الٹے پاؤں بھاگے۔ راسپوٹین بھی واپس آ گیا۔

(۱۴)

۱۹۱۴ء کی ایک کہر آلود صبح کو راسپوٹین موٹے اونی کپڑوں میں لپٹا
ٹایا سلیج میں سکڑا ہوا قونٹکا جا رہا تھا۔ راستے میں اسے دوسری سمت سے
نس اینڈرونیکوف کار میں آتا دکھائی دیا۔ راسپوٹین نے اسے بارہا دیکھا
ما اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ پرنس اسے نہیں جانتا تھا۔ لیکن وہ جھٹ سے
لیج سے باہر جھکا اور دونوں ہاتھ ہلا کر پوری طاقت سے چلانے لگا۔ "نکولائی
ٹرودچ! ایک منٹ کے لیے رک جاؤ۔ تم بڑے موقعے پر ملے ہو۔"

کار رک گئی اور اینڈرونیکوف کھڑکی سے سر باہر نکال کر اس عجیب
ملاقات کو دیکھنے لگا جس نے اسے اس بے تکلفی سے روکا تھا۔ اسی اثنا میں

راسپوٹین سلیج سے اتر کر اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ اینڈرونیکوف کے کار
سے باہر جھکے ہوئے جسم سے لپٹ گیا۔ اور کہنے لگا "تم مجھے اس طرح کیوں
گھور رہے ہو؟ مجھے پہچانا نہیں؟"

"میرا خیال ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا نام پرنس اینڈرونیکوف ہے"
کاروالے نے قدرے غرور سے کہا "میں جانتا ہوں۔ لیکن تم نے مجھے نہیں پہچانا
میں گریگوری ایفیمووچ راسپوٹین ہوں۔ کہاں جا رہے ہو؟" یہ سنتے ہی اینڈرو
نیکوف نرم پڑ گیا اور اس کے چہرے سے درشتی جاتی رہی۔ وہ قدرے تعظیم سے
بولا "گھر جا رہا ہوں۔" "اچھا تو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں مجھے تم سے بہت
سی باتیں کرنی ہیں۔ اتفاق ہے کہ تم خود ہی مل گئے۔" راسپوٹین بولا۔

اینڈرونیکوف کے عالی شان محل میں پہنچ کر راسپوٹین نے سب سے پہلا
پوچھا "تم عبادت کس جگہ کرتے ہو۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے پاس مریم
اعلیٰ ترین مجسمہ ہے۔" اینڈرونیکوف خوشی سے پھول گیا اور اسے جلدی
ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گیا جو ایک چھوٹا موٹا گرجا معلوم ہوتا تھا
راسپوٹین فوراً گھٹنوں کے بل جھک کر دعائیں مانگنے لگا۔ اینڈرونیکوف
اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ کچھ دیر دونوں اسی حالت میں رہے۔ پھر راسپو
اٹھ کر کہنے لگا "اچھا تو نکولائی ہیرودچ ہم نے دعاؤں سے اپنے دل و دما
کو مضبوط کر لیا ہے۔ اب آؤ چند کام کی باتیں ہو جائیں۔"

دونوں ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے اور باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔
کا رخ جلد ہی وزیر جنگ سوخوموئیلو کی جانب ہو گیا۔ اس شخص سے راسپو

سخت نفرت تھی۔ وہ کہنے لگا کہ ایک مرتبہ سوخومونیلوف نے اسے جانور کہا تھا۔
لیے اس کا تختہ الٹ دینا ضروری ہے۔ اینڈرونیکوف پہلے ہی وزیر جنگ پر
رکھائے بیٹھا تھا۔ اس کا راسپوٹین کو بھی علم تھا اور اسی لیے اس نے اینڈرو
ف کو گھیر لیا تھا۔ چنانچہ توقع کے مطابق اینڈرونیکوف نے اپنے دل کی
ب بھڑاس نکال اور سوخومونیلوف کی وہ برائیاں بھی نکال کر رکھ دیں۔ جو
پوٹین کو معلوم نہ تھیں۔ اب راسپوٹین کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور سے چلتے
بولا "اچھا تو میں کل شام پھر آؤں گا۔ پھر ہم پروگرام بنائیں گے۔ تم کچھ مچھلی اور
یرا کی چند بوتلیں تیار رکھنا۔ مچھلی اور میڈیرا کے ساتھ اہم سے اہم مسئلے پر باتیں
لتی ہیں اور پھر ہماری باتیں تو ہیں ہی اتنی اہم۔"

راسپوٹین نے چلنے کی اجازت طلب کی اور اینڈرونیکوف اسے دروازے
چھوڑنے آیا۔ دفعتاً راسپوٹین نے رک کر اس سے کاغذ مانگا اور اس پر
سے الفاظ میں لکھا "تم بڑے مضبوط دماغ کے مالک ہو۔ تمہاری ساری طاقت
سے ذہن میں مضمر ہے۔" راسپوٹین نے کاغذ میزبان کی طرف بڑھایا اور
کہا "اسے اپنی پہلی ملاقات کی یادگار کے طور پر رکھو۔ ہم بہت اچھے
ت ثابت ہوں گے۔"

اگلے دن راسپوٹین مقررہ وقت پر اینڈرونیکوف کے ہاں پہنچ گیا۔ ڈھیروں
ور میڈیرا کی درجنوں بوتلیں دیکھ کر اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ اینڈرونیکوف
دام شیرونسکیا کو بھی مدعو کر رکھا تھا جو وزیر جنگ کی بیوی کی رشتہ دار تھی۔
اس خاندان سے اس کی بہت لگتی تھی۔ چالیس کے پیٹے میں ہونے کے

باوجود خاصی طرح دار عورت تھی۔ اس کی زبان قینچی کی طرح چلتی تھی اور اسے دل موہ لینے کا ڈھنگ خوب آتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی راسپوٹین کی رال ٹپک پڑی تاہم یہ موقعہ ان باتوں کا نہ تھا۔ کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ دست درازی سے کہیں بنا بنایا کھیل بگڑ نہ جائے۔ تاہم اس نے اپنی تسکین کا بہانہ ڈھونڈ ہی لیا اور اینڈرونیکوف اور اس کی بیوی سے معانقہ کرنے اور ان کی پیشانی چومنے کے بہانے اس نے شیرونسکیا کو کئی لمحے آغوش میں دبوچے رکھا۔ فوراً ہی اس پر انکشاف ہوا کہ اس کا خدشہ غلط نکلا کیونکہ شیرونسکیا نے جس گرم جوشی اور سپردگی سے اسے جواب د اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پہلے ہی تیار بیٹھی تھی۔ راسپوٹین کو ایسا موقعہ خدا دے۔ اس نے اینڈرونیکوف سے کان میں کہا کہ وہ معاملے پر گفتگو کرنے سے پہلے ذرا شیرونسکیا کو ٹٹولنا چاہتا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے تاکہ اسے اعتماد میں لینے یا نہ لینے کا فیصلہ کیا جا سکے۔ اینڈرونیکوف کو بھلا کیا اعتراض ہو تھا۔ راسپوٹین نے شیرونسکیا کو عبادت کرنے والے کمرے میں لے جا کی خواہش ظاہر کی۔ دونوں میاں بیوی اس سے بہت متاثر ہوئے اور انھ نے شیرونسکیا کو کچھ دیر کے لیے اس کمرے میں جانے کے لیے کہا۔ راسپوٹین کے پیچھے پیچھے گیا۔ کمرہ اندر سے بند کر کے، جیسا کہ بعد میں راسپوٹین نے بتایا، شیرو سے حلف وفاداری لیا گیا۔ لیکن یہ تو راسپوٹین اور شیرونسکیا ہی جانتے ہیں کہ مقدس مریم کے مجسمے کے سامنے کس قسم کا "حلف" لیا گیا۔

اس سے فارغ ہو کر راسپوٹین پسینے میں شرابور، لڑکھڑاتا ہوا پھر ڈرائنگ روم میں آیا۔ اس کے پیچھے شیرونسکیا آئی تو وہ پہلے سے زیادہ نکھری ہوئی اور

زہ نظر آتی تھی۔ اس کے بعد کھانے کا دور شروع ہوا اور راسپوٹین حسب عادت
ل کی پلیٹوں پر پلیٹیں صاف کرنے اور بوتلیں اڑانے لگا۔ کھانے کے دوران دل
مل کر باتیں ہوئیں۔ شیرونسکیا نے وزیر جنگ کی نجی زندگی کے جتنے بخیئے تھے سب
ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ اینڈرونیکوف نے بھی جی بھر کے جلے پھپھولے پھوڑے اور
سپوٹین مچھلی اور شراب پر ہاتھ صاف کرتا رہا۔ کبھی کبھار وہ مچھلی کے ٹکڑے کو دونوں
تھوں میں بھینچ کر غراتا۔ دیکھو کیا مزا چکھاتا ہوں ..... بدمعاش زندگی بھر یاد رکھے گا۔
میری مخالفت کر کے کوئی شخص یہاں نہیں رہ سکتا ..... پھر یکایک وہ گفتگو
موضوع خدا اور روحانیت کی طرف پھیر دیتا اور بے تکان بولتا رہتا۔ اس کا فلسفہ
باتوں اور شیرونسکیا کی سمجھ سے بالاتر تھا تاہم وہ اس کی باتوں کو بغور سنتے اور
ہی دل میں اس کی ذہانت اور طرز تکلم کی داد دیتے رہے۔

کھانا ختم کر کے راسپوٹین نے رومال سے منہ صاف کیا اور ڈکار لے کر کہنے لگا
دیکھتے رہنا میں اس سوخوملینوف کے بچے کو کیا سبق دیتا ہوں۔ میں تمہیں بتا دوں
پا (زار) اور ماما (ملکہ) نے آج تک میری بات نہیں ٹالی۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا
۔ باقی تینوں بھی تعظیماً اٹھے۔ "سائبیریا کے کچھ تاجر دلارڈ میں میرا انتظار کر رہے ہیں
۔ وہ میرے لیے چند قالین لے آئے ہیں۔" اس نے کہا اور دروازے کی
ف بڑھا۔ دروازے پر پہنچ کر وہ پہلے اینڈرونیکوف اور پھر اس کی بیوی سے
ملا۔ اور پھر شیرونسکیا کو پوری طاقت کے ساتھ اپنے سینے سے بھینچتے ہوئے
سے بولا۔ "میں اپنے گھر پر تمہارا انتظار کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

اس واقعے کے کچھ عرصہ بعد مادام شیرونسکیا نئے متعینہ ڈائرکٹر آف پولیس

بیلیٹسکی کے دفتر میں بیٹھی تھی۔ اس کا کوئی کام اٹکا ہوا تھا۔ اس نے اپنی لانبی لانبی مخروطی انگلیوں میں سگریٹ تھامے ہوئے کہا" راسپوٹین سے پچھلی کی ایک دعوت پر ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے زار اور ملکہ کے متعلق اتنی باتیں سنائیں کہ میں دنگ رہ گئی" یہ سنتے ہی بیلیٹسکی جو اپنی گھڑی کی سنہری زنجیر سے کھیلتا ہوا نیم دلی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ چونک پڑا۔ اس نے شیرونسکیا سے کہا کہ اگر وہ راسپوٹین کی کہی ہوئی باتیں حرف بہ حرف دہرا دے تو اس کا کام بلا تاخیر ہو جائے گا۔ شیرونسکیا کی زبان کی کلینچی چلتی رہی اور بیلیٹسکی بظاہر لاپرواہی سے سنتا رہا۔ لیکن اس نے اہم باتیں ذہن نشین کر لیں۔

حال ہی میں وزیر داخلہ خووستوف نے بیلیٹسکی کو پولیس کے سربراہ کے علاوہ نائب وزیر کے عہدے پر بھی ترقی دی تھی۔ اس وقت وہ راسپوٹین کا سب سے طاقتور دشمن۔ اور بہترین دوست تھا۔ وہ اس کے ازلی دشمن گراند ڈیوک نکولائی نکولیویچ کا ایجنٹ تھا اور راسپوٹین کی اوسنے ادنے حرکات سے اسے باخبر رکھتا تھا۔ راسپوٹین اور پرنس اینڈرونیکوف کی ملاقات کا کسی کراسر پر ایسا نئے باب کا انکشاف ہوا اور وہ خوش آیند مستقبل کے خواب دیکھنے لگا کیونکہ ڈیوک نکولائی کے کیمپ سے علاوہ اسے وزارت داخلہ میں بھی بہتر انعام واقع کی توقع تھی۔ وزارت داخلہ میں پرنس اینڈرونیکوف مشکوک آدمی سمجھا جاتا تھا اور اس کا شمار زار کے مخالفین کی فہرست میں تھا۔ اس کی راسپوٹین سے ملی بھگت سازش کرنے کی اطلاع یقیناً اہم ترین خبر تھی جسے وزارت داخلہ تک پہنچانا گویا سہرا بیلیٹسکی کے سر بلند ہوتا تھا۔ لیکن اس نے ایک اور داؤ کھیلنے کی ٹھانی۔ ا

سے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا منصوبہ بنایا۔

چند دنوں بعد پرنس اینڈر رونیکوف بیلیتسکی کے دفتر میں تھا۔ بیلیٹسکی نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور بہت عزت و تکریم سے پیش آیا۔ اس نے پرنس کے ماضی کے متعلق ایک لفظ تک نہ کہا اور کہنے لگا "عزیز دوست میں نے تمہیں اس لیے تکلیف دی ہے کہ آج ملک پر تباہی کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ ہمارے آپس میں لاکھ اختلافات سہی لیکن ایسے نازک موقعے پر ہمیں سب کچھ بھول کر حب وطن کا ثبوت دینا ہے۔ تمھیں حکومت سے لاکھ شکایت سہی لیکن تمہاری وطن سے محبت میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔" اس لمبی تمہید کے بعد بیلیٹسکی نے ایک لمحہ توقف کر کے اینڈر رونیکوف کو کنکھیوں سے ٹٹولا اور اسے متاثر دیکھ کر کہنے لگا "تمہاری پچھلی پارٹیوں کی خبریں ہم تک پہنچتی رہی ہیں۔ وزیر داخلہ اور ہم انہیں بہت دلچسپی سے دیکھتے رہے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ پارٹیاں برابر ہوتی رہیں، ممکن ہو تو ہفتے میں دو مرتبہ اور تم ہمیں بھی ان میں شرکت کا شرف حاصل کرنے کا موقعہ دو۔ ان پارٹیوں کا سارا خرچ ہم برداشت کریں گے۔ تمہارا احسان الگ ہوگا۔ سوچ لو یہ سب ملک کے فائدے کے لیے ہے۔" بیلیٹسکی نے اس تجویز کے ساتھ کہ ان پارٹیوں میں مادام شیر ونسکیا کو بھی برابر مدعو کیا جا رہے، اپنی بات ختم کر دی اور گول گول آنکھوں سے اینڈر رونیکوف کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔

اینڈر رونیکوف نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ اسے روپے پیسے کی کمی نہ تھی نہ ہی وہ اتنا کنجوس تھا کہ ہفتے میں دو مرتبہ دو تین سو روبل نہ خرچ

کر سکے۔ وہ تو اپنی خدمات کی پوری پوری قیمت چاہتا تھا۔ کہنے لگا "مجھے پیسے وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے اپنا اخبار نکالنے کی اجازت دی جائے جس میں میں ان وزیروں کی حمایت کرنا چاہتا ہوں جن سے میرے دوستانہ تعلقات ہیں" بیلیٹسکی مان گیا اور دونوں میں معاہدہ ہو گیا کہ وزارت داخلہ اینڈرونیکوف کے اخبار سے ہر قسم کا تعاون کرے گی اور وہ اس کے صلے میں وزارت کو راسپوٹین کے عزائم سے آگاہ رکھے گا۔ یہ طے پایا کہ ان مجلسی پارٹیوں میں نہ صرف مادام شیرونسکیا باقاعدہ شامل رہے گی جس کے صلے میں اسے ہر ماہ باقاعدہ تنخواہ ملے گی بلکہ بیلیٹسکی جس آدمی کو چاہے گا اپنا نمائندہ بنا کر بھیجے گا اور کبھی کبھار خود بھی اس میں شامل ہوگا۔ اب رہا سوال کہ راسپوٹین کو ہفتے میں دو مرتبہ کس طرح گھیرا جائے۔ اس کا حل بیلیٹسکی نے پیش کیا۔ کیونکہ وہ اسے بہتر جانتا تھا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ اینڈرونیکوف ہر دعوت پر اسے ایک خاص رقم دیا کرے تاکہ لالچی راسپوٹین برابر آتا رہے۔ یہ رقم وزارت داخلہ کے فنڈ سے دی جانے والی تھی۔

پہلی دعوت میں بیلیٹسکی اور خووسٹوف نے خود شرکت کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ مرحلہ دونوں کے لیے بڑا نازک تھا۔ انہیں یوں لگتا تھا جیسے وہ محاذ پر جا رہے ہوں کیونکہ ان کا سامنا روس کے خطرناک ترین اور سب سے زیادہ شاطر شخص سے ہونے والا تھا جس کی نظریں مقابل کے سینے کو چیر کر سیدھی دل تک اتر جاتی تھیں۔ اسے چھیڑنا جیسے زہریلے ناگ کو چھونے

مترادف تھا۔ بہرحال انہیں یہ خطرہ ایک مرتبہ تو مول لینا ہی تھا۔ ایک جوا تھا۔ جس میں ہار جانے کا خدشہ تھا تو جیتنے کی بھی تھوڑی بہت امید تھی۔ انہوں نے اینڈرونیکوف کے ڈرائنگ روم میں راسپوٹین کو دیکھ کر مصنوعی حیرت کا اظہار کیا اور اس سے بہت گرم جوشی سے ملے لیکن راسپوٹین انہیں اس طرح گھورنے لگا جیسے نیولا سانپ کو دیکھتا ہے۔ وہ دونوں ہاتھ جیب میں ٹھونسے کمرے میں چہل قدمی کرتا رہا اور اینڈرونیکوف، بیلیٹسکی اور خووستوف دم بخود اس جوئے کے انجام کا انتظار کرتے رہے۔ بالآخر اضطراب کی کٹھن گھڑی ختم ہوئی اور راسپوٹین خووستوف سے کہنے لگا "تم اس دعوت میں شریک ہونے آئے ہو، خوب بہت خوب۔ لیکن تم نے مجھے نزنی نووگوروڈ والی دعوت میں نہیں بلایا تھا۔ کیونکہ تم جلدی میں بھول گئے تھے، اور تم بھی۔ کیوں ہے نا؟" وہ بیلیٹسکی کی طرف مڑ کر کہنے لگا۔ بیلیٹسکی جلدی سے بول پڑا "اس کا صدمہ تو مجھے زندگی بھر رہے گا۔ یہی شکایت دور کرنے کے لیے تو ہم آئے ہیں۔ تم جیسے عالی ظرف انسان سے ہمیں توقع ہے کہ ہماری اس غلطی کو معاف کر دو گے" بیلیٹسکی کی جرأت دیکھ کر خووستوف اور اینڈرونیکوف کی بھی ہمت بندھی اور وہ دونوں بھی اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

"در اصل میں نے اسی لیے انہیں بھی مدعو کر لیا کہ آپ لوگوں کی کدورت دور ہو جاتی۔ یہ دعوت تو محض ایک بہانہ ہے۔" اینڈرونیکوف نے سیاست سے کام لیا۔ وہ تینوں بیک وقت بولنے لگے اور انہوں نے راسپوٹین کو بات

کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیا خوشامد اور چاپلوسی کے جتنے الفاظ تھے۔ سب استعمال کیئے گئے۔ اسی اثنا میں مادام شیرو نسکیا بھی آ گئی۔ اسے دیکھتے ہی راسپوٹین کا موڈ ٹھیک ہو گیا اور جب وہ کھانے کی میز پر بیٹھے تو راسپوٹین حسب عادت چہکنے لگا۔ دو چار پلیٹوں اور گلاسوں کے بعد تو وہ بالکل دوسرا آدمی بن گیا۔ آج کی دعوت میں بہت عمدہ مچھلی اور اعلیٰ قسم کی شراب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ تینوں اس سے ملکی سیاست اور اندرون محل حالات کے متعلق بڑے بے خبر سے اور معصومانہ سوالات کرتے رہے اور وہ ترنگ میں آ کر شتر بے مہار کی طرح اڑا جا رہا تھا۔ اگر وہ کسی سوال کا جواب دینے میں تامل کرتا تو مادام شیرو نسکیا فوراً اپنے سچے شباب کی ساری مستی آنکھوں میں سمیٹ لاتی اور اس کی ران یا شانے پر ہاتھ رکھ کر اسی سوال کو دوسرے الفاظ میں پوچھتی۔ راسپوٹین سب کے سامنے اسے اپنی طرف کھینچ لیتا اور بڑے چاؤ چونچلو سے اس کی بات کا جواب دیتا۔

کھانا ختم ہوا تو وہ ڈائننگ روم میں جا بیٹھے۔ اس کھانے کے متعلق مادام اینڈرونیکوف نے بعد میں اپنے ایک ملاقاتی کو بتایا کہ اس میں بھنی ہوئی مچھلی کی کوئی چودہ پلیٹیں اور شراب کی آٹھ بوتلیں ختم کی گئیں جن میں سے راسپوٹین کا حصہ بلا مبالغہ تین چوتھائی تھا۔ کھانے کے بعد وہ ایک مست سانڈ کی طرح صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ قہوے کی گرم گرم پیالی پلائی گئی تو وہ آپے میں آیا۔ پانچ منٹ بیٹھنے کے بعد اینڈرونیکوف نے اسے اشارہ کیا اور دونوں اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئے۔ وہاں اینڈرونیکوف نے زحمت دہی کی معذرت چاہی اور

جیب سے پانچ سو روبل کے نوٹ نکال کر اس نے ہاتھ پر رکھے اور دو دن بعد پھر آنے کی درخواست کی۔ ساتھ ہی اس نے مزید نذرانہ دینے کا اشارہ کیا۔ روبل اس نے خاموشی سے جیب میں ٹھونس لیے اور دونوں پھر ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے جہاں بیلیٹسکی اور خوستوف مادام شیرونسکیا کو آخری ہدایت دے رہے تھے۔ اسی اثناء میں ایک ایسی بات ہوئی جس نے بیلیٹسکی اور ایڈرونیکوف دونوں کو مضطرب کر دیا البتہ راسپوٹین اس سے لاتعلق رہا۔ ہوا یہ کہ مادام شیرونسکیا دفعتاً اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی اور اس کے پیچھے خوستوف بھی گیا۔ کمرے سے باہر نکل کر وزیر داخلہ نے جلدی سے نوٹوں کی ایک گڈی شیرونسکیا کی مٹھی میں تھما دی اور اس کے کان میں بولا۔ بیلیٹسکی پر بھی کڑی نظر رکھو اور میرے پیچھے یہاں جو بات ہو مجھے بتا دیا کرو۔ تمہیں بہت کچھ ملے گا۔" دونوں پھر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے اور باتیں ہونے لگیں لیکن بیلیٹسکی کے چہرے سے بے چینی صاف مترشح تھی۔ کوئی ایک گھنٹہ بیٹھنے کے بعد محفل برخاست ہوئی اور مہمان رخصت ہونے لگے۔ یکایک بیلیٹسکی شیرونسکیا کا بازو پکڑ کر اسے ایک طرف لے گیا اور کہنے لگا کہ خوستوف اور راسپوٹین کے درمیان اس کی غیر موجودگی میں کوئی بات ہو تو وہ اسے بتا دے۔ اس خدمت کے صلے میں اسے منہ مانگی رقم دی جائے گی۔" اس مرتبہ خوستوف کے مضطرب ہونے کی باری تھی لیکن راسپوٹین اس مرتبہ بھی لاپرواہ رہا۔ پھر سب لوگوں نے ایک دوسرے کے الوداعی بوسے لیے اور راسپوٹین نے چپکے سے شیرونسکیا کے کان میں کہا۔

"میری ہو، یہ نہ بھولنا۔"

اس شام کے بعد "مچھلی کی دعوتوں" کا سلسلہ شروع ہو گیا جنہیں روس کی

سیاست میں نمایاں اور خاص اہمیت حاصل ہوگئی یہی وہ دعوتیں تھیں۔ جن کی
آخری شام راسپوٹین اور اس کے مخالفین کے درمیان فیصلہ کن جنگ کا میدا
ثابت ہوئی۔ جس نے روس کو راسپوٹین کے عفریتی پنجے سے چھٹکارا دلایا ا
جوزار کی تباہی کے تابوت میں آخری کیل بن کر گڑ گئی۔ ملک کی تمام سیاست ا
دعوتوں میں سمٹ کر آچکی تھی اور ان میں تاج وتخت کے متعلق وہ فیصلے کیے گ
جن کا نہ تو خود زار کو علم تھا نہ الکا یہ سلطنت ان سے آگاہ تھے۔ پچھلی کی دعوت
کا چرچا اینڈرونیکوف کی حویلی سے نکل کر دربار اور شاہی محل تک پہنچا لیک
کسی کو ان میں مداخلت کی جرأت نہیں ہوئی ان سے بیلیٹسکی، خوستوف ا
خود اینڈرونیکوف کو جو سیاسی فائدہ پہنچا سو پہنچا لیکن مادام شبرونسکیا نے ا
دولت کمائی جو اس کی باقی ماندہ زندگی کو شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے گذارنے
لیے کافی تھی۔

ایسی ہی ایک دعوت میں کلیسا کے "پروکیورئیر" سامارن کی قسمت کا ف
بھی کر دیا گیا۔ اس میں اور بشپ ورناوا میں مدت سے چپقلش چل رہی تھی
کلیسا پر اپنی اپنی بالادستی رکھنا چاہتے تھے اور پروکیورئیر" ہونا گویا ہفت اقا
بادشاہت حاصل کرنے کے مترادف تھا۔ یہی ایک عہدہ تھا۔ جس کے سا
بادشاہ وقت بھی چوں چرا نہیں کر سکتا تھا "پروکیورئیر" کی مخالفت کرنا
پورے ملک کو دعوت مبازرت دینا تھا۔ سامارن اب تک اس عہدے
اس لیے متمکن تھا کہ راسپوٹین بشپ ورناوا سے سخت ناراض تھا۔ ورناو
کے دیہاتی مالی کا وہی لڑکا تھا جسے راسپوٹین کی نگاہ التفات نے بشپ بنا

اور جس پر ملک بھر میں طوفان مچ گیا تھا۔ لیکن بعد میں ورناوا مالی کے لڑکے سے ایک جلیل القدر عہدے پر متمکن ہو کر اپنے محسن کو نظر انداز کرنے لگا تھا۔ راسپوٹین کی توقع کے خلاف وہ اس سے کسی بات میں مشورہ بھی نہ لیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سامارن کو راسپوٹین کی تائید و حمایت حاصل تھی۔ ورناوا خودسٹوف کا دوست تھا اس لیے کہ وہ سامارن کی بہ نسبت زیادہ آسانی سے قابو میں لایا جا سکتا تھا۔ اس طرح "پرکیورئیر" اپنا آدمی ہو جاتا۔ خودسٹوف کو معلوم تھا کہ راسپوٹین کو شرفا اور امرا اور تعلیم یافتہ لوگوں سے سخت نفرت تھی اور وہ ان کے مقابلے میں اجڈ اور جاہل دیہاتیوں کو ترجیح دیتا تھا اس نے یہی داؤ کھیلا اور سامارن کے متعلق کہنے لگا کہ وہ ورناوا سے بہت بہتر ہے لیکن دیہاتیوں اور کسانوں خصوصاً سائبیریا والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ انہیں انسان تک نہیں سمجھتا اور اگر ان میں سے کوئی اسے ملنے آئے تو ملنے سے احتراز کرتا ہے۔ راسپوٹین کے لیے اتنا سننا کافی تھا۔ وہ پھٹ پڑا۔ اور سارن کو سخت سست سنا ڈالیں۔ خودسٹوف کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اسے یقین تھا کہ سارن کو راستے سے ہٹانے میں کوئی طاقت مزاحم نہیں ہو گی۔

ان ہی دعوتوں کے دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے خودسٹوف اور بیلیٹسکی کی سارے کیے کرائے پر پانی پھرتا نظر آیا۔ دونوں کو نہ صرف سارا منصوبہ خاک میں ملتا دکھائی دیا۔ بلکہ ان کا مستقبل بھی خطرے میں پڑ گیا۔ ڈیودسن نامی ایک غیر ملکی صحافی راسپوٹین کے کمال و عروج کی شہرت سن کر پوکرووسکو جا پہنچا۔ وہاں اس نے نہ صرف اس کے سارے اگلے پچھلے واقعات کرید ڈالے بلکہ اس کی

لڑکی میٹریونا سے بھی محبت کی پینگیں بڑھائیں۔ پھر اس نے ایک مضمون لکھا جس میں راسپوٹین کی گذشتہ زندگی کے متعلق ہلکا سا اشارہ کرتے ہوئے یہ تاثر بھی دیا کہ میٹریونا اس سے پہلی ہی ملاقات میں گھائل ہو گئی تھی۔ ڈیوڈسن نے اس مضمون کو ماسکو کے ایک جریدے میں شائع کروایا لیکن احتیاط یہ رکھی کہ راسپوٹین اور میٹریونا کا نام کہیں آنے نہ دیا۔ اور لکھا کہ وہ اس سلسلے میں ایک طویل مضمون لکھ رہا ہے۔

(۱۴)

راسپوٹین کو قتل کرنے کی سازش خود شوف کے ذہن میں یکایک پیدا نہیں
بلکہ یہ طویل منصوبہ بندی کا نتیجہ تھی۔ وزیر داخلہ اور محکمہ پولیس کا سربراہ ہونے
ثیت سے وہ تمام داخلی امور کا کرتا دھرتا تھا۔ اس نے قتل کی سازش کو
ل تک پہنچانے کے لیے باقاعدہ صلاح مشورے کیے، پے در پے اجلاس
ئے، بحث و تمحیص ہوئی اور پھر احکامات صادر کیے گئے۔ ان اجلاسوں
ارت داخلہ اور محکمہ پولیس کے قابل اعتماد اعلیٰ افسران، چند دوسرے نازک
ار، حکام اور امراء شریک ہوتے رہے۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ لوگ اس
مذہب، مادر وطن، سلطنت اور اکابر سلطنت کے خلاف غدارانہ سرگرمیوں

ریشہ دوانیوں اور بدعنوانیوں کا انتقام لینے کا مقدس فریضہ انجام دے سے رہے ہوں۔ خود سٹوف نے راسپوٹین کے خلاف سرکاری تحقیقات کے احکام جاری کیے۔ شہادتیں جمع کی گئیں، اور دستاویزات تیار کی گئیں۔ یہ تمام کارروائی محکمانہ طور پر کی گئی جس کو مکمل صیغۂ راز میں رکھا گیا۔ تعجب ہوتا تھا کہ خود سٹوف نے "زار سے بڑھ کر زار" کے خلاف اقدام کرنے کا یہ زبردست خطرہ کس طرح مول لیا تھا۔ بظاہر تو اس نے یہی وجہ پیش کی کہ وہ مذہب اور مادر وطن کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا رہا ہے اس کا یہ موقف اسے قومی ہیرو بنانے کے لیے بہت تھا۔ تاہم پس پردہ بات کچھ اور تھی۔ وہ دن بدن راسپوٹین کی حمایت اور تائید سے محروم ہوتا جا رہا تھا اور اسے یقین تھا کہ دیر سویر اسے راسپوٹین کے ہاتھوں ذلت آمیز موت نصیب ہوگی۔ پھر کیوں نہ ایک بہادر کی طرح مقابلہ کرتے ہوئے جان دی جائے اور پھر یہ بات بھی تو تھی کہ شکست کے زیادہ امکانات کے ساتھ فتح کی تھوڑی بہت امید بھی تھی۔

بیلیٹسکی کو اس سے مکمل اتفاق رائے تھا وہ کسی اور ہی داؤ میں تھا۔ یہ آ حقیقت تھی کہ وہ راسپوٹین سے سخت متنفر تھا اور اس کی موت کو اپنی اور ملک تمام مشکلات کا حل سمجھتا تھا۔ ادھر خود سٹوف بھی اس کی آنکھوں میں خار کی طر کھٹکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ راسپوٹین کے صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جا۔ کے بعد خود سٹوف بھی دندناتا ہوا نہیں پھر سکے گا۔ وہ لاکھ وزیر داخلہ سہی لیک پولیس کا سربراہ ہونے کی وجہ سے وہ بھی کوئی کم حیثیت شخص نہیں تھا۔ ا کے نزدیک خود سٹوف کے لیے پھانسی کا پھندا تیار کرنا چنداں مشکل نہ تھا۔

نے خودستوف کو بتایا کہ سابق وزیر داخلہ مالاکوف بھی راسپوٹین کو ختم کرنے کے
رپے ہے۔ اسی طرح وزارت انصاف کے ڈائریکٹر آف چانسری جنرل ڈوجیزی
نے جو ان دنوں مالٹا میں "پرفیکٹ" کے عہدے پر تعینات تھا بیلیٹسکی کو تار بھیجا کہ
اسپوٹین کے خلاف سرکاری کارروائی کی جائے اور اسے قانونی طور پر
نزائے موت دلائی جائے اس کے منصوبے کے مطابق راسپوٹین کو کسی بہانے
بھیجا جائے اور جب وہ بیلیا سٹوپول اور یالٹا کے دوراہے پر پہنچے تو اس
پہاڑوں پر سے گرا دیا جائے بیلیٹسکی کے نزدیک یہ کام وزارت انصاف کا
ں بلکہ وزارت داخلہ کا تھا۔ لہذا اس نے تار خودستوف کے حوالے کر دیا۔
دستوف اس تار کو وزیر اعظم کے پاس لے گیا۔ جس نے جنرل ڈومیزی کے
صوبے کو پسند کیا لیکن اس کی تکمیل کے لیے سرکاری احکام جاری کرنے سے
وری ظاہر کی، اس طرح راسپوٹین کی موت کے وارنٹ پر دستخط نہ ہو سکے۔

خودستوف نے بیلیٹسکی سے صلاح مشورے کے بعد اپنا منصوبہ بنایا کہ
پوٹین کو اس کی ایک مداح کی طرف سے ٹیلی فون کیا جائے۔ اسے
نے کے لیے جو کار بھیجی جائے اسے خفیہ پولیس کا آدمی چلا رہا ہو۔ راستے میں
۔ اور پولیس والا کار کو یہ کہہ کر روکے کہ آگے راستہ بند ہے۔ یہ سن کر کار
ائیور راستہ بدل کر ایک سنسان سڑک پر ہو لے گا اور ایک مقررہ مقام
ج کر کار روک دے گا۔ اس جگہ دو نقاب پوش پہلے ہی چھپے ہوں
۔ وہ راسپوٹین کو کلوروفارم سنگھا کر بے ہوش کر دیں گے اور
نے رسیوں سے جکڑ کر کار میں ڈال دیں گے۔ اسے دریا کے ساحل

پرلے جایا جائے گا۔ جہاں برف کے تودوں تلے دبا دیا جائے گا جب برف پگھلے گی تو لاش کو خود بخود بہا لے جائے گی خود سٹوف نے بیلیسکی کو یہ منصوبہ بتا کر اسے تمام ضروری سامان مہیا کرنے کا حکم دیا وہ یہ حکم سن کر چیف آف سپیشل پولیس کرنل کومیلساروف کے پاس گیا تاکہ منصوبے کے تکنیکی پہلوؤں پر غور کیا جا سکے۔

کرنل کومیلساروف پرانا اور تجربہ کار افسر تھا۔ اس نے قتل کی سازش سے تو مکمل اتفاق کیا لیکن اسے طریقۂ کار پر اختلاف تھا۔ اس کا موقف تھا کہ اس طرح کئی آدمیوں کو اس سازش میں شریک کرنا پڑے گا۔ اگر ان میں سے ایک نے بھی قبل از وقت بھانڈا پھوڑ دیا تو سب کی شامت آ جائے گی۔ سینٹ پیٹرسبرگ میں قتل وہ بھی اپنے وقت کی سب سے بڑی شخصیت کا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اسے ایک طرف تو پولیس کے کسی آدمی پر اعتبار نہ تھا۔ دوسری طرف مشکل یہ تھی کہ راسپوٹین ہر وقت مختلف اداروں کے آدمیوں گلیبشیف کے جاسوس، دربار کے متعلقہ خفیہ ایجنٹوں اور ہنگاروں کے مخبروں کی زیر نگرانی رہتا تھا۔ اس کے کار میں سوار ہوتے ہی کئی کاروں کا اس کے پیچھے لگنا لازمی تھا۔ لہٰذا کرنل کومیلساروف نے اس منصوبے کو غلط قرار دیا تاہم اس نے بتایا کہ وہ کسی دوسرے منصوبے پر دل و جان سے عمل کرنے کو تیار ہے کیونکہ وہ خود بھی بہت دنوں سے راسپوٹین کے ناپاک وجود سے سرزمین روس کو نجات دلانا چاہتا تھا۔ تاہم اس نے بیلیسکی کو متنبہ کیا کہ وہ خود سٹوف پر بالکل بھروسہ نہ کرے اور اس کے ساتھ اشتراک عمل سے گریز

ر سے۔ پھر اس نے بیلیٹسکی سے دوستی کے صلے میں اسے خود خود ستوف
کے خفیہ عزائم سے آگاہ کیا۔ اس نے بتایا کہ خود ستوف نے ہر خاص و
عام حتیٰ کہ خود زار تک سے یہ کہہ دیا ہے کہ راسپوٹین کی حفاظت
کی تمام تر ذمہ داری بیلیٹسکی پہ عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر اسے کوئی زک پہنچی
تو اس کا براہ راست ذمہ دار بیلیٹسکی ہوگا۔ یہ کہنے سے خود ستوف کا منشا یہ تھا کہ
بعد میں بیلیٹسکی کو پھنسا کر خود الگ ہو جائے۔

یہ سن کر بیلیٹسکی کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے تہیہ کر لیا کہ خود ستوف کا ساتھ
نہیں دے گا۔ اس کے برعکس اس نے ساری باتیں راسپوٹین سے بتا دینے کا
ارادہ ظاہر کیا لیکن کرنل کومیساروف نے اسے ایسا کرنے سے باز رکھا کیونکہ
اس کے نزدیک مصلحت اسی میں تھی کہ دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہ دیا جائے
ورنہ پھر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ خود ستوف صاف نکل جاتا اور سارا الزام بیلیٹسکی کے سر
تھوپ دیتا۔ اس نے تجویز کیا کہ خود ستوف سے کسی طرح تحریری احکام لے
لیے جائیں تاکہ اس کا منہ بھی بند کیا جا سکے۔ اس وقت تک اس کی ہاں میں ہاں
ملائی جائے۔ اس اثنا میں اس کے منصوبے پر عمل پیرا ہونے میں لیت و لعل سے
کام لیا جائے اور اس کے ساتھ ہی راسپوٹین کی جان کی حفاظت بھی کی جائے
کہ خود ستوف مضطرب ہو کر کوئی اور طریقہ اختیار نہ کرے۔ تجویز کے مطابق کرنل کو
میساروف نے ہدایات جاری کر دیں کہ راسپوٹین کا بال بھی بیکا نہ ہو اور بیلیٹسکی
نے خود ستوف کو نت نئے حیلوں سے ٹرخانا شروع کیا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ
راسپوٹین پہ قاتلانہ حملے سے پہلے اس کے اگلے پچھلے کرتوتوں کے متعلق ایک دستاویز

تیار کر کے زار کو پیش کی جائے۔ اس میں ان تمام باتوں کا خصوصیت سے اندراج ہو جو وہ زار اور ملکہ کے خلاف کہتا رہا ہے۔ ساتھ ہی گواہوں کی مکمل فہرست مع پتے دکوائف بھی اس سے منسلک کئے جائیں تاکہ شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ بیلیسکی نے یہ دستاویز تیار کرنے سے پہلے ایک رپورٹ مرتب کرنے کا بھی مشورہ دیا کہ راسپوٹین کی روزمرہ نقل وحرکت کے متعلق خفیہ پولیس کی تمام رپورٹوں کو یکجا کیا جائے۔ ان میں دو واقعات کو نمایاں طور پر پیش کیا جائے۔ ایک تو ۱۸ ستمبر والا خط جس میں راسپوٹین کو قتل کی دھمکی دی گئی تھی اور کہا گیا تھا "ہم دس ہیں اور تمہیں ہر حالت میں جہاں کہیں بھی ہو گے ڈھونڈ نکالیں گے" دوسرا واقعہ ان دو شخصوں کا تھا جن کی بیویاں رات کے وقت راسپوٹین کی خواب گاہ میں تھیں اور وہ ریوالور تانے اسے مار ڈالنے کے لیے آئے تھے ان واقعات سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ کسی نے ذاتی مخاصمت کی بنا پر اسے قتل کر دیا ہے۔

لیکن خود ستوف تو ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا وہ ایک لمحہ بھی ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے بیلیسکی کو نظر انداز کر دیا۔ اور کرنل کومیساروف کو براہ راست بلایا اور اسے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ کرنل کومیساروف نے اس کے منصوبے کی دل کھول کر تعریف کی لیکن ساتھ اپنی تجویز بھی پیش کی کہ کیوں نہ راسپوٹین کو زہر دے کر ہلاک کیا جائے اس کا منصوبہ یہ تھا۔ کہ راسپوٹین کو زہر آلود شراب بھیجی جائے۔ اس سے کسی کو شبہ بھی نہ ہوگا۔ اور سازش میں تیسرے آدمی کی شرکت کی ضرورت بھی نہ ہوگی خود ستوف

تجویز سن کر پھڑک اٹھا اور اس نے فوراً رضامندی ظاہر کی۔ اس نے کہا کہ شراب بنکار ڈومٹری رابنسٹن کے نام سے بھیجی جائے۔ جس سے اسے شدید نفرت تھی اس پر کرنل کومیساروف نے کہا کہ جونہی بھوبٹن کو شراب ملے گی وہ فوراً ٹیلی فون پر رابنسٹن کا شکریہ ادا کرنے لگے گا اور بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ خود سٹوف یہ سن کر اپنی حماقت پر خفیف سا ہو گیا۔ تاہم اس نے منصوبے کو بلا تاخیر عملی جامہ پہنانے کا حکم دے دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی تاکید کر دی کہ بیلیٹسکی کو اس کا پتہ نہ چلے۔ کرنل کومیساروف نے دوسری تجویز پیش کی کہ زہر آلود شراب سینٹ پیٹرسبرگ سے باہر کسی جگہ تیار کی جائے۔ خود سٹوف نے اسے بخوشی منظور کر لیا اور کرنل کومیساروف پہلی ٹرین سے سارا ٹوف روانہ ہو گیا۔ روانگی سے پہلے اس نے بیلیٹسکی کو تمام باتوں سے آگاہ کر دیا۔

سارا ٹوف سے واپس آکر کرنل کومیساروف نے خود سٹوف کو ایک مرکب دیا اور کہا کہ اس سے زیادہ جان لیوا زہر اور کوئی نہیں۔ اس نے اسے ثبوت کے طور پر ایک بلی پر آزمایا تھا جس نے چشم زدن میں جان دے دی۔ خود سٹوف چاہتا تھا کہ جلد از جلد زہر کا اثر دیکھا جائے اس پر کرنل کومیساروف نے معذرتاً کہا کہ اب جبکہ تمام انتظامات ہو چکے ہیں بیلیٹسکی کو آگاہ کر دینا چاہیئے کیونکہ وہ اسے اصولی طور پر یہ نہیں سمجھتا کہ اپنے افسر اعلیٰ کو اندھیرے میں رکھے۔ خود سٹوف

کولیساروف کی فرض شناسی سے بہت متاثر ہوا اور اس نے لسٹنہ بیلٹیکی کو منصوبے سے آگاہ کرنے کی اجازت دے دی۔ تینوں نے فیصلہ کیا کہ اگلی جمعرات کو منصوبے پر عمل کیا جائے۔ خودسٹوف اس موقعہ پر خود بھی موجود رہنا چاہتا تھا لیکن بیلٹیکی اور کولیساروف نے اس کی سختی سے مخالفت کی یہ طے پایا کہ ایںڈرنیکوف کے گھر کی بجائے کسی اور جگہ راسپوٹین کو زہر دیا جائے۔

جمعرات کی صبح خودسٹوف کو اس کے جاسوسوں نے خبر دی کہ وزیر اعظم گورمیکن کی جگہ اسٹرمر کو وزارت عظمیٰ کا قلمدان سونپا جا رہا ہے اور شام کے وقت اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ خودسٹوف نے فوراً بیلٹیسکی کو بلا بھیجا۔ لیکن اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ پھر وہ خود اس مکان میں گیا۔ جہاں راسپوٹین کو زہر دینے کا پروگرام بنایا گیا تھا وہاں کوئی بھی نہ تھا مکان سنسان اور تاریک تھا۔ خودسٹوف سمجھ گیا کہ بیلٹیسکی اور کولیساروف نے اسے دھوکہ دیا۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور کسی ایسے آدمی کو تلاش کرنے لگا جو یہ کام انجام دے۔ اچانک اسے ایلیوڈر کا خیال آیا کہ اس نے بھی ایک مرتبہ راسپوٹین کو قتل کرانے کی سازش کی تھی۔ اس نے اپنے ایک جاسوس ژیونسکی کے ذریعہ معلوم کیا کہ ایلیوڈر ان دنوں ناروے میں ہے اور سخت مالی پریشانی میں مبتلا ہے۔ وہ راسپوٹین کے خلاف "مقدس شیطان" کے نام سے ایک کتاب شائع کرنا چاہتا ہے لیکن اسے کوئی ناشر نہیں مل رہا۔ خودسٹوف نے فوراً اس کے پاس ایک خاص آدمی یہ پیغام دے کر بھیجا

کہ وہ روس میں مقیم اپنے چند پیروؤں کو اسپوٹین کے قتل پر آمادہ کرے تو اسے
منہ مانگی قیمت دی جائے گی۔ ایلیوڈر نے اس کے جواب میں بذریعہ
ار آمادگی ظاہر کی۔ بشرطیکہ اسے مطلوبہ رقم فوراً نار وے ہی پہنچا دی جائے
ودستوف نے کچھ توقف کے بعد ٹریوسکی کو اس کام پر مامور کیا۔ ادھر
بیلیٹسکی اور کومیساروف کو اپنے جاسوسوں سے خودستوف کی نقل و حرکت
ار قراری خبر مل رہی تھی۔ انہوں نے بھی جوابی حملے کی تیاری شروع کر دی
تھا۔ بیلیٹسکی کے قبضے میں ٹریوسکی کی سابقہ زندگی کا سارا ریکارڈ موجود
تھا۔ اس نے ٹریوسکی کو اپنا آلہ کار بننے پر مجبور کیا۔ جسے اس بزدل آدمی
نے بخوشی منظور کر لیا۔ بیلیٹسکی کے ایماء پر اس نے خودستوف سے کہا کہ
وہ اسے ایلیوڈر کے نام ایک خط، روبل اور ملک سے باہر لے جانے
اجازت نامہ دے۔ خودستوف جال میں پھنس گیا۔ بیلیٹسکی نے خودستوف کا
اپنے قبضہ میں رکھا۔ اور ٹریوسکی کو ناروے جانے کی اجازت دیدی
جب وہ بذریعہ ٹرین روس اور سویڈن کی سرحد پر پہنچا تو گرفتار کر
یا اسے سینٹ پیٹرسبرگ لایا گیا۔ اور تلاشی لینے پر خودستوف کا تحریر کردہ
زت نامہ برآمد کر لیا گیا۔ اس کا خط پہلے ہی بیلیٹسکی کے قبضے میں تھا۔
ھتیاروں سے لیس ہو کر وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر راسپوٹین وزیر اعظم
اور ایلینا یرویودا کے پاس بھاگا بھاگا گیا۔ اور اس نے انہیں خودستوف
زش سے آگاہ کر دیا۔

توقع کے خلاف خودستوف مزید تین دنوں تک اپنے عہدے پر رہا اس

اثنا میں اس نے بینیکی کو برطرف کرنے یا اس کا سائبیریا کے ایک دور دراز علاقے میں تبادلہ کرنے کی ناکام کوشش کی لیکن وہ بھی غافل نہ تھا اس ۔ اخبار کے ایڈیٹر سے مل کر خروشچوف کی سازش کی تمام روئداد الف سے یے تک اخبار میں شائع کرادی اس کا اخبار میں شائع ہونا تھا کہ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اسی دن خروشچوف کو سبکدوش کر دیا گیا۔

(۱۵)

ونٹرکیناں میں مادام گونودیناکے خوب صورت آرام دہ ڈرائینگ روم
میں راسپوٹین صوفے پر پاؤں پھیلائے بیٹھا چائے کی چسکیاں لے رہا
تھا۔ اس کے عین سامنے مونیا اور اس کی ماں بیٹھی تھیں اور دائیں جانب
پرنس فیلکس یوسوپوف تھا۔ راسپوٹین بڑی ترنگ میں تھا اور بڑ ہانک رہا
کہ کس طرح اس کے دشمن چاروں طرف گھات لگائے بیٹھے ہیں اور
وار کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے لیکن کس طرح خداوند
اور یسوع مسیح اپنے راست قدم بندے اور معتقد کو دشمنوں کے ہر حملے
بار بار بچاتا اور انھیں پے در پے شکست دیتا ہے۔

پرنس یوسوپوف کی راسپوٹین سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ یہ بانکا سجیلا نازک اندام حسین شہزادہ جو زارینہ کا دور کا رشتہ دار تھا، لاکھوں میں ایک تھا۔ اس کے باپ دادا نے زار کے خاندان کی سالہا سال خدمات انجام دی تھیں۔ یوسوپوف نے زار کی ایک قریبی عزیزہ سے شادی کی تھی۔ جو حسن، امارت اور رکھ رکھاؤ میں روس کی صنف اول کی خواتین شمار کی جاتی تھی۔ یوسوپوف اور آئرنیا میں بے پناہ محبت تھی ا... کی کوئی اولاد نہ تھی۔ لیکن نوجوان جوڑا خود اس قید سے کچھ عرصہ آ... رہنا چاہتا تھا۔

یوسوپوف زار کے گنے چنے قابل اعتماد آدمیوں میں سے تھ... راسپوٹین کے روس کی سیاست اور شاہی محل میں ...غلبے سے قبل اسے بعض اہم امور کے مشن پر روس سے باہر بھیج دیا گیا تھا۔ ا... نے جرمنی اور لندن میں تعلیم پائی تھی اور یہی دو ملک زار کے دشمن کی آماجگاہ تھے۔ یوسوپوف نے ان ملکوں میں کئی برس گزارے... اس دوران اس نے زار کے خلاف متعدد سازشوں کو بے نقا... کیا۔ اس کے چہرے کی معصومیت سے اس بے پناہ ذہانت کا علم ہوتا تھا۔ جو اس میں پنہاں تھی روس میں واپسی پر اس نے راسپوٹین... متعلق بہت کچھ سنا مگر اس کھلنڈرے آزاد خیال نوجوان نے درویشی کشف وکرامات کی داستانوں کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ نہ ہی اس... راسپوٹین سے وابستہ شیطانی واقعات کو درخور اعتنا سمجھا کیونکہ ا...

تھا کہ روس بھر میں ایسے مکار اور بہروپیے درویشوں، اللہ والوں، سیلانیوں اور ولیوں کا جال پھیلا ہوا تھا جو ضعیف الاعتقاد لوگوں کی کمزوریوں سے خوب ہاتھ رنگتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ سوسائٹی کی اونچی سطح سے نیچے اترنا پسند نہ کرتا تھا وہ سلطنت اور شاہ کے لیے بہت کچھ کر چکا تھا اور اب زیادہ تر وقت آئرینا کی محبت میں یا شکار چوگان، بلیرڈ کھیلتے گزارتا تھا۔ لوگ اس کی لاپرواہی، تنہا پسندی اور شاہانہ مشاغل کی وجہ سے اسے چھوٹا زار کہتے تھے اسے محض حسن اتفاق سمجھیے یا مشیت ایزدی کہ زار اعظم راسپوٹین کو صفحۂ ہستی سے مٹانے والا کوئی دوسرا نہیں بلکہ "چھوٹا زار" تھا۔

ماسکو شہر میں اس کا ایک ہی دوست تھا۔ گرانڈ ڈیوک ڈمٹری پاولووچ جو زار کے مستقل محافظوں کی رجمنٹ میں لفٹیننٹ تھا۔ یہ اپنے باپ گرانڈ ڈیوک پاول الیگزینڈرووچ کا اکلوتا بیٹا تھا جو زار کا چچازاد بھائی تھا۔ ڈیوک ڈمٹری بھی پرنس یوسوپوف کی طرح نفاست مزاج، خوش اندام، ذہین وفطین اور تنہائی پسند تھا۔ دونوں میں خوب گاڑھی چھنتی تھی اور ان کی دوستی کو رشک کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ دونوں ہفتوں شکار کے لیے شہر سے باہر رہتے اور جب شہر میں آتے تو ساتھ ساتھ رہتے۔ ڈمٹری بڑے بڑے فوجی افسران، بیگمات اور شاہی خاندان کی آنکھوں کا تارا تھا۔ غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے شہزادیاں اور دوسری نوجوان لڑکیاں اس کا قرب حاصل کرنے کی تمنی رہتی تھیں لیکن وہ ابھی شادی کے بندھنوں میں خود کو جکڑنا

نہ چاہتا تھا۔ لہذا سب سے الگ تھلگ اپنے دوست یوسوپوف کے سا
ہنس کھیل کر دن گزارنے میں مگن تھا۔ یوسوپوف کی طرح اس نے بھی راسپوٹ
کو کبھی اہمیت نہیں دی تھی تاہم وہ اسے پسند نہ کرتا تھا۔ زار کی محافظ رجمنٹ
میں ہونے کی وجہ سے وہ اپنی رائے کا کسی پر اظہار نہ کرتا تھا نہ ہی کسی ک
کوئی تنقید یا نکتہ چینی سنتا تھا۔

یوسوپوف کی وطن مراجعت پر سب سے پہلے اسی نے اسے راسپوٹ
کے متعلق بتایا لیکن یوسوپوف کی سرد مہری سے اسے مزید کچھ کہنے کی ہمت
نہ ہوئی۔ علاوہ ازیں اسے فوج میں ترقی کے روشن امکانات نظر آتے
اگر وہ راسپوٹین کے خلاف ایک لفظ بھی کہتا تو اس کا مستقبل ہمیشہ کے
تاریک ہو جاتا۔ اسے موقعہ پرستی کہہ لیجئے یا احتیاط، ڈمٹری نے بہرحال خامو
میں نجات سمجھی

مونیا گولو ڈینا یوسوپوف کے مرحوم بھائی کی منگیترہ رہ چکی تھی۔ اسے ا
خاموش طبع، سوگوار صفت لڑکی سے بے حد ہمدردی تھی۔ مونیا نے اپنے م
کی بے وقت موت کے بعد اب تک شادی کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ ا
کی ماں اسے سمجھا کر ہار چکی تھی۔ جب وہ اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنے میں
ہو گئی۔ تو اس نے راسپوٹین کا رخ کیا لیکن ایک عرصہ گزر گیا۔ راسپوٹین لڑکی
دل کا کنول کھلا نہ سکا تھا۔ جب یوسوپوف کو اس کا علم ہوا تو اس نے
کی دل جوئی کی ٹھانی اور جب بھی اسے وقت ملتا اس سے ملنے چلا آتا۔
کبھار آمونیا بھی اس کے ساتھ ہوتی۔ کبھی مونیا اور اس کی ماں ان کے ہاں

جائیں۔ دونوں ماں بیٹیوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح یوسوپوف بھی راسپوٹین کی کرامات کا قائل ہو جائے اور ان سے فائدہ اٹھاتے۔ لیکن یوسوپوف کسی طور قابو میں نہ آتا تھا۔ تاہم مونیا ہمت ہارنے والی نہ تھی۔ آج کی چائے پارٹی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

راسپوٹین لاف زنی میں مصروف تھا اور یوسوپوف طنزیہ مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ البتہ مونیا اور اس کی ماں بڑی عقیدت سے اس کی گفتگو کا ہر لفظ بغور سن رہی تھیں۔ جب راسپوٹین کی خود نمائی کا سیلاب کسی طرح تھمتا نظر نہ آیا تو یوسوپوف ایک انگڑائی لے کر اٹھا۔ اسے اٹھتے دیکھ کر راسپوٹین چونک پڑا۔ وہ سارا زور اس نوجوان چھوکرے پر رنگ جمانے کے لیے صرف کر رہا تھا۔ اسے لاتعلقی کا اظہار کرتے دیکھ کر اس کی انا کو زبردست ٹھیس پہنچی اور اس نے اسی دم فیصلہ کر لیا کہ نوجوان شہزادے کا غرور توڑ کر رہے گا۔ تاہم اس وقت یہ موقعہ نہ تھا۔ اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر مونیا سے کہا "نوجوان شہزادے کو ہماری باتیں پسند نہیں آئیں۔" اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی یوسوپوف بول پڑا۔ "نہیں یہ بات نہیں ہے۔ دراصل مجھے ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔" راسپوٹین پھیکی ہنسی ہنسا اور اس کے بدنما پیلے دانتوں کو دیکھ کر یوسوپوف کو ابکائی سی آئی۔

راسپوٹین بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے یوسوپوف کا سرخ و سفید گداز ہاتھ اپنے سوکھے کھردرے ہاتھوں میں لے کر دبایا۔ اور یوسوپوف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا "پھر کب نیاز ہوں گے آپ سے؟" یوسوپوف جواب

دینے ہی لگا تھا کہ راسپوٹین جلدی سے بولا "مجھے معلوم ہے کہ آپ بہت
مصروف آدمی ہیں۔ تاہم آپ اپنی شادی کی سالگرہ پر مجھے نہ بھولیے"۔
یوسوپوف بیک وقت اس کی قیافہ شناسی اور ذہانت کا قائل ہو گیا۔ کسو
خوبی سے داؤ کھیل گیا۔ وہ مسکرا کر بولا "ضرور۔ آپ کو کیوں بھولنے لگا"۔
یوسوپوف دروازے کی طرف بڑھا تو راسپوٹین بھی اس کی کمر میں ہاتھ
دیئے اس کے ساتھ چل پڑا۔ یوسوپوف کو یہ بے تکلفی بے حد بری لگی
آج تک دمتری کے سوا کسی نے اس سے اتنی بے تکلفی نہیں برتی تھی
تاہم وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ جب وہ دروازے پر پہنچے تو پیچھے
سے مونیا کی باریک آواز آئی "فادر، آپ بھی جا رہے ہیں"۔ راسپوٹین
نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور بولا "ہاں ننھی جان! مجھے بھی اب جانا چاہ
مونیا قریب آ چکی تھی۔ راسپوٹین نے یوسوپوف کو چھوڑ کر اس کی طرف ہا
بڑھایا اور دوسرے لمحے وہ اس کی آغوش میں تھی وہ وحشیانہ طور سے ا
کے نازک لبوں کے پے در پے بوسے لے رہا تھا۔ یہ منظر یوسوپوف
کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ وہ غصے سے ہونٹ چبانے لگا۔ کچھ
ہو وہ اس کے بھائی کی سابق منگیتر تھی۔ یوسوپوف نے بمشکل اپنے آپ
قابو پایا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ راستے میں راسپوٹین کے ناپاک
وجود سے دنیا کو پاک کرنے کا خیال پہلی مرتبہ اس کے دل میں آیا اور
نے پہلی ہی فرصت میں اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھان لی۔
یوسوپوف نے وہ رات سخت بے چینی میں کاٹی۔ تمام رات وہ منصو

ناما رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے لیکن وہ تنہا یہ کام کر سکتا تھا اور کسی دوسرے پر اعتبار نہ کیا جا سکتا تھا۔ گھوم پھر کر اس کی نظر ڈمٹری پر تی تھی۔ لیکن دھڑکا بھی تھا کہ کہیں وہ انکار کر دے تو ایسا نہ ہو کہ "گئے تھے نہ بخشوانے اور روزے گلے پڑ گئے"۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی اور وہ ناشتہ کر کے ہٹا ہی تھا کہ ڈمٹری کی آمد کی اطلاع ملی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ڈمٹری سے سامنا ہوا تو وہ قدرے بوکھلا بھی گیا مگر جلد اس نے خود پر قابو پا لیا۔ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے یوسوپوف نے تان کر راسپوٹین کو درمیان میں لے آیا اور چند ہی باتوں میں اس نے اندازہ لگایا کہ ڈمٹری اس موضوع سے گریز کر رہا ہے تاہم اس نے ت آزمانے کی ٹھان لی اور دبے دبے الفاظ میں حرف مدعا زبان لے آیا۔ یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی ڈمٹری اس کا ساتھی بن چکا تھا اب کیا تھا جھٹ پٹ سازش نڑی پکنے لگی۔

ڈمٹری نے اس کار ثواب کے لیے بہ نفس نفیس اپنی خدمات پیش یوسوپوف کو اس کی زبانی سن کر خوشی بھی ہوئی اور حیرت بھی کہ وہ ی سے راسپوٹین پر خار کھائے بیٹھا تھا اور موقع کا منتظر تھا کہ کسی ی بھی گڑ بڑ ہو تو وہ راسپوٹین کی پتنگ کنی سے کاٹ دے۔ لیکن ف یہ کام خود کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر انہیں مقصد میں ہوئی تو ڈمٹری اسے بچا سکے گا۔ اس کی پوزیشن یوسوپوف کے حق

میں دست بردار ہوگیا۔ طے پایا کہ راسپوٹین کو یوسوپوف کے محل میں بذریعہ زہر ہلاک کیا جائے گا۔ زہر مہیا کرنے کے لیے ان کی نظر انتخاب پورشکیوچ پر پڑی جو ایوان بالا کا ڈپٹی تھا اور راسپوٹین پر ایوان کے اندر اور باہر پریس میں کئی سخت حملے کر کے اب نہ جانے کیوں خاموش ہو بیٹھا تھا۔ پورشکیوچ روس کی ریڈ کراس تنظیم کا سربراہ تھا اور اس نے ایک ٹرین میں گشتی شفا خانہ کھول رکھا تھا جو دن رات دواؤں وغیرہ سے بھری رہتی تھی اور جونہی کوئی وبا پھوٹتی یا کہیں سے بیماریوں میں اضافہ کی اطلاع ملتی اس کی ٹرین جائے موقعہ پہ پہنچ جاتی۔

اگلے دن یوسوپوف، پورشکیوچ سے ملا اور دوسرا مرحلہ بھی منڈلا میں طے ہو گیا۔ پورشکیوچ نے نہ صرف اس سے اتفاق رائے کیا بلکہ اپنی خدمات بے دھڑک پیش کر دیں اس نے اپنی ٹرین کے انچارج ڈاکٹر لیزوورٹ کو ساتھ ملانے کی تجویز پیش کی اور اس کا پورا ذمہ لیا لیزوورٹ پولینڈ کا رہنے والا تھا اور اسے بھی راسپوٹین کے نام سے نفرت تھی ڈمہ نے فالتو آدمیوں کے طور پر دو نام پیش کئے جو اس کے قابل اعتماد آدمی تھے۔ اگلے دو دنوں میں چھ آدمیوں کی یہ ٹیم راسپوٹین کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے تمام ساز و سامان سے لیس ہو گئی۔ یہ اواخر ۱۹۱۴ کا ذکر ہے۔

دسمبر ۱۹۱۶ء کے اوائل تک یوسوپوف راسپوٹین کا گہرا دوست بن چکا تھا۔ مونیا اور مادام گولووینا خوشی سے پھولی نہ سماتی تھیں بلکہ ا

ملکت ہستی سے یوسوپوف کو ملانے کا سہرا ان کے سر تھا۔ اس اثنا میں
سوپوف نے جان کر کئی مرتبہ اپنی بیوی کا ذکر چھیڑا اور ہر مرتبہ مونیا اور
کی ماں نے آئرینا کے حسن وجمال اور عادات وخصائل کی اتنی تعریف
کہ راسپوٹین کے منہ میں پانی بھر آیا اس نے بڑی بے چینی سے اس
ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن یوسوپوف ہر مرتبہ بہ لطائف الحیل ٹال
ن نے بار بار دیکھا کہ آئرینا کا ذکر چھڑتا تو راسپوٹین کی حالت غیر ہو جاتی
ہر بے چاری مونیا کی شامت آجاتی۔ مونیا کو اس کی گرفت میں دیکھ
ب یوسوپوف نے تاؤ کھانا چھوڑ دیا تھا۔ اسے اس جاہل اور بے حیا
سے کوئی ہمدردی نہیں رہی تھی۔ وہ تو محض اپنی غرض کے لیے اس
لق رکھنے پر مجبور تھا۔ دریں اثنا یوسوپوف نے راسپوٹین کا کام
نے کے تمام انتظامات مکمل کر لیے۔ اپنے عظیم الشان محل کا نیم تاریک
منتخب کر کے اسے اچھی طرح صاف کروایا اور خوب سجایا در و دیوار پر
روایا۔ بیش قیمت قالینوں اور صوفے وغیرہ سے اسے مزین کیا۔ گویا اچھا
یرانہ شان وشوکت کا ڈرائینگ روم بنا ڈالا۔ اس کام میں اس نے
ری دوست ڈمٹری اور اس کے دو آدمیوں کے سوا کسی کی مدد نہ لی
ات کی تاریکی میں ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ آئرینا اور محل کے خدمت گاروں
نہ چلا کہ کہاں کیا ہو رہا ہے۔ قاتلوں کی ٹیم نے اپنے مقصد مسعود کے
سمبر ۱۹۱۶ء کا دن منتخب کیا اور بے چینی سے اس مبارک گھڑی کا
نے لگے۔

۱۶ر دسمبر کی صبح کورا سپوٹین حسب معمول بیدار ہوا اور اس نے دس بجے
تک سارے کام پروگرام کے مطابق نبٹا لیے۔ دس بجے معمول کے مطابق
زبار سکو سیلو سے فون پہ بات کی اور پھر روزمرہ کے کاموں میں لگ گیا۔ تین
بجے مونیا اس سے ملنے آئی تو وہ غیر معمولی طور پر ہشاش بشاش نظر آیا۔ تاہم
اس نے مونیا کو اس کی وجہ نہیں بتائی۔ سہ پہر کے بعد اینا یرو بودا بھی آئی
اور اسے اپنی طرف ملتفت نہ پاکر قدرے حیران ہوئی۔ پھر اسے خیال آیا
ممکن ہے وہ "سیر" ہو چکا ہو یا رات کو ہونے والا ہو۔ بہرکیف وہ اس د
بے نیل ومرام لوٹی۔

مغرب کے وقت اس نے ڈونیا کو بلا کر کہا کہ وہ رات کو کھانا نہیں کھا
گا اور وہ سونے سے پہلے اس کا بہترین لباس نکال کر خواب گاہ میں رکھ
ڈونیا نے حکم کی تعمیل کی۔ اس کا خیال تھا کہ رات کسی خاص مہمان کے آنے
توقع ہے۔ کام کاج سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اسے
دیکھ کر حیرت ہوئی کہ راسپوٹین آج خلاف معمول خواب گاہ میں جلد کیدار
ہو گیا ہے۔ اور واقعی وہ خواب گاہ کی بتی بجھائے ریشمی پوشاک میں ملبو
بستر پہ دراز تھا۔ اس کی نظریں چھت سے لگی تھیں اور آئرینا کا خیالی حسین
کی نظروں میں گھوم رہا تھا۔ یوسوپوف نے آج اسے جو چکمہ دیا تھا اس
اس کی ساری زندگی میں نہیں ملتی۔ حیرت تھی کہ بلا کا قیافہ شناس اور گھاگ
اس نو عمر چھوکرے کے ہاتھوں مات کھا گیا تھا۔ یوسوپوف نے اسے بتا
وہ قوت مردمی سے محروم ہے اسی لیے ان کے اولاد نہیں ہوتی وہ ا

بوی کا روحانی علاج کرے اور کسی کو پتہ نہ چلے۔ راسپوٹین آئرینا کے حسن جانسوز
ما تعریفیں سن ہی چکا تھا فوراً آمادہ ہوگیا۔ یوسوپوف نے اسے نہایت رازداری
یتے کو کہا تھا اور پروگرام یہ تھا کہ راسپوٹین کسی تیسرے فرد کو بتائے بغیر رات
تاریکی میں یوسوپوف کے ہاں جائے گا۔

کوئی ساڑھے گیارہ کا عمل ہوگا کہ ڈونیا کو یوں لگا جیسے کوئی راسپوٹین کے
پچھلے دروازے پر دستک دے رہا ہے وہ دبے پاؤں اٹھی اور باورچی خانے
پہنچی، باورچی خانے کے جھروکے سے راسپوٹین کی خواب گاہ کا پچھلا دروازہ نظر
تھا۔ یہی وہ دروازہ تھا جس سے خاص لوگ آتے جاتے تھے اور جہاں سے
ر کی بیگمات اور دوسری عورتوں کو رازداری سے باہر نکالا جاتا تھا۔ ڈونیا نے دیکھا
ک طویل القامت شخص لمبے سیاہ کوٹ اور سیاہ ٹوپی پہنے کھڑا ہے۔ ٹوپی اور
ں کے کالروں نے اس کا چہرہ چھپا رکھا ہے۔ ڈونیا نے اسے پہچاننے کی
جد کوشش کی لیکن بے سود۔ خواب گاہ کا دروازہ کھلا اور راسپوٹین دبے پاؤں باہر
کچھ فاصلے پر ایک کار کھڑی تھی جس کا رنگ تاریکی کی وجہ سے پہچانا نہ جاتا تھا۔
ں کار کی طرف بڑھے۔ ایک موٹا سا پستہ قد آدمی کار کا اگلا دروازہ کھول کر باہر نکلا
س نے دونوں کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ راسپوٹین اور اس کے پیچھے پُراسرار
ار میں بیٹھے۔ پستہ قد شخص کار چلانے لگا اور وہ بغیر آواز پیدا کیے روانہ ہو
۱۹۱۶ء کے دسمبر کی سترھویں کو ڈونیا نے راسپوٹین کو یہ آخری مرتبہ دیکھا تھا۔

کار تیزی سے چلی جا رہی تھی اور راسپوٹین، یوسوپوف اور کار کا ڈرائیور ڈاکٹ
لیزووَرت تینوں خاموش تھے محل سے کچھ فاصلے پر کار رک گئی۔ اور دونوں جلاد
سزائے موت کے مجرم کو لیے محل کے عقبی دروازے کی طرف بڑھے۔ انہیں دروازہ
کھٹکھٹانا نہیں پڑا کیونکہ ڈیوک ڈمٹری کے دونوں آدمی مستعد کھڑے تھے۔ راسپوٹین
کو تہ خانے میں لے جایا گیا جہاں اس کے ہمراہ صرف یوسوپوف رہا۔ تہ خانے کے
عین اوپر والے کمرے میں ڈمٹری اور پورشکیوچ زہر کا محلول لیے بیٹھے تھے۔ کچھ دیر
پہلے انہوں نے اسے ایک کتے پر آزمایا تھا اور نتیجہ نہایت حوصلہ افزا نکلا تھا۔

راسپوٹین آئرینا کو دیکھنے کے لیے بیتاب تھا۔ لیکن یوسوپوف نے پہلے کام و دہن
سے شاد کام ہونے کی درخواست کی۔ کمرہ مچھلی کی خوشبو سے بسا ہوا تھا اور سامنے
لمبی سی آبنوسی میز پر شراب کی درجنوں بوتلیں قطار در قطار رکھی تھیں۔ یوسوپوف نے
ہولے سے تالی بجائی اور ڈمٹری کے دونوں آدمی خدمت گاروں کے بھیس
میں آئے۔ کھانا میز پر چنا گیا۔ بوتلوں کے کاگ اڑے اور راسپوٹین مچھلی پر
ٹوٹ پڑا۔ اتنی عمدہ مچھلی اس نے پہلے کبھی نہ کھائی تھی نہ ہی اتنی لذیذ میڈیرا
اس نے پہلے چکھی تھی۔ یوسوپوف نے بتایا کہ مچھلی خاص طور پر ڈنمارک سے منگا
گئی تھی اور شراب اس کے باغ ہی اس کی ذاتی نگرانی میں کشید کی گئی تھی مچھلی کی تد
رکابیوں اور ایک بوتل میڈیرا کے ساتھ ہی راسپوٹین جنت کی فضاؤں میں اڑ
لگا۔ تیز شراب نے جلد ہی اس کے جو اس پر تسلط جما لیا اور وہ بہکنے لگا۔ اسے

آؤ، وہ کہاں ہے۔ میں نے آج صبح سے اس کی خاطر کسی عورت کو پاس پھٹکنے نہیں دیا۔ وہ ریشم و حریر کی گڑیا کہاں ہے۔" اس کے ساتھ ہی اس نے فحش کلامی شروع کر دی یوسوپوف صبر کے گھونٹ پیتا خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ کتا آخر کب تک بھونکتا رہے گا۔ صبح کی پہلی کرن سے پہلے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائے گا۔

بالآخر انتظار کی صبر آزما گھڑی ختم ہو گئی اور دمتری کے آدمی میڈیرا کی ایک بوتل چھپا کر لے آئے۔ انھوں نے جھک کر نہایت مؤدبانہ طور پر یوسوپوف سے کہا۔ "عزت مآب شہزادی صاحبہ خواب گاہ میں مقدس فادر کی راہ دیکھ رہی ہیں۔" یہ سننا تھا کہ راسپوٹین اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن اسی لمحے یوسوپوف نے شراب کا ایک بڑا سا جام اس کے سامنے کر دیا۔ "عظیم فادر! یہ آخری جام نوش کر لیجئے، واللہ خاص الخاص چیز ہے۔" راسپوٹین اسے کھڑے کھڑے شراب کو غٹاغٹ چڑھا گیا۔ آخری جرعہ لیتے ہی جام اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ خیز آواز پیدا کیے قالین پر گر پڑا۔ دونوں آدمیوں نے لپک کر اسے دائیں بائیں سے تھام لیا۔ یوسوپوف اپنے ساتھیوں کو خاص طور سے ڈاکٹر لیزوورٹ کو بتانے کے لیے بھاگا۔

دمتری، پوریشکیوچ، ڈاکٹر لیزوورٹ اور یوسوپوف جب تہ خانے میں پہنچے تو راسپوٹین مٹی کے بے جان ڈھیر کی طرح پڑا تھا۔ ڈاکٹر لیزوورٹ نے اس کی نبض اور آنکھوں کی پتلیاں دیکھیں اور اعلان کر دیا کہ روس کی عظیم ترین شخصیت زار اعظم کا ناقابل شکست مرد آہن، زارینہ اور سینکڑوں عورتوں کے دل کا محبوب، لاکھوں دل و دماغ پر حکومت کرنے والا، بیک وقت ولی اور شیطان گریگوری ایفیموویچ راسپوٹین روس کے تاج و تخت کو ایک مٹھی میں اور کلیسا کو دوسری مٹھی میں لیے کتے کی موت مارا گیا ہے ——————

۱۶

پو پھٹی اور ڈونیا حسب معمول بیدار ہوئی۔ سب سے پہلے اس نے راسپوٹین
کی خواب گاہ میں جھانکا۔ بستر کو بے شکن دیکھ کر اسے رات کا واقعہ یاد آ گیا اور نجانے
کیوں اس کا دل دھڑکنے لگا۔ راسپوٹین کے رات بھر غائب رہنے کا یہ پہلا وا
نہیں تھا لیکن جس پر اسرار طریقے سے وہ رات گیا تھا اس نے ڈونیا کے دل میں تشک
شبہات بھر دیئے، تاہم کسی کو کچھ بتائے بغیر وہ روزمرہ کے کاموں میں جت گئی
سورج چڑھتے ہی ملاقاتیوں کا تانتا بندھا اور لوگ راسپوٹین کے انتظا
میں بیٹھ گئے۔ سب کچھ حسب معمول ہو رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ڈونیا
اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ جب دس بجے تو اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا کیونکہ ا

وقت راسپوٹین جہاں کہیں بھی ہوتا فوراً گھر پہنچ جاتا یا کم از کم فون کر دیتا کہ زارسکوسیلو سے آمدہ پیغام اسے فلاں جگہ پہنچا دیا جائے۔ فون اپنے وقت پر آیا اور پہلی مرتبہ ڈونیا کو راسپوٹین کے متعلق اپنی لاعلمی کا اظہار کرنا پڑا۔ نصف گھنٹے کے اندر ہی اینا یروبودا آ پہنچی۔ ڈونیا نے بلا کم و کاست رات کا واقعہ سنا دیا۔ اس کے چہرے پر بھی فکر و تردد کے آثار نمایاں ہوئے اور اس نے فوراً مونیا کے ٹیلی فون کی تار کھڑکائی مونیا نے بھی لاعلمی ظاہر کی اور تقریباً نصف گھنٹے بعد وہ بھی آ پہنچی۔ مونیا نے آتے ہی سوپوف کو فون کیا لیکن معلوم ہوا کہ وہ گزشتہ سہ پہر ہی سے ڈمٹری کے ساتھ شکار گیا ہے۔ اور اب تک نہیں لوٹا۔ یہاں سے مایوس ہو کر اینا یروبودا نے زارینہ کو فون کیا اور تمام حالات بتائے زارینہ نے زیادہ تشویش ظاہر نہیں کی۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ فادر گریگوری پر آنچ نہیں آسکتی۔

راسپوٹین کی گمشدگی سے سب سے زیادہ تشویش خفیہ پولیس والوں اور مختلف سوسول ایجنٹوں کو ہو رہی تھی۔ انہیں تنخواہ ہی اسی بات کی ملتی تھی کہ راسپوٹین کی لمحہ حرکات و سکنات کی رپورٹیں اپنے اپنے آقاؤں کو پہنچائیں۔ ان کے وہ مکان میں منڈلانے لگے۔ وہ جو سامنے آیا اس سے پوچھتے راسپوٹین ہوگا۔ رات کہاں اور کس کے ساتھ گیا تھا۔ گزشتہ روز اس سے کون اور کیسے ملنے آیا تھا۔ لیکن ان کی مایوسی لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی ان کی بھاگ دوڑ پریشانی دیکھ کر مہمانوں کا ماتھا ٹھنکا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ وہ گروہ در گروہ ادھر ادھر کونوں کھدروں میں کانا پھوسی اور سرگوشی کرنے لگے۔ بیچاری ڈونیا کی شامت

آ گئی تھی جو آتا اسی سے بیسیوں سوالات کر ڈالتا۔ تنگ آ کر وہ اپنے کمرے میں بند ہو گئی

ساڑھے گیارہ کے قریب راسپوٹین کی لڑکیاں کسی تقریب سے فارغ ہو کر یوٹیو

وہ گزشتہ دن سرِ شام ہی چلی گئی تھیں۔ انہوں نے گھر میں جو خلافِ معمول ہنگامہ دیکھا۔ آ

حیران رہ گئیں۔ میٹریونا نے سب لوگوں کو وہاں سے چلے جانے کو کہا اور کچھ دیر میں سوا

پولیس والوں، مونیا اور جاسوسوں کے مکان خالی ہو گیا۔ اب اس نے اطمینان سے ڈو

کی باتیں سنیں اور پولیس والوں کے سوالات کا جواب دیا۔ اس کی موجودگی میں زار سکو سیا

سے فون آیا اور اس نے اینا یرو بودا کو بتایا کہ راسپوٹین ابھی تک نہیں لوٹا اسی

بیلیسکی اور کرنل کومیساروف کے فون کا بھی جواب دیا اور کچھ دیر بعد اس نے یوسو

کو بھی فون کیا لیکن معلوم ہوا کہ پرنس ابھی تک شکار سے واپس نہیں آیا۔

سورج کی تمازت کے ساتھ اضطراب کی تپش بھی بڑھتی گئی۔ راسپوٹین کے گھ

سامنے اور سڑکوں پر کاروں کی قطاریں لگ گئیں۔ اور لوگوں کا اژدہام ہو گیا جس

اہلِ خانہ کے دل ڈوب رہے تھے۔ لوگوں کو اندر آنے سے منع کر لینے کے باوجود

کمرے پر ہو چکے تھے۔ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی بیگمات، شہزادیوں، دوسا احکام اور اف

کو کون منع کر سکتا تھا ٹیلی فون ایک لمحہ کے لیے بیکار نہ رہتا تھا۔ میٹریونا اور مونیا کی آ

سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ دوسری عورتیں بھی کچھ سہمی سہمی رہی تھیں، کچھ آہیں بھ

تھیں، مردوں کے چہرے بھی متفکر تھے اور پولیس والوں کے تو ہوش گم تھے وہ بوکھلا

پھر رہے تھے۔ ہر فرد کو نوکری اور اس کے ساتھ ہی زندگی بھی خطرے میں نظر آتی تھی

تین بجے کے قریب ایک سیاہ کار محل کو چیرتی ہوئی صدر دروازے پر رکی اور
ں سے بیلیسکی اور کرنل کومیاروف اترے۔ ان کے پیچھے پیچھے تھیلا اٹھائے ایک پولیس
ر تھا وہ بشکل گھر میں داخل ہوئے تو بیلیسکی نے پولیس افسر کو اشارہ کیا۔ اس نے تھیلے میں
ے ایک جوتا نکال کر میز پر رکھ دیا۔ بیلیسکی نے میٹرونیا سے اسے پہچاننے کو کہا کہ آیا وہ
ں کے باپ ہی کا ہے وہ اسے پہچان تو نہ پائی لیکن معاملے کی تہ تک پہنچ گئی اور چیخ
کر رونے لگی۔ اس کی آواز سنتے ہی سب مہمان دیوانہ وار دوڑے لیکن دروازہ اندر
ے بند تھا۔ میٹرونا اس دوران میں بے ہوش ہو چکی تھی۔ ناچار ڈونیا کو طلب کیا گیا اس
ساتھ ورنیا بھی آئی۔ ڈونیا نے فوراً تصدیق کر دی کہ جوتا راسپوٹین ہی کا تھا۔ میٹرونا کو
رے کمرے میں لے جایا جانے لگا۔ تو موتیا تیورا کر گر پڑی۔ گھر بھر میں کہرام
یا۔ دبی دبی سسکیوں کی جگہ نالہ و شیون نے لے لی اور آہ و فغاں سے گلی کوچے
نے لگے بیلیسکی بہت پریشان ہوا۔ اب تک راسپوٹین کی موت کی تصدیق نہیں ہوئی
س نے لوگوں کو خاموش کرنے کی بہت کوشش کی لیکن تھک ہار کر چلا گیا۔

پانچ بجے کے قریب سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ راسپوٹین کی لاش سینٹ
ہزرگ سے کچھ دور دریائے نیوا پہ پیٹرووسکی کے پل کے نیچے برف کے تودوں
بی ہوئی ملی ہے اس کا سارا جسم نیلا ہو گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
تیز زہر دیا گیا ہے اس اعلان کے کچھ دیر بعد ہی بتایا گیا کہ پرنس یوسوپوف
پوٹین کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے